

عمران سیریز جلد نمبر 7

## قاصد کی تلاش

22 - قاصد کی تلاش

23 - رائی کا پرہت

24 - پاگل کتے

ابن صفی

خطوط بھیجتے رہے جب تک جواب نہ آجائے۔

☆ خدا کو حاضر ناظر جان کر کہا جاتا ہے کہ اس ناول کے نام، مختلف کردار اور کہانی سے تعلق رکھنے والے اداروں کے نام قطعی فرضی ہیں اگر اس حلیہ بیان پر آپ کو یقین نہ آئے تو صبر کیجئے۔

☆ قیمت ایک روپیہ سے ایک پیسہ کم نہ ہوگی۔ بہنی کا پہرہ بور نہ کیجئے۔

☆ زر سالانہ مع رجسٹری خرچ مبلغ گیارہ روپے (لابریروں سے مبلغ پانچ روپے زائد یعنی سولہ روپے کیونکہ لابریروں کے ایک روپیہ سے نہ جانے کتنے روپے بنالیتے ہیں۔

☆ ممالک غیر سے سترہ شلنگ (ہمیں نہیں معلوم کہ ایک روپے میں کتنے شلنگ ہوتے ہیں اللہ کے بھروسے پر سترہ شلنگ لکھ دیئے جاتے ہیں۔)

☆ بیچارے ابن صفی پرنٹر پبلشرز (شامت اعمال سے) نے دفتر سے فلاں پریس تک کئی روز جو تیاں پٹخانے کے بعد بہزار دقت چھپوایا اور فلاں فلاں مقام سے رو رو کر شائع کیا.... رویا اس لئے کہ ہر جزو کا ایک آدھ صفحہ

ضرور اڑا ہوا نظر آیا۔ پریس والوں سے شکایت کی تو بولے کہ کتابت درست نہیں تھی۔ کاتب سے کہئے کہ گاڑھی روشنائی استعمال کرے، کاتب تک ان کا

پیغام پہنچایا تو بڑی حیرت سے بولے کہ ارے آپ اس پریس میں چھپواتے ہیں وہاں تو ساری مشینیں چوپٹ ہیں، میں اتنی گاڑھی روشنائی استعمال کرتا ہوں کہ

اگر آپ کے چہرے پر اس کا پلاسٹر کر دیا جائے تو کم از کم چھ ماہ تک آپ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں۔

بس ختم کرتا ہوں، اس پیشرس کو اپنا سر پیٹ کر، خدا آپ کو بھی صبر کی قوت عطا فرمائے۔ آمین۔

ابن صفی

۲۰ اگست ۱۹۵۷ء

## پیشرس

عمران کا بانیسواں کارنامہ ملاحظہ فرمائیے!.... اور یقین کیجئے کہ یہ جملہ لکھنے کے بعد تقریباً آدھے گھنٹے تک دوسرے جملے کا انتظار کرنا پڑا ہے۔ پیشرس لکھتے وقت ہمیشہ میرا قلم لنگڑانے لگتا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھا جائے... دشواری یہ آپڑی ہے کہ اب آپ نے پیشرس کے دلچسپ ہونے پر بھی زور دینا شروع کر دیا ہے.... ہو سکتا ہے کچھ دنوں بعد فرمائیں کہ کتاب کا پہلا اور دوسرا صفحہ بھی دلچسپ ہونا چاہئے، وہ بڑی کٹھن منزل ہوگی۔ آپ خود سوچئے کہ میں ان دونوں صفحات کو کیسے دلچسپ بنا سکوں گا، مگر نہیں ٹھہریئے! یہ کوشش کروں گا.... مثلاً (پہلا صفحہ)

☆ عمران سیریز کا فلاں تخریز اور تہقہہ انگیز ناول... مزہ نہ آئے تو ایمان دھرم سے لکھ دینے پر آدمی قیمت واپس۔

☆ خدا کی قسم اس ناول کا نام ”قاصد کی تلاش“ ہے۔ مصنف ابن صفی (بی اے) کے دم چھلے سمیت.... خدا رحم کرے

☆ اس ذہنیت پر، دفتر اس کھیت میں پایا جاتا ہے جہاں آدمیوں کی کاشت ہوتی ہے، مزید آسانیوں کے لئے قبرستان بھی قریب ہے۔

(دوسرا صفحہ)

☆ جملہ حقوق بالکل محفوظ ہیں.... اگر یقین نہ آئے تو دفتر آکر زبانی پوچھ جائیے۔ آمدورفت کا کرایہ ہمارے ذمہ۔

☆ بھارت میں حقوق اشاعت عباس حسینی صاحب کے نام ہیں یقین نہ آئے تو انہیں ایک بیرنگ خط بھیج کر دریافت کر لیجئے اور اس وقت تک بیرنگ

”کیا ٹھیک ہے۔“

”بند کر دیا۔“

”میں نے ستار بند کرنے کو کہا تھا۔“

”اس میں دروازے نہیں ہیں۔“ بہت سادگی سے جواب دیا گیا۔

”کیا میں یہاں نہ آیا کروں۔“ روشی نے جھلا کر کہا۔

”آیا کرو۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”یہ تم ستار کیوں خرید لائے ہو۔“

”سلیمان“ عمران نے ہانگ لگائی اور سلیمان پہلی ہی آواز پر کمرے میں تھا۔

”ابے میں یہ ستار کیوں خرید لایا ہوں۔“ عمران نے غصیلی آواز میں کہا۔

”میں کیا جانوں جناب۔“

”ہائیں.... پھر کون جانے گا.... اب کیا میں راہگیروں سے پوچھتا پھر دوں کہ ستار نے مجھے

کیوں خرید اٹھا۔“

”میم صاحب کو سنانے کے لئے خرید اٹھا۔“ سلیمان نے روشی کی طرف دیکھ کر کہا۔

”کیا بلکتا ہے۔“ روشی دھاڑی۔

”مر گیا بے موت۔“ سلیمان ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑایا۔ پھر یک بیک اچھل کر بولا۔

”آہا.... صاحب اب یہاں کھیاں نہیں ہیں۔“

”کیا مطلب۔“ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔

”جب یہاں کھیاں تھیں تو آپ ستار نہیں بجاتے تھے۔“

”پتہ نہیں کیا یک رہا ہے۔“ عمران نے روشی کی طرف دیکھ کر حیرت سے کہا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور عمران نے جھپٹ کر ریسیور اٹھالیا.... سلیمان تو گھنٹی بجتے ہی

کھسک گیا تھا اور روشی ستار کے تار ڈھیلے کرنے لگی تھی۔

”بلیک زیرو سر۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”کیا خبر ہے۔“

”بہت بُری خبر جناب۔ سوٹ کیس میں کاغذات کی بجائے ایک نوزائیدہ بچے کی لاش تھی۔“



ستار ہی بج رہا تھا.... روشی کا پسندیدہ ساز.... اس کا خیال تھا کہ مشرقی سازوں میں ستار سے بہتر

اور کوئی نہیں ہے لیکن وہ اس وقت ایسا بُرا منہ بنائے بیٹھی تھی جیسے اسے کسی قسم کی سزا دی گئی ہو۔

بجانے والا کوئی ایریغیرا نہیں تھا.... بلکہ وہ شخص تھا جو بجانے کے ساتھ ساتھ نچانا بھی

جانتا تھا.... نگنی کا ناچ.... لیکن فی الحال وہ صرف ستار بجا رہا تھا اور روشی بیٹھی بسور رہی تھی۔

یہ عمران تھا.... ستار پر اس کی انگلیاں بجلی کی طرح کوندتی پھر رہی تھیں لیکن وہ نغمہ جو اس

کے تاروں سے منتشر ہو رہا تھا اس سے یا تو بھینس محفوظ ہو سکتی تھی یا مینڈکوں کو اس پر حال

آسکتا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ بطخیں بھی اسے پسند کر نکلتیں لیکن روشی نہ تو بھینسوں کی طرح جگلی کر سکتی

تھی نہ مینڈکوں کی طرح برسات کی راتیں حرام کر سکتی تھی اور نہ بطخوں کی طرح انڈے دے سکتی

تھی۔ البتہ یہ ضرور کر سکتی تھی کہ عمران سے ستار چھین کر اسی کے سر پر توڑ دی۔

”ارے بند کرو.... ورنہ میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گی۔“ وہ دونوں کانوں میں انگلیاں ٹھونس

کر چیختی۔

عمران نے بوکھلائے ہوئے انداز میں ستار رکھ دیا اور دروازے کی طرف چھلانگ لگائی۔

دروازہ اتنی بدحواسی کے ساتھ بند کیا جیسے مویشیوں کے اندر گھس آنے کا خدشہ رہا ہو۔

”ٹھیک ہے۔“ اس نے خوفزدہ انداز میں روشی سے پوچھا۔

سوٹ کیس کس نے کھولا تھا۔“

”دفتر خارجہ میں کھولا گیا تھا۔“

”میں پوچھ رہا ہوں کس نے کھولا تھا اور جب کھولا گیا تھا تو وہاں کون کون موجود تھا۔“

”اسسٹنٹ سیکریٹری مسٹر صدیقی نے کھولا تھا۔ ان کے علاوہ وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔“

”لیکن تمہیں اس کی اطلاع کیسے ہوئی۔“

”دفتر خارجہ میں ہر ایک کی زبان پر یہ کہانی ہے۔“

”ہوں.... اچھا.... اب تم کسی طرح وہ سوٹ کیس حاصل کرنے کی کوشش کرو.... مگر

دیکھو.... اگر یہ کہانی اخبارات میں نہ آنے پائے تو بہتر ہے۔“

”کوشش کروں گا جناب۔“

”تم کیا کوشش کرو گے۔ ٹھہرو.... یہ بتاؤ کہ واقعہ کتنی دیر پہلے کا ہے۔“

”میرے خیال سے اسے پانچ یا چھ گھنٹے ہو چکے ہیں۔“

”بہت دیر ہو گئی.... اچھا دیکھو شام کے سارے اخبارات جس منزل میں بھی ہوں، انہیں

وہیں رکوادو۔ لیکن ایسا کرنے سے پہلے یہ ضرور معلوم کر لینا کہ یہ خبر ان میں آگئی ہے یا نہیں۔“

”بہت بہتر جناب۔“

”عمران نے سلسلہ منقطع کر کے وزارت خارجہ کے سیکریٹری سر سلطان کے نمبر ڈائل کئے۔“

”ہیلو“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”سر سلطان سے کنکٹ کرو۔“ عمران نے کہا۔

”ہولڈ آن کیجئے۔“

عمران ریسیور اٹھائے سر سلطان کا منتظر رہا۔

”ہیلو....“ کچھ دیر بعد آواز آئی۔

”میں عمران ہوں جناب۔“

”اوہ.... کیوں.... ہاں بھئی.... کیا یہ اسی سوٹ کیس کا قصہ ہے۔“

”جی ہاں۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آخر یہ بات مشہور کیوں کی گئی۔“

”صدیقی کی حماقت اور کیا کہوں۔“

”اب آپ براہ کرم اس خبر کے لئے پریس کو سنسٹر کیجئے۔ شام کے اخبارات میں اگر یہ خبر

آنے والی ہو تو انہیں پریس سے باہر ہی نہ نکلنے دیجئے۔“

”اچھی بات ہے۔ اچھی بات ہے لیکن اس خبر کو پھیلنے سے روکا ہی کیوں جائے۔“

”میں اس کیس پر کام کر رہا ہوں۔ اس لئے اس کی تشہیر پسند نہیں کروں گا۔ کیونکہ ایسے

معاملات کی شہرت اکثر کھیل بگاڑ دیتی ہے۔“

”اچھی بات ہے۔ یہ خبر اخبارات میں نہیں آنے پائے گی۔ میں ابھی اعلان کرائے دیتا ہوں۔“

”اعلان“ عمران نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

”ہاں بھئی۔ کیا اس کے علاوہ بھی کوئی اور صورت ہو سکتی ہے۔“

”اعلان تو صرف اتنا ہی ہو گا کہ وزارت خارجہ سے تعلق رکھنے والی کوئی خبر نہ چھاپی جائے۔“

”ہاں.... آں۔“

”نہیں بلکہ محکمہ کا ایک نمائندہ خصوصیت سے اس کو نوٹ کرے کہ یہ خبر مقامی رپورٹروں

کے توسط سے اخبارات تک پہنچی ہے یا کوئی بڑی نیوز ایجنسی اس کی ذمہ دار ہے۔“

”مگر تم چاہتے کیا ہو۔“

”کئی باتیں.... پھر اطمینان سے بتاؤں گا۔ فی الحال آپ اتنا کر دیجئے۔“

”اچھا۔“

سلسلہ دوسری طرف سے منقطع کر دیا گیا۔ عمران ریسیور رکھ کر ہٹ آیا۔

”کیا قصہ ہے۔“ روشی نے پوچھا۔

”قصہ وہی ہے جو حاتم طائی نے شہزادی نور الزماں کو سنایا تھا.... اور قصہ کی نحوست نے

نور الزماں کی شہزادہ زہر مہرہ خطائی سے طلاق دلوادی تھی.... لہذا تم نہ سنو تو بہتر ہے۔“

”بتاؤ۔ ورنہ میں یہ ستار تمہارے سر پر پٹخ دوں گی۔“

”پہلی پٹختی میں طبلے کی صدا آئے گی اور اس کے بعد میں باقاعدہ طور پر گانا بھی شروع

کردوں گا۔ چلو شروع ہو جاؤ۔“

”اچھی بات ہے اب مجھ سے کوئی کام لو گے نا۔“

”آہم.... ٹھہرو.... میں کیا بتاؤں سن کر افسوس کرو گی.... خیر سنو.... وزارت خارجہ

کے دفتر میں ایک سوٹ کیس سے نوزائیدہ بچے کی لاش برآمد ہوئی ہے۔“

”کیا بکواس ہے۔“

”اچھا بس اب خاموش رہو، قصہ سناتا ہوں تو وہ بکواس ہو جاتی ہے۔ ذرا مجھے یہ تو بتاؤ کہ

ایک عورت کم از کم کتنے بچے جنتی ہوگی۔“

”کسی بچہ جننے والی عورت سے پوچھو۔“

”میرا خیال ہے کہ دنیا کی ہر عورت کم از کم آٹھ بچے ضرور جنتی ہوگی۔“

”ختم کرو میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔“

”میں دراصل ایک بزنس کے امکانات پر غور کر رہا تھا۔ یہ ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم بے کار

بنائے جا رہے ہیں، اس کا مقصد یہی ہے کہ دنیا کی آبادی کم کی جائے، میں کہتا ہوں اگر آبادی کم ہی

کرنی ہے تو کوئی عورت مارڈی۔ ڈی۔ ٹی کیوں نہ ایجاد کی جائے۔“

”خاموش رہو۔“

”نہیں مجھے کہنے دو۔ میں اس وقت بہت اداس ہوں۔ مجھے اپنے ایک دوست کی پریشانیاں یاد

آ رہی ہیں۔ اس بیچارے کا کہنا ہے کہ جب رات کو بستر پر لیٹتا ہوں تو ایک طرف سے مجھ پر کان

کھاتے ہیں اور دوسری طرف سے بیوی.... مجھ پر کوفٹ مار کر بھگاتا ہوں۔ لیکن بیوی کو کیا

کروں.... مجھے تین دن کے اندر اندر اس کے لئے بھی کوئی تدبیر بتاؤ۔ ورنہ میں تمہاری شادی

بھی کرادوں گا۔ روشنی ڈیز ٹھیک اسی وقت میں نے سوچا تھا کہ کوئی عورت مارڈی۔ ڈی۔ ٹی یا فلٹ

کیوں نہ ایجاد کیا جائے۔ ایسی دوکان چلے گی کہ کیا بتاؤں.... ہپ.... تمہارا کیا خیال ہے۔“

روشنی کوئی جواب دیئے بغیر اٹھی اور دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

عمران اپنا داہنا گال کھجاتا ہوا کچھ سوچ رہا تھا.... کچھ دیر بعد اس نے پھر ریسپور اٹھایا اور

جولیا تا فز وائر کے نمبر ڈائل کئے۔

”ہیلو“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ بولنے والی جولیا ہی تھی۔

”ایکس ٹو۔“

”لیس سر“

”سینٹ لارنس کالونی میں ایک عمارت ہے ڈیکن لاج اس کے مکینوں کی تفصیل درکار ہے۔“

”بہت بہتر جناب۔ کیا یہ کوئی کیس ہے۔“

”نہیں“ عمران نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”میں بد صورت عورتوں کی مردم شماری کر رہا ہوں۔“

”معاف کیجئے گا جناب۔“ جولیا کی سہمی ہوئی آواز آئی۔

”دو گھنٹے بعد مجھے اطلاع ملنی چاہئے۔“

”بہت بہتر جناب۔“

عمران نے ریسپور رکھ کر بیٹنگر سے کوٹ اُتار اور پھر پانچ منٹ کے اندر ہی وہ باہر جانے کے

لئے تیار ہو گیا۔ اسی دوران میں روشنی بھی اندر سے آگئی تھی۔

”تم آج آفس کیوں نہیں گئیں۔“

”کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ میں نے استعفیٰ دے دیا ہے۔“

”ہائیں یہ کب اور کیوں؟“

”پرسوں“ روشنی نے لاپرواہی سے کہا۔ ”ایک آفیسر صاحب مجھ پر بہت زیادہ مہربان ہو گئے

تھے۔ پرسوں فرمانے لگے کہ میں اکثر تمہیں خواب میں دیکھتا ہوں۔“

”چیچ چی....“ عمران نے سر ہلا کر افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ”اب تم لوگوں کو خواب

میں بھی نظر آتا پسند نہیں کرتیں۔ مجھے دیکھو کہ میں آج کل سرمہ لگا کر سوتا ہوں کہ کبھی تو

صاف نظر آؤ۔“

”تم کہاں جا رہے ہو۔“

”میں.... پتہ نہیں۔“

”مجھے بھی پتہ نہیں ہے کہ اس وقت کہاں جاؤں گی۔ لہذا کیوں نہ ہم ساتھ ہی چلیں۔“

”تم نے استعفیٰ دے کر بہت ہی بُرا کیا ہے۔“

”چلو.... نکلو۔“ روشنی نے اُسے دھکا دیا۔



عمران نے کار ایک گلی میں موڑ دی۔ روشنی نے جھلا کر کہا۔ ”یہ کہاں لے آئے۔“

”یہ مفلوسوں کی ٹھنڈی سڑک ہے۔“ عمران نے طویل سانس لے کر کہا۔

روشی ناک سکوڑے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ یہ ایک گندی سی لگی تھی نیچے جگہ جگہ زلد لیس سی نظر آرہی تھیں اور عمران کی نئی کار بالکل تباہ ہوتی جا رہی تھی اس نے ابھی حال ہی میں اپنی دقیا نو سی ٹوسیٹر کا پیچھا چھوڑا تھا اور یہ گاڑی خریدی تھی۔

”دیکھو.... ذرا.... تم یہ شال اپنے اوپر ڈال لو اور کچھ اس انداز سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاؤ جیسے تم سے بیٹھا نہیں جا رہا۔ چہرے پر نقاہت کے آثار بھی ہونے چاہئیں۔“

”کیا مطلب“ روشی نے تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔  
”تم ایک شاندار ایکسٹریس ہو۔ میں نے تمہیں بارہا آزمایا ہے، کیا اس وقت تم ایک ایسی عورت کی اینٹنگ نہیں کر سکتیں جو دو چار گھنٹے بعد ماں بننے والی ہو۔“

”میں تھپڑ مار دوں گی۔“  
”چلو تھپڑ بھی مار دینا.... مجھے منظور ہے، لیکن اس وقت یہی کرو، جو میں کہہ رہا ہوں۔“  
”نہیں یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔“

”پھر کیا ہوگا تم سے.... نہ تم سے ملازمت ہو سکتی ہے، نہ بچے پیدا کر سکتی ہو.... نہ....!“  
”میں سچ کہتی ہوں گھونہ رسید کر دوں گی منہ پر....!“

”رسید کر دو.... مگر تم سے اتنا نہیں ہو سکے گا۔ یہ بہت ضروری ہے۔ روشی۔ تم میرا ہانا ہاتھ ہو اور تم سے زیادہ چالاک عورت آج تک میری نظروں سے نہیں گذری۔“  
”جو لیانا فٹز واٹر۔“

”ارے وہ تو بالکل گاؤدی ہے۔ تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتی۔“  
”پھر اسے کیوں رکھ چھوڑا ہے۔“

”سر سلطان نے رکھا، میں نے چھوڑا ہے۔ اکیلے میں نے نہیں رکھ چھوڑا۔ شائش جلدی کرو، ورنہ سارا کھیل بگڑ جائے گا۔“

روشی نے طوعاً و کرہاً شال اپنے اوپر ڈال لیا اور پھر عمران اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ حقیقتاً کوئی ایسی ہی عورت معلوم ہونے لگی تھی، جو عنقریب ماں بننے والی ہو۔

”یا خدا۔“ عمران بڑبڑایا۔ ”یہ سفر جلد ختم کر دے ورنہ میں اس عورت کو گاڑی سے دھکیل دوں گا۔“

”گدھے.... الو.... سور....!“ روشی جھپینے ہوئے انداز میں کہتی ہوئی سیدھی بیٹھ گئی۔  
”ارر.... یہ کیا....“ عمران بوکھلا کر بولا۔ ”یہ کیا کر رہی ہو۔ پھر وہی ہی ہو جاؤ۔ خدا کے لئے میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔“

”نہیں“

”یہ ایک بہت بڑا کیس ہے روشی.... بہت اہم۔“

”تو پھر تم مجھے غصہ کیوں دلاتے ہو۔“

”اب نہیں دلاؤں گا۔“ عمران جلدی سے بولا۔ ”اسی پوزیشن میں بیٹھ جاؤ۔“

روشی پھر اسی طرح بیٹھ گئی اور عمران نے اپنے ہونٹ مضبوطی سے بند کر لئے۔ بعض اوقات وہ حقیقتاً غیر ارادی طور پر بکواس کرنے لگتا تھا۔

ایک جگہ اس نے کار روک دی۔ بائیں جانب ایک دروازے پر ایک بوڑھی سی عورت کھڑی تھی۔ عمران نے اشارے سے اسے قریب بلایا اور آہستہ سے پوچھا ”مائی جگو ہے۔“

”جی ہاں صاحب“ وہ روشی کو گھورتی ہوئی بولی۔

”خدا کے لئے اسے فوراً بھیج دو۔“ عمران نے عورت کے ہاتھ پردس کانوٹ رکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ تمہارا انعام ہے اسے مجبور کرنا وہ میرے ساتھ چلی جائے۔ یہ ایک بہت بڑے گھرانے کی لڑکی ہے۔“

”مطمئن رہو صاحب۔“ عورت سر ہلا کر بولی۔ ”میں اسے ابھی بھیجتی ہوں۔ مگر جانا کہاں ہوگا؟“  
”ارے جگہ بھی وہی بتائے گی۔ اگر میں جگہ کا انتظام کر سکتا ہوتا تو اسے ایسی حالت میں ساتھ لئے کیوں پھر تا۔ مجھے یہی بتایا گیا ہے کہ مائی جگو جگہ کا بھی انتظام کر دیتی ہے۔“

”تب تو بہت خرچہ ہوگا صاحب۔“

”کتنا.... ہزار.... دو ہزار.... چار ہزار....!“

”بس بس ٹھیک ہے۔ سب ہوا جاتا ہے۔ میں جگو کو ابھی بھیجتی ہوں۔“

عمران نے کنکٹیو سے روشی کی طرف دیکھا، اس کی حالت میں کوئی فرق نہیں تھا۔ وہ اونگھتی ہوئی سی معلوم ہو رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ بوڑھی عورت ایک دوسری عورت کے ساتھ واپس آئی۔ دوسری عورت

بھی معمر ہی تھی۔ لیکن اس کی صحت بہت اچھی تھی۔ اس کے جسم پر ہلکے نیلے رنگ کی ساری اور زرد رنگ کا بلاؤز تھا اور آنکھوں پر موٹے فریم کی عینک، وہ صورت سے تعلیم یافتہ اور باسلیقہ بھی معلوم ہوتی تھی۔

”اوہ.... بہت بہت شکریہ۔“ عمران نے احمقانہ انداز میں کہا۔ ”پچھلی سیٹ پر بیٹھ جائیے۔ میں بے حد شکر گزار ہوں۔“

آنے والی عورت نے ایک اچھتی سی نظر روشنی پر ڈالی اور پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔ پھر کار حرکت میں آئی ہی تھی کہ باہر کھڑی ہوئی عورت نے دانت نکال کر کہا۔ ”میرا انعام نہ بھولنے گا صاحب۔“

”اوہ.... کبھی نہیں۔“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔

”تھرنی سسکستھ کالونی لے چلے جناب۔“ پچھلی نشست پر بیٹھی ہوئی عورت نے کہا۔

”اچھا“ عمران نے جواب دیا۔

دفعتاً روشنی آہستہ سے کراہی اور عمران بوکھلائے ہوئے لمبے میں بولا۔ یہ.... یہ.... کراہ رہی ہے۔

”فکر نہ کیجئے۔“ عورت نے جواب دیا۔

اور عمران نے دل ہی دل میں دعا مانگی۔ اے مالک کو نین مجھے ایسی فکروں سے ہمیشہ بے نیاز رکھیو۔

تھرنی سسکستھ کالونی میں پہنچ کر عورت نے ایک طرف کار موڑنے کو کہا پھر شاید دیا تین منٹ بعد کار ایک چھوٹی سی خوبصورت عمارت کے سامنے رک گئی۔

”آپ انہیں لائیے جناب“ عورت نے نیچے اترتے ہوئے کہا۔ پھر وہ عمارت کی طرف چلی گئی۔ صدر دروازہ مقفل تھا۔ عورت نے قفل کھولا اور ان کا انتظار کئے بغیر اندر چلی گئی۔

”اتریئے محترمہ۔“ عمران نے بسور کر روشنی سے کہا۔ ”اگر آپ اس قابل ہوں۔“

”تم آخر کیا کر رہے ہو۔“

”بس دیکھتی جاؤ۔ آؤ۔ اترو۔ جلدی کرو۔ اگر اس نے عمارت کے باہر ہی اس فراڈ کا اندازہ

کر لیا تو تھوڑی دشواری پیش آئے گی۔“

روشنی کار ہی میں شال پھینک کر نیچے اتر آئی اور وہ دونوں تیزی سے عمارت میں گھستے چلے گئے۔ عمران نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ وہ راہداری ہی میں تھے کہ عورت سے مڈ بھیڑ ہو گئی اور عورت روشنی کو برابر گھورے جا رہی تھی۔ اس کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا اور آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

”ہاں مائی جگو۔“ عمران آہستہ سے بولا۔ ”تو اسی طرح لوگ تم سے ملتے ہیں اور تم انہیں یہاں لاتی ہو اور پھر شہر کے مختلف حصوں میں مردہ یا زندہ نوزائیدہ بچے پائے جاتے ہیں۔ چلو کہیں اطمینان سے بیٹھ کر باتیں ہوں گی۔“

عورت کا چہرہ تاریک ہو گیا تھا۔ اس نے خود پر قابو پانے کے لئے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا۔

”چلو.... چلو.... یہاں بیٹھنے کی بھی جگہ ہوگی۔“ عمران بولا۔ لیکن عورت بدستور کھڑی رہی۔

”چلو“ روشنی نے آگے بڑھ کر اُسے دھکا دیا۔

عورت انہیں ایک کمرے میں لائی۔ یہاں چند گرد آلود کرسیاں پڑی ہوئی تھیں اور کمرہ نیم روشن تھا۔ عمران نے سوچنے آں کر کے ایک بلب روشن کر دیا۔

”بیٹھو مائی جگو۔“

عورت کسی لاش کی طرح کرسی میں ڈھیر ہو گئی۔

”اب بتاؤ کہ پچھلی رات تم نے کہاں اور کون سا کارنامہ انجام دیا تھا۔“

”آپ۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، جناب میں کبھی کوئی غیر قانونی کس نہیں لیتی، یہ زچہ خانہ تو ان لوگوں کے لئے ہے جو چاؤں کی دیکھ بھال کا انتظام نہیں کر سکتے۔“

”چلو ٹھیک ہے۔ لیکن پچھلی رات تم نے کہاں کس کیا تھا۔“

”کہیں نہیں جناب، یقین فرمائیے کہ پچھلے ہفتے سے بیکار ہوں ویسے میں لوگوں کے گھروں پر بھی جاتی ہوں۔“

”مگر پچھلی رات کو.... نہیں تم جھوٹی بول رہی ہو۔“

”آپ یقین فرمائیے۔“

”سنو“ عمران سخت لمبے میں بولا۔ ”ہم لوگ صرف پوچھ گچھ کرتے ہیں۔ اگر کامیاب نہیں

ہوتے تو معاملہ پولیس کے ہاتھوں پہنچ جاتا ہے اور یہ تو تم جانتی ہی ہو گی کہ پولیس والے کس طرح پیش آتے ہیں۔ تم تو عورت ہو بڑے بڑے تیس مار خاں بھی کو تو الی پہنچ کر ہاتھ پیر ڈال دیتے ہیں۔“

عورت اسی طرح پڑی ہانپتی رہی۔

”تم بولتی کیوں نہیں“ روشی نے غصیلی آواز میں کہا۔ ”زبان کھولو، ورنہ میں تمہارے ساتھ وہی برتاؤ کروں گی، جو پولیس کرتی ہے۔“

”خدا کے لئے میرا پیچھا چھوڑیے، میں کچھ نہیں جانتی۔“

”ہو سکتا ہے کہ تمہارے اعتراف کر لینے پر میں اس معاملے کو آگے نہ بڑھاؤں۔“ عمران

نے آہستہ سے کہا۔

”یہ.... دیکھئے....“ وہ ہکٹائی ”یہ میرا پیشہ ہے میں کیا جانوں کہ بچہ قانونی ہے یا غیر قانونی۔“

اب آپ ہی.... دیکھئے آپ کی پیشانی پر کچھ تحریر تو ہے نہیں۔“

وہ سانس لینے کے لئے رک گئی۔

”میں کب کہتا ہوں کہ تم نے دیدہ دانستہ کوئی غیر قانونی حرکت کی ہو گی۔“

”میں آپ کے متعلق بھی یہی سمجھتی تھی کہ آپ دونوں میاں بیوی ہیں۔ یہاں تنہا رہتی

ہیں دیکھ بھال کا کوئی انتظام نہیں ہے۔“

”قطعاً“ عمران سر ہلا کر بولا۔ قدرتی بات ہے۔

”اسی طرح پچھلی رات ایک صاحب آئے تھے اور مجھے اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئے تھے۔“

میں فراغت کرانے کے بعد واپس آگئی تھی۔ میں نہیں جانتی کہ معاملہ کیا تھا۔“

”بچہ زندہ تھا“

”جی ہاں۔“

”اس کے بال بھورے تھے۔“

”جی ہاں بھورے تھے۔“

”کیا وہ عورت پوریشن تھی۔“

”جی نہیں دیسی۔ لیکن رہن سہن مغربی تھا۔“

”پتہ“

”گیارہویں شاہراہ پر ایک گلی ہے.... میں اس کا نام نہیں جانتی مکان کا نمبر بھی نہیں بتا سکتی گی، لیکن اگر آپ مجھے ساتھ لے چلیں تو دکھا ضرور سکوں گی۔“

”کتنا معاوضہ ملا تھا۔“

”ڈیڑھ سو جناب۔“

”اوہ.... اور اس وقت بھی تمہیں خیال نہیں آیا تھا کہ وہ کوئی غیر قانونی کیس ہو سکتا ہے۔“

اگر انہیں اتنا ہی صرف کرنا تھا تو کوئی لیڈی ڈاکٹر کیوں نہیں بلائی گئی۔“

”میں اس کا کیا جواب دے سکتی ہوں۔“

”خیر“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”چلو مجھے گھر دکھاؤ جہاں....“

”مگر میرا انجام کیا ہو گا.... کیا ان لوگوں نے بچے کو ختم کر دیا۔“

”پتہ نہیں تم اس کی فکر میں نہ پڑو.... تمہارا انجام بُرا نہیں ہو گا بشرطیکہ سوجھ بوجھ سے کام لو۔“

”میں نہیں سمجھی جناب۔“

”بہت معمولی سی بات ہے۔ یعنی تم اپنی زبان بند رکھو گی۔ اگر کسی سے بھی اس واقعہ کا تذکرہ

کیا تو ایک ہی گھنٹہ بعد تمہیں بُرے نتائج سے دوچار ہونا پڑے گا۔“

وہ باہر نکل کر پھر کار میں بیٹھ گئے۔ عورت پچھلی ہی نشست پر تھی۔

”تم اپنی عینک اتار کر یہ شال اوڑھ لو۔ اس طرح کہ صرف تمہاری آنکھیں کھلی رہیں۔“

ٹھنڈک زیادہ ہے۔“ عمران نے عورت سے کہتے ہوئے شال اس پر پھینک دی۔

کچھ دیر بعد کار گیارہویں سڑک پر پہنچ گئی۔ عمران نے رفتار کم کر دی تھی۔

”وہ گلی جناب“ عورت بھرائی ہوئی آواز میں بولی جس کے سرے پر نیلا بورڈ نظر آ رہا ہے۔

”ہوں.... اچھا۔“ عمران نے کار اسی گلی میں موڑ دی۔

رفتار کچھ اور کم ہو گئی تھی۔

”بائیں جانب والا مکان.... جس کی کھڑکیوں پر زرد پردے ہیں۔“ عورت بولی۔

”ٹھیک....“ عمران بڑبڑایا اور کار کی رفتار بتدریج تیز ہونے لگی۔

گلی سے نکل کر اس نے کار تھرتی سسکتھ کالونی کی طرف موڑ دی۔



عورت خاموش تھی دفعتاً عمران نے پوچھا۔ ”اس مکان میں کتنے افراد تھے۔“

”تین.... جناب.... ایک مرد، زچہ.... اور ایک بوڑھی عورت۔“

”زچہ کی عمر کیا تھی۔“

”تیس سال سے زیادہ نہیں۔“

”غالباً تیسرا بچہ ہوگا۔“

”خیر اچھا اب تم یہاں اتر جاؤ۔ لیکن میں ایک بار پھر یاد دلاتا ہوں کہ تمہیں اپنی زبان بند رکھنی ہوگی۔“

کار تھرٹی سسٹھ کالونی کی اسی عمارت کے سامنے رک گئی، جہاں عمران اسے پہلے لایا تھا۔



واپسی پر عمران نے جولیا کو فون کیا۔ لیکن جواب نہ ملا۔ دو گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا تھا لیکن ابھی تک جولیا کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ اس نے سلیمان سے پوچھا کہ اس کی عدم موجودگی میں پرائیویٹ فون کی گھنٹی تو نہیں بجی تھی لیکن سلیمان سے نفی میں جواب ملا۔ معمول کے مطابق یہ ناممکن تھا کہ جولیا دو گھنٹے بعد اسے فون نہ کرتی اگر دو گھنٹے میں اسے کامیابی نہ ہوتی تو وہ اپنی ناکامی ہی کی اطلاع دے کر مزید وقت طلب کرتی۔

اس وقت عمران اپنے فلیٹ میں تنہا تھا۔ روشنی کو وہ اسی عمارت کے کینوں کے متعلق معلومات فراہم کرنے کے لئے گیارہویں شاہراہ ہی پر چھوڑ آیا تھا۔

وہ تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا پھر تنویر کے نمبر ڈائل کئے۔

”ہیلو....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”ایکس ٹو۔“

”لیس سر“

”سینٹ لارنس کالونی میں ایک عمارت ہے ڈیکن لاج.... تم سب اس کے گرد پھیل جاؤ۔“

جتنی جلدی ممکن ہو۔“

”کیا عمران کو بھی اس کی اطلاع دی جائے گی۔“

”نہیں صرف اپنے ساتھیوں کو بلے جاؤ۔“

”بہت بہتر جناب۔“

عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ اس نے ابھی تک کپڑے نہیں اتارے تھے۔ میز کی دراز کھول کر اس نے ریوالت نکالا اور اسے جیب میں ڈالتا ہوا فلیٹ سے نکل آیا اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد اس کی کار سینٹ لارنس کالونی کی طرف جارہی تھی۔

ڈیکن لاج کالونی کی ایک مشہور عمارت تھی۔ محل وقوع کے اعتبار سے اسے کالونی سے باہر ہی تصور کرنا چاہئے کیونکہ اس کے آس پاس اور کوئی عمارت نہیں تھی۔ کالونی کی گھنی آبادی سے بظاہر اس کا کوئی تعلق نہیں تھا لیکن شاید ڈاک کی سہولتوں کو مد نظر رکھ کر اسے بھی کالونی ہی کی ایک عمارت قرار دے دیا گیا تھا۔ ڈیکن لاج کے گرد مختلف قسم کے پھلوں کے باغات تھے اور ان کا تعلق عمارت ہی سے تھا۔

عمران نے ٹھیک عمارت ہی کے سامنے کار روک دی اور دور ہی سے دیکھ لیا کہ صدر دروازے پر ایک بڑا سا قفل لٹک رہا ہے، عمران نے چاروں طرف دیکھ کر ایک طویل سانس لی.... شاید ابھی تک تنویر وغیرہ وہاں نہیں پہنچے تھے۔

وہ کار سے اتر کر عمارت کی طرف بڑھا پھانک پر ایک چھوٹی سی تختی آویزاں تھی، جسے عمران دور سے نیم پلیٹ سمجھا تھا۔ لیکن قریب پہنچنے پر یہ تحریر نظر آئی۔

”عمارت کرائے کے لئے خالی ہے۔“

عمران نے براہ سامنے بنا کر سر کو خفیف سی جنبش دی۔ تین دن پہلے تو یہ عمارت آباد تھی۔ خود اس نے اس کی کھڑکیوں میں چند غیر ملکیوں کو دیکھا تھا۔

پھانک بھی بند ہی تھا، لیکن اسے بند کرنے کے لئے قفل کی بجائے موٹا سا تار استعمال کیا گیا تھا۔ عمران نے تار کے بل کو کھول کر پھانک کو دھکا دیا۔

پھانک سے عمارت کے صدر دروازے تک فاصلہ زیادہ نہیں تھا وہ برآمدے میں آیا اور جھک کر قفل دیکھنے لگا جس کی سطح بالکل شفاف تھی گرد و غبار کا نام بھی نہیں تھا۔

اس نے کھڑکیوں کے شیشوں پر بھی نظر ڈالی وہ بھی گرد آلود نہیں تھے۔

”ڈفر“ وہ مسکراتا ہوا بڑبڑایا۔ پھر اس نے نہایت اطمینان سے ایک کھڑکی کا شیشہ توڑا اور

ہاتھ ڈال کر اس کا بولٹ نیچے گرا دیا۔ دونوں پٹ کھل گئے، کھڑکی میں سلاخیں نہیں تھیں۔ لہذا اندر پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

وہ ایک وسیع کمرے میں تھا۔ یہ غالباً ڈرائنگ روم تھا، یہاں بھی کسی چیز پر عمران کو گردوغبار نہیں ملا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آج ہی فرنیچر کی صفائی کی گئی ہو۔

وہ آگے بڑھا۔۔۔ راہداری کافی طویل تھی، دونوں جانب دروازوں اور کھڑکیوں کی قطاریں چلی گئی تھیں، وہ چلتا رہا۔ سارے دروازے بند ہی نظر آئے۔

اس کا خیال تھا کہ ایک بار پوری عمارت کا سرسری جائزہ لینے کے بعد ایک ایک کمرہ دیکھے گا۔ اچانک کہیں سے کسی وزنی چیز کے گرنے کی آواز آئی اور ساتھ ہی اُس نے ہلکی سی کراہ بھی سنی، وہ چلتے چلتے رک گیا، یقیناً وہ کسی کے کراہنے ہی کی آواز تھی۔

عمران آگے بڑھا۔۔۔ آواز پھر آئی اور وہ اسی سمت چلتا رہا۔ راہداری دائیں جانب مڑ گئی تھی۔۔۔ دو چار ہی قدم چلنے کے بعد اُس نے خود کو ایک طویل و عریض صحن میں پایا جس کے گرد تقریباً بیس فٹ اونچی دیواریں تھیں۔

ایک طرف ایک سائبان تھا جس کے نیچے ایک عورت کرسی سے بندھی ہوئی نظر آئی۔ کرسی شاید آزاد ہونے کی جدوجہد کی بناء پر الٹ گئی تھی عورت کا چہرہ دوسری طرف تھا اور اکثر اس کے حلق سے گھٹی گھٹی سی کراہ نکل جاتی تھی۔

عمران تیزی سے آگے بڑھا اور کرسی اٹھا کر سیدھی کر دی۔

”ہائیں۔۔۔۔۔ تم۔۔۔۔۔!“ اس نے حیرت سے کہا۔ کیونکہ یہ عورت جولیا نافٹرز وائر تھی۔ جس کا منہ رومال سے جکڑ دیا گیا تھا۔

”یہ کیا ہوا۔“

”آغ۔۔۔۔۔ غاں۔۔۔۔۔“ جولیا نے گردن جھٹکنی شروع کی اس کی آنکھوں سے غصہ جھانک رہا تھا۔ ”نہیں بتاؤ تو۔۔۔۔۔!“ عمران نے احقانہ انداز میں کہا اور جولیا کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آوازیں نکلنے لگیں۔

”اوہ۔۔۔۔۔ لال۔۔۔۔۔ لال حول۔۔۔۔۔ تم بتاؤ گی کیسے تمہارے منہ پر تو پٹی بندھی ہوئی ہے۔“ اس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور رومال کی گرہ کھولنے لگا۔

”تمہیں شرم نہیں آتی ایسے موقعوں پر بھی۔۔۔۔۔!“ اس کی زبان سے صحیح الفاظ ادا نہیں ہو رہے تھے، پتہ نہیں کیا کیا اوٹ پٹانگ کبھی رہی اور عمران بڑے سعادت مند انداز میں سر جھکائے رسی کے بل کھولتا رہا۔ جولیا کی آنکھیں سرخ تھیں ان میں آنسو بھی تھے اور غصے کی چنگاریاں بھی۔

”کس بے درد نے تمہیں یہاں بھیجا تھا۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”چلو۔۔۔۔۔ بیکار بکواس مت کرو۔ یہاں سے نکلتا بھی آسان کام نہ ہوگا۔ وہ باہر باغ میں موجود ہوں گے۔“

”کک۔۔۔۔۔ کون۔۔۔۔۔ ارے باپ رے۔۔۔۔۔ میں تو یہاں اپنی بکری کا پچہ تلاش کرتا ہوا آیا تھا۔“

جولیا اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر کبھی رسی ”یہاں آئی تھی۔ لیکن انہوں نے مجھے پکڑ کر رسی سے باندھ دیا اور آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ ایک نے کہا کہ ابھی اور بھی آئیں گے لہذا عمارت کو متقل کر کے ہم لوگ باغ میں چھپ جائیں پھر جب تعداد پوری ہو جائے تو سائیلنسر لگی ہوئی راکفل سے سب کو ٹھکانے لگادیں گے۔“

”بہت خوب“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”لیکن تم یہاں آئی کیوں تھیں۔“

”تم کیوں آئے ہو۔“ جولیا جھپٹ پڑی۔

”میں تو۔۔۔۔۔ اس لئے آیا تھا کہ اس عمارت کو کرایہ پر حاصل کروں کیونکہ باہر کرائے پر دیئے جانے کے لئے اعلان موجود ہے۔“

”مجھے ایکس ٹونے بھیجا تھا اور مجھے یقین ہے کہ تم اس کی ہدایت پر ہی یہاں آئے ہو گے۔“

”کیا تم میری ہی طرح یہاں داخل ہوئی تھیں۔“

”تم کیسے آئے ہو۔“

”صرف ایک کھڑکی کو تھوڑا سا نقصان پہنچا کر۔“

”میں چپک کے ٹیکے لگانے آئی تھی۔“

”واقعی“ عمران نے خوش ہو کر کہا۔ ”ایک میرے بھی لگا دو۔ ورنہ اگر میرے ڈیڈی کے چپک نکل آئیں تو میں بے موت مر جاؤں گا۔ مگر تم سے کس آلو کے چپانے کہا تھا کہ تم چپک کے ٹیکے لگانے چلی آنا۔ یہاں میونسپل ہسپتالوں میں ایک بھی یوریشن عورت نہیں ہے۔“

”اب غلطی تو ہو ہی گئی۔“

”اگر ان لوگوں سے بھی کوئی غلطی ہو جاتی تو کیا ہوتا۔“ عمران دردناک آواز میں بولا۔ پھر ایک بیک سنجیدگی اختیار کر کے کہنے لگا۔ ”تم روز بروز بالکل عقلمند ہوتی جا رہی ہو.... خیر ان کی تعداد کیا تھی۔“

”چار آدمی تھے۔“ جولیا بڑا سامنے بنا کر بولی۔ ”لیکن تم اپنا لہجہ ٹھیک کرو۔ کیا میں تمہاری نوکر ہوں۔“

”نہیں تم تو لیزڈ میکیتھ ہو۔“ عمران چڑ کر بولا۔ ”اگر میں ایکس ٹو ہوتا تو....!“

”تم بڑے عقل مند ہو۔“ جولیا ہاتھ نچا کر بولی۔ ”میں کہہ رہی ہوں کہ وہ چاروں باغ میں موجود ہوں گے، لیکن تم وقت برباد کر رہے ہو۔“

”میں اس وقت چہل قدمی کے موڈ میں نہیں ہوں۔ ورنہ تمہیں بھی باغ کی سیر کرا دیتا۔ اب خاموش رہو، چپ چاپ باہر نکلو میری کار باہر موجود ہے۔“

”کیا مطلب۔“

”مطلب یہ کہ وہ کار تمہیں اس وقت تک انعام میں نہیں مل سکے گی جب تک کہ تم باقاعدہ طور پر ٹیکے لگانے کی ٹریننگ نہ لے لو۔ جاؤ۔“

”میں تنہا ہرگز نہ نکلوں گی۔“

”کیوں۔“

”چلو“ جولیا اُسے دھکیلنے لگی۔

”میرا خیال ہے کہ سیکرٹ سروس کے دوسرے ریکروٹ بھی اس عمارت کے باہر موجود ہوں گے، تمہارے چوہے ایکس ٹو نے مجھ سے یہی کہا تھا۔ ڈرو نہیں.... جاؤ.... میری گاڑی لے جاؤ.... کیا تمہیں شکرال کا عمران یاد نہیں۔“

لیکن جولیا نے کان نہیں دھرا۔ وہ اسے دھکیلتی ہوئی باہر پھانک تک لائی۔

”کیوں؟ وہ سائینسٹر لگی ہوئی رافٹیں کہاں گئیں....“ عمران نے مسکرا کر پوچھا۔

”شکرال والے عمران کے قدم جہاں جاتے ہیں....“

وہ جملہ پورا نہ کر سکی کیونکہ اس نے تنویر اور دوسرے ساتھیوں کو درختوں کے جھنڈے سے نکلنے دیکھ لیا تھا۔ وہ تیزی سے اس طرف آرہے تھے جیسے ہی وہ قریب آئے جولیا نے پوچھا۔

”کیا تم نے ان چاروں کو دیکھا تھا۔“

”کون“ تنویر نے تھیکے انداز میں سوال کیا وہ اسے عمران کے ساتھ دیکھ کر جھلا گیا تھا۔

”وہی چار آدمی جو اس عمارت سے نکلے تھے۔“

”ہو سکتا ہے ہماری آنکھیں اتنی ہی کمزور ہو گئی ہوں کہ چار کے دو نظر آرہے ہوں۔“ تنویر کے لہجے میں طنز تھا۔

”ایک اور ایک ہمیشہ تین ہوتے ہیں۔“ عمران خلا میں گھورتا ہوا بڑبڑایا۔ ”اُسے ہمیشہ یاد رکھنا۔“

پھر جولیا سے تحکمانہ لہجے میں بولا۔ ”میں نے تم سے کیا کہا تھا۔“

جولیا چپ چاپ پھانک سے نکل کر کار میں جا بیٹھی۔

”یہ کار تمہاری ہے۔“ کیپٹن خاور نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں میری ہی ہے۔ کیوں؟“

”کہاں ہاتھ صاف کیا۔“

”تولنے میں.... ویسے میرے ہاتھ ہر وقت صاف رہتے ہیں اور دانتوں کی صفائی کا بھی خاص طور سے خیال رکھتا ہوں۔“

جولیا کار اشارت کر کے دوسری طرف مڑ گئی۔ عمران کہہ رہا تھا.... ”خیر، اب آؤ دیکھیں کہ اس مکان کا کرایہ مکانیت سے زیادہ تو نہیں ہے۔“

”کیا مطلب....!“ خاور آنکھیں نکال کر بولا۔ ”تم دونوں یہاں کیا کر رہے تھے۔“

”صبر کر رہے تھے.... ویسے ہمارا خیال تھا کہ اگر یہاں اس وقت ہم دونوں کے می اور پاپا بھی موجود ہوتے تو کتنا مزہ آتا۔“ عمران نے کہا اور عمارت کی طرف مڑ گیا۔



روشنی آنکھیں نکالے کھڑی تھی اور عمران اس طرح سر جھکائے بیٹھا تھا جیسے پلکیں اٹھاتے ہی تراز سے ایک تھپڑ گال پر پڑے گا۔

”کیا یہ کیس تمہارے شایان شان ہے۔“ روشنی غرائی۔

”میرے شایان شان تو کچھ بھی نہیں، اسی لئے مجھے آج تک ڈیڈی کی چھت کے نیچے پناہ نہ

مل سکی۔“ عمران نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ روشی اور زیادہ بچھڑ گئی۔

”خواہ مخواہ مجھے پریشان کیا۔ روزانہ نہ جانے کتنے بچے ادھر ادھر پائے جاتے ہیں، کیا ان کے لئے پولیس کافی نہیں ہے۔“ اس نے کہا۔

”ارے... ارے... یہ تم کہاں کی باتیں نکال بیٹھیں... رپورٹ پلیز...!“

”رپورٹ... رپورٹ یہ ہے کہ وہ ایک شریف گھرانہ ہے کسی نے اس بیچاری کو دھوکہ دیا۔ روزانہ لا تعداد عورتیں دھوکے کھاتی رہتی ہیں، مجھے یقین ہے کہ ان دونوں میں سے کسی نے بھی بچے کا گلانا گھوٹنا ہوگا۔ یہ حرکت اسی مرد کی ہو سکتی ہے... جو مذہاف کو زچگی کرانے کے لئے لے گیا تھا۔“

”کیا وہ مرد بھی وہاں موجود تھا۔“

”نہیں وہاں کوئی مرد مستقل طور پر نہیں رہتا۔ وہ ماں بیٹی تنہا ہیں۔“

”مجھے بچے یا اس کی لاش سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“ عمران نے کہا۔ ”اگر اس سوٹ کیس سے کتے کے پلے کی لاش بھی برآمد ہوتی تو میں یہ معلوم کرنے کی کوشش ضرور کرتا کہ اس پلے کی ماں کہاں پائی جائے گی۔“

”کیا مطلب۔“

”کھوپڑی استعمال کرو۔ آخر وہ سوٹ کیس دفتر امور خارجہ تک کیسے جا پہنچا۔ اسے تو کسی پولیس اسٹیشن ہی تک محدود رہنا چاہئے تھا، پہلے وہ کو توالی پہنچا تھا لیکن وہاں کسی نے بھی اسے کھولنے کی ہمت نہیں کی پھر وہ دفتر امور خارجہ کے سپرد کر دیا گیا۔“

”اوہ... تو وہ سوٹ کیس...!“

”بڑی اہمیت رکھتا ہے... لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ... آخر ان حرکتوں کا مطلب کیا ہے۔“

”میں تم سے پوچھتی ہوں کہ اس کیواس کا کیا مطلب ہے۔“

”سنو! واقعی یہ حرکتیں عجیب ہیں کہ پیچھے دنوں کی بات ہے کہ ایک آدمی سینٹ لارنس کالونی کی ایک عمارت ڈیکن لاج کے نیچے سے گذر رہا تھا دفعتاً کوئی سخت سی چیز اس کے سر سے ٹکرا کر دور جاگری۔ یہ کاغذ کی ایک چھوٹی سی پڑیا تھی۔ قدرتی امر تھا کہ وہ اوپر کی طرف دیکھتا۔ اسے شبہ ہوا کہ وہ پڑیا ڈیکن لاج ہی کی کسی کھڑکی سے آئی تھی۔ اس نے پڑیا اٹھائی اُسے کھول کر دیکھا

اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی رہ گئیں۔ یہ ایک انگشتری تھی جس میں بڑا سا ہیرا جگمگا رہا تھا۔ آدمی ایمان دار تھا، اس نے اس کے لئے ڈیکن لاج کے مینوں سے رجوع کیا۔ لیکن انہوں نے اسے اپنی ملکیت نہیں تسلیم کیا۔ اس بیچارے کا شبہ بڑھنے لگا اس نے سوچا ممکن ہے کہ وہ لوگ اسے کسی قسم کے جال میں پھانسا چاہتے ہیں کیوں کہ اس عمارت کے قریب کوئی دوسری عمارت بھی نہیں تھی۔ اس نے اس مسئلے پر ان لوگوں سے بحث کرنی چاہی لیکن انہوں نے اسے دھکے دے کر نکال دیا۔ اس کی حیرت بڑھتی ہی رہی، چونکہ اسے یقین تھا کہ وہ انگشتری ڈیکن لاج ہی سے پھینکی گئی تھی اس لئے اب اس نے کو توالی کی راہ لی۔ لیکن تمہیں یہ سن کر حیرت ہو گی کہ وہ انگوٹھی بھی کو توالی سے دفتر امور خارجہ بھیجوا دی گئی تھی۔“

”اوہ... یاد آیا... تم نے جولیا کو اس عمارت کی نگرانی کے لئے فون کیا تھا۔“

”ٹھیک یاد آیا۔ اس سے پہلے ہی پولیس نے اس عمارت پر چھاپہ مارا تھا لیکن کامیاب نہیں ہوئی تھی، کیونکہ عمارت اس وقت خالی تھی اور پھانک پر ایک بورڈ آویزاں تھا جس کی تحریر تھی کہ یہ عمارت کرایہ پر دینے کے لئے خالی ہے، پولیس ناکام واپس آئی۔ پھر مجھے اطلاع ملی کہ عمارت میں کوئی کرایہ دار آگیا ہے۔ میں نے جولیا کو تفتیش کے لئے بھیجا۔“

”آخر تم اپنے مرد ماتحتوں سے کام کیوں نہیں لیتے۔“

”میں دراصل ان سے انتقام لیتا ہوں، کیا وہ پڑے پڑے موٹے اور کاہل نہ ہو جائیں گے اگر وہ موٹے اور کاہل ہو گئے تو سمجھ لو ان کا مستقبل برباد ہو گیا۔“

”فضول کیواس نہ کرو... ہاں تو پھر جب تم نے جولیا نافذ وائر کو بھیجا...!“

”ہاں تو پھر...!“ عمران نے ایک طویل سانس لی اور وہ سب کچھ بتانے لگا جو اس کی ماتحت جولیا پر گذری تھی۔ روشی حیرت سے سنتی رہی کچھ دیر بعد عمران نے خاموش ہو کر پھر ایک طویل سانس لی اور بولا۔

”لیکن خدارا ابھی مجھے یہ نہ پوچھنا کہ وہ انگشتری اور سوٹ کیس کو توالی سے دفتر امور خارجہ میں کیوں بھجوائے گئے تھے۔“

”یہ تو تمہیں بتانا ہی پڑے گا۔“

”ہرگز نہیں۔ تم خود ہی معلوم کرنے کی کوشش کرو۔“

”اچھی بات ہے۔“ روشی غصیلے لہجے میں بولی۔ ”کیا تم مجھے گاؤدی سمجھتے ہو۔“

”عورت اور گاؤدی۔“ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔ ”دنیا کی ہر عورت گاؤدی ہونے کے علاوہ اور سب کچھ ہو سکتی ہے۔ عورت سے زیادہ چالاک جانور روئے زمین پر دوسرا نہیں ملے گا۔ ارے یہی کیا کم ہے کہ اُس نے بڑے بڑے افلاطونوں کو اپنے گاؤدی ہونے کا یقین دلایا۔۔۔ محض اس لئے کہ ذمہ داریوں کے بوجھ سے سبکدوش ہو جائے۔ عورت تو اس وقت بھی ذہین تھی جب آدمی درختوں کی جڑیں کھود کر اپنا پیٹ بھرتا تھا۔ سومردوں میں کم از کم دس مرد بے وقوف ہوتے ہیں لیکن اگر تم پانچ سو عورتوں میں سے آدمی بے وقوف عورت بھی پیدا کر سکو تو علی عمران ایم۔ ایس۔ سی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی گوردا سپوری اس سے شادی کر لے گا۔۔۔ آدمی ہی سہی۔۔۔ اور کیا؟“

”ختم ہوئی بکواس یا ابھی جاری رہے گی۔“

”کیوں؟“

”اگر وہ سوٹ کیس اور انگشتی ایسے ہی ہنگامہ خیز ثابت ہونے والے تھے تو اس طرح پھینکے کیوں گئے۔“

”گڈ۔۔۔ اور اس پر سے تم کہتی ہو کہ میں تم سے شادی کر لوں۔“

”کب کہا ہے میں نے“ روشی میز سے رول اٹھا کر اس کی طرف جھپٹی۔

”ارر۔۔۔ ہپ۔ سس سنو تو۔۔۔ سہی کسی اور نے کہا ہو گا۔ میں بھول بھی تو جاتا ہوں۔“

عمران نے میز کی دوسری جانب چھلانگ لگائی۔

رول میز پر پڑا۔ عمران دور کھڑا بسور رہا تھا۔ روشی جہاں تھی وہیں رہی لیکن وہ اسے قہر آلود نظروں سے گھور رہی تھی۔

”اب دیکھو نا“ وہ مغموں لہجے میں بولا۔ ”ایسے ہی واقعات مجھے اداس کر دیتے ہیں اور میں اداسی ہی کے عالم میں ستار بجانا شروع کر دیتا ہوں۔“

”ہاتھ لگا کر دیکھو ستار کو کیا حشر ہوتا ہے۔“

”اگر یہ بات ہے تو پھر میں کوشش کروں گا کہ اداس نہ ہونے پاؤں!“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”آدمی بنو۔ ورنہ میں تمہاری زندگی تلخ کر دوں گی۔“

”نہیں تم میری زندگی تلخ نہیں کر سکتیں۔ ویسے عنقریب یہ فلمی گیت مجھے یقینی طور پر موت کے گھاٹ اتار دے گا۔“

”میرا نام عبدالرحمن۔“

پستے والا میں ہوں پٹھان“

روشی کچھ کہنے والی تھی کہ فون جاگ اٹھا۔

عمران نے ریسیور اٹھایا۔۔۔ دوسری طرف سے جولیانا فٹنر واٹر بول رہی تھی۔

”ہیلو۔۔۔ میں ہی ہوں۔۔۔!“

”عمران۔“

”کیا میں تمہاری گاڑی پولیس کے حوالے کر دوں۔“

”کیوں؟ کیا وہ تم سے تمہارا شجرہ نسب پوچھنے لگی تھی۔“

”نہیں اب تم سے پوچھنے گی اور تم اپنے باپ کا نام بھی نہ بتا سکو گے۔“

”چلو جلدی کہو کیا کہنا ہے۔ میں اس وقت عدیم الفرصہ ہوں۔“

”اچھا تو سنو۔ تمہاری گاڑی میں ربر کا ایک بڑا سا تھیلہ موجود تھا۔“

”ہائیں تم میری ساری مونگ پھلیاں تو نہیں کھا گئیں۔“

”گھبراؤ نہیں ابھی تمہاری عقل اپنی سطح پر آجائے گی۔“ جولیانا نے تیز لہجے میں کہا۔ ”اس

تھیلے میں سے آدمی کا سر برآمد ہوا ہے۔“

”میں اس گدھے کو گولی مار۔۔۔ آں۔۔۔ کیا۔۔۔!“ کیا کہا تم نے ”ایک آدمی کا سر جس سے

تازہ تازہ خون ٹپک رہا تھا۔“

”مر سی فل لارڈ۔۔۔ کیا تم سچ کہہ رہی ہو۔“

”کیا تم آرہے ہو۔“ جولیانا نے خشک لہجے میں کہا۔

”اگر تم ایک بیوقوف کو مزید بیوقوف بنانے کا ارادہ نہیں رکھتیں تو آنا ہی پڑے گا۔“

”تمہیں یقین نہیں آیا۔۔۔ اچھا۔ تو اب تمہیں کو تو ابھی سے اس کی اطلاع ملے گی۔“

”ٹھہرو میرا خیال ہے کہ تم اس سلسلے میں ایکس ٹو سے بھی گفتگو کرو۔۔۔ سنو حالات کچھ

ایسے ہی درپیش ہیں کہ میری کار سے گدھے کا سر بھی برآمد ہو سکتا ہے۔“

”کیا مطلب!“

”بچھلی رات میں نے ایسے ہی ڈیڑھ ہزار سرکار میں بھر کر دریا میں پھینکے تھے۔ دھڑکھانے کے لئے رکھ لیتا ہوں اور سر تلف کر دیتا ہوں تاکہ پکڑا نہ جاسکوں۔“

پھر عمران نے قریب سے سر کا جائزہ لیا اور کچھ دیر بعد جولیا سے پوچھا۔ ”کیوں یہ اُن چاروں آدمیوں میں سے تو نہیں تھا جنہوں نے تمہیں عمارت میں روکا تھا۔“

”نہیں....“ جولیا نے جواب دیا اور کچھ سوچنے لگی۔

تصویریں لی جا چکی تھیں اس کے بعد وہ سر دفتر امور خارجہ میں بھجوا دیا گیا۔ جہاں سے وہ پولیس کے سپرد کیا جاتا۔

پھر جولیا کے فلیٹ میں عمران کے سوا اور کوئی نہیں رہ گیا۔

”مجھے یہ تصویریں چھ گھنٹے کے اندر اندر ملنی چاہئیں۔“ عمران نے کہا۔

”کیوں۔“

”ایکس ٹو کی بجواس کے مطابق اس کا خیال ہے کہ نالائقوں کی اس ٹیم میں صرف میں اس آدمی کے متعلق معلومات فراہم کر سکوں گا۔“

”میں ایکس ٹو سے معلوم کئے بغیر ایسا نہیں کر سکوں گی۔“

”ٹھہرو....“ عمران نے فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے اتنی تیزی سے بلیک زیرو کے نمبر ڈائل کئے کہ جولیا دھوکہ کھا گئی۔ اگر وہ ڈائل کی طرف متوجہ ہوتی تو یہ معلوم کر لینا مشکل نہیں تھا کہ وہ نمبر کسی اور کے تھے۔

”ہیلو.... مائی.... ڈیز مسٹر ایکس ٹو“ عمران نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ”میں جولیا نافٹر وائر کے فون پر بول رہا ہوں۔“

”لیس سر“ دوسری طرف سے بلیک زیرو کی آواز آئی۔

”یہ جولیا تصویریں دینے سے انکار کر رہی ہے۔“

”کیسی تصویریں جناب۔“

”اس سے کہہ دیا جائے کہ وہ چھ گھنٹے کے اندر اندر تصویریں میرے حوالے کر دے۔“

”بہت بہتر جناب۔ آپ ریسیور اسے دے دیجئے۔“

عمران نے جولیا کی طرف دیکھ کر ریسیور بڑھا دیا۔

”اچھا ٹھہرو میں اسے فون کرتی ہوں۔“

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا اور پھر فوراً ہی سلیمان نے اطلاع دی کہ پرائیویٹ فون کی گھنٹی بج رہی ہے۔

ایک بار پھر جولیا کی آواز سنائی دی۔ وہ اپنی روئیداد بیان کر رہی تھی۔ آخر میں اس نے کہا۔ ”جب میں گھر پہنچ کر کار سے اتر رہی تھی تو بچھلی سیٹ پر ایک تھیلا نظر پڑا چونکہ وہ غیر معمولی ساخت کا تھا اس لئے میں نے اسے اٹھا کر دیکھا۔ اس میں کسی آدمی کا سر تھا اور کچھ خون، تھیلا بڑا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے سر کو جسم سے الگ ہوئے دیر نہیں گزری۔“

”اچھا.... اس سر کی تصویر لے کر اسے سکیورٹی سروس کی طرف سے پولیس کے حوالے کر دو۔“

”کیا عمران اس کیس کے متعلق مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔“

”یقیناً.... اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ تمہاری مدد کو کیسے پہنچتا اور پھر تمہیں تو شاید کیس کے پیر ہی کا پتہ نہ ہو۔ تم اس کی فکر مت کرو فی الحال جو کچھ کہا جائے کرتی رہو۔“

”بہت بہتر جناب۔“

سلسلہ منقطع ہو گیا۔ روشی جو اس سے پہلے بھی گفتگو کا کچھ حصہ سن چکی تھی۔ عمران کے م پر سوار ہو گئی۔ عمران جلدی میں تھا اس لئے بتانا ہی پڑا۔ لیکن وہ اس پر تیار نہیں ہوا کہ روشی بگا اس کے ساتھ جائے گی۔



عمران جولیا کے فلیٹ میں اس وقت داخل ہوا جب لیفٹیننٹ چوہان سر کے فوٹو لے رہا تھا۔ ”آپ آگئے“ تویر نے اس انداز میں کہا جیسے یہ جملہ کوئی شاندار پھبتی رہا ہو۔

”تمہاری موجودگی کا علم نہیں تھا۔“ عمران نے ایسے خوفزدہ لہجے میں کہا جیسے واقعی اس کوئی بڑا جرم سرزد ہو گیا ہو۔

”یہ سر تمہاری گاڑی سے برآمد ہوا تھا۔“

”کہیں ایک آدھ پڑا رہ گیا ہو گا۔“ عمران نے لاپرواہی سے کہا۔

”یس سر“ جولیا کی آواز کانپ رہی تھی۔

دوسری طرف سے بلیک زیرو نے ایکس ٹو کی آواز کی نقل اتارتے ہوئے کہا۔ ”تصوریں چھ گھنٹے کے اندر اندر عمران کے سپرد کر دو۔“

”بہت بہتر جناب“ جولیا نے کہا۔ پھر اس کے علاوہ بھی کچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا اور جولیا نے براسامنے بنا کر ریسپور رکھ دیا۔

”کیوں کیا اس گدھے نے تمہیں گالی دی ہے۔“ عمران نے غصیلی آواز میں کہا۔  
”بے کار بکواس نہ کرو۔“

”تم نے منہ تو ایسا ہی بنایا تھا۔“

”ہاں اس نے مجھے گالی دی تھی پھر تم اس کا کیا بگاڑ لو گے۔“

”تلاش کر کے اسے ذبح کر ڈالوں گا۔ لیکن اس کا سر میری گاڑی میں نہیں پلایا جائے گا۔“

”اوہ.... تم میرے لئے.... اتنا کرو گے۔“

”میں تمہارے لئے ساری دنیا کو قتل کر سکتا ہوں۔“

”بیٹھ جاؤ....“ جولیا مسکرائی۔ ”تمہارے چہرے سے تنہا ظاہر ہو رہی ہے۔ چائے پیو“

گے یا کافی۔“

”جو کچھ بھی مل جائے۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر بیٹھے ہوئے کہا۔ ”لیکن چائے با“

کافی پلانے سے پہلے ہی سن لو کہ مجھے اصل معاملہ کا علم نہیں ہے۔ میں آنکھ بند کر کے بس اتنا ہی

کر رہا ہوں جتنا مجھ سے کہا جاتا ہے۔“

جولیا کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار دکھائی دیئے اور پھر غائب ہو گئے۔ دفعتاً اس نے

چوک کر کہا ”اوہ میں بھی کتنی احمق ہوں خواہ مخواہ تمہیں چائے کی دعوت دے بیٹھی۔ شکر کہاں

ہے۔ پچھلے ہفتے سے راشن کارڈ پر شکر نہیں ملی۔“

”نہیں ملی نا“ عمران خوش ہو کر بولا۔ ”خیر پرواہ نہیں ایسے ہی مواقع پر نمک کی چائے پی لینا

ہوں۔ لیکن آج کل جب کہ شکر کا قحط ہے کسی کو شکر کے دام نہ دے بیٹھنا۔“

”کیوں“

”پچھلے ماہ جب انڈوں کا قحط پڑا تھا ایک صاحب مجھ سے چار درجن انڈوں کی قیمت لے گئے

تھے۔ ہوا یہ کہ میں انڈوں کے بغیر اداس بیٹھا تھا کہ ایک صاحب تشریف لائے مجھے اداس دیکھ کر خود بھی اداس ہونے والے تھے کہ میں نے اپنی اداسی کا سبب بتا دیا چپک کر بولے، ارے واہ اتنی سی بات کے لئے آپ اداس بیٹھے ہیں۔ ارے میرے چچا کے سالے کے خالو کے نواسے مرغیوں کی انجمن کے صدر ہیں جتنے انڈے درکار ہوں، ان کی قیمت عنایت کیجئے کل ہی صبح انڈے پہنچ جائیں گے لہذا پرسوں اٹھائیں ویں صبح کو ان سے ملاقات ہوئی میری صورت دیکھتے ہی بے تحاشہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے پھر بڑی مشکل سے بتایا کہ ان کے چچا کے سالے کے خالو کے نواسے جو مرغیوں کی انجمن کے صدر تھے۔ انڈوں کی قیمت جیب میں ڈال کر گھر سے باہر نکلے ہی تھے کہ ایک بس سے نکل کر مرغیوں کی صدارت کا مسئلہ جھگڑے میں چھوڑتے ہوئے ہمیشہ کے لئے چل بیسے۔“

”مگر تم اب تک کیوں زندہ ہو۔“ جولیا اپنا اوپری ہونٹ بھیجنے کر بولی۔

”نمک کی چائے پینے کے لئے۔“ بڑی سادگی سے جواب دیا گیا۔

”اسٹودو میں تیل نہیں ہے۔“

”میں جھپٹ کر تیل لے آؤں گا۔“

”چائے کی پیتیاں بھی نہ ہوں گی آج تمیں تاریخ ہے۔“

”تیل کے ساتھ چار آنے کی چائے بھی لیتا آؤں گا۔“

”اوہ.... میں بھول گئی تھی۔ اسٹودو ہی خراب ہو گیا ہے۔“

”میں چائے کی پیتیاں چبا کر اوپر سے دودھ کا گلاس چڑھا جاؤں گا۔ تم خواہ مخواہ فکر کرتی ہو۔“

”چائے نہیں ملے گی۔“ جولیا جھنجھلا گئی۔

”تم کوشش تو کرو۔ ضرور ملے گی۔ نیولین کی والدہ نے کہا تھا کہ دنیا میں کوئی بات ناممکن

نہیں ہے۔“

”تو نیولین کی والدہ ہی تمہیں چائے بھی پلائے گی۔“

”ہائیں.... نہیں۔“ عمران کے لہجے میں مسرت آمیز تھیر تھا۔ ”یہ تو بڑی اچھی خبر ہے۔ کیا

نیولین ہی نام رکھو گی۔“

جولیا جھینپ گئی اور پیپر ویٹ اٹھا کر کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔ ”بس چلے ہی جاؤ یہاں سے ورنہ

اچھا نہ ہو گا۔“

”ارے ارے.... یعنی کہ....“

”یعنی کہ تمہارا سر پھاڑ دوں گی۔ جاؤ یہاں سے۔“

عمران یک بیک سنجیدہ ہو گیا اور پھر گلوگیر آواز میں بولا۔ ”میں چائے نہیں پیوؤں گا۔ می کہتی ہیں کہ چائے پینے سے معدہ خراب ہو جاتا ہے اور کہیں سے رخصت ہونے میں جلدی کرنے سے بعض اوقات ہاتھ پیر ٹوٹ جاتے ہیں۔“

”نہیں تمہیں جانا پڑے گا۔“

”یہ بھی ممکن ہے۔“ عمران نے سنجیدگی سے کہا۔ ”لیکن اسی صورت میں جب تم ہر دسویں منٹ پر چوہاں کو پرنٹ کے لئے فون کرو۔ میں ان تصویروں کے پرنٹ لئے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گا اگر زیادہ بور کرو گی تو میں تمہارے چوہے ایکس ٹو کو بور کروں گا۔“

جولیا بیٹھ گئی اس کا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا اور وہ عمران کو اس طرح گھور رہی تھی جیسے کچا ہی چبا جائے گی۔ عمران چیونگم کا پیکٹ پھاڑنے لگا اور اس کے چہرے پر حماقت کے آثار پیدا ہو چکے تھے۔



اسی شام کو عمران گیارہویں شاہراہ والی گلی کے اس مکان کے نیچے کھڑا کچھ سوچ رہا تھا جسے دیکھنے کے لئے وہ جگنو نامی ڈوائف کو یہاں لایا تھا۔

عمران کے ہاتھ میں چوڑے کا ایک سوٹ کیس بھی تھا۔

کچھ دیر بعد وہ صدر دروازے کی طرف بڑھا۔ لیکن پھر جہاں تھا وہیں رک گیا کیونکہ ایک پولیس انسپکٹر اندر سے باہر آ رہا تھا۔ عمران کو دیکھ کر وہ ٹھک گیا۔ شاید وہ اس سے واقف تھا۔

”عمران صاحب آپ یہاں کیسے؟“ اس نے حیرت سے کہا۔

”یہی سوال میں آپ سے بھی کر سکتا ہوں۔“

”اوہ.... مگر میرا خیال ہے کہ یہ کوئی ایسا پیچیدہ کیس نہیں ہے۔ کیا اس بوڑھی نے آپ سے

بھی مدد مانگی ہے۔“

”کس بوڑھی نے۔“

”وہ جو اس مکان میں رہتی ہے۔“

”مگر میرا خیال ہے کہ یہاں کوئی بوڑھی عورت نہیں ہے۔“ عمران نے کہا۔

”تب تو شاید آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ آپ غالباً اندر ہی جا رہے ہیں۔“

”جی ہاں میں اندر جاؤں گا مگر ابھی آپ نے کسی کیس کا تذکرہ کیا تھا۔“

”جی ہاں.... بوڑھی عورت نے رپورٹ درج کرائی ہے کہ اس کا داماد اس کے نوازیندہ

نواسے کو اٹھالے گیا ہے۔“

”اوہ.... تو اس کے بچہ ہو گیا۔“ عمران نے خوش ہو کر کہا۔

”جی ہاں! اس بیچاری کو غش پر غش آرہے ہیں۔“

”سچ سچ؟“ عمران نے افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ بہت بُرا ہوا۔ اس کا شوہر حقیقتاً

کریک ہے۔ بالکل کریک۔“

”آپ جانتے ہیں اسے۔“

”جی نہیں، انہیں لوگوں سے سنا ہے۔ آج تک ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔“

”بہتر ہے.... جائے.... ممکن ہے آپ ہی اس بیچاری کو تسکین دے سکیں۔“

عمران کچھ نہ بولا۔ انسپکٹر اس سے مصافحہ کر کے آگے بڑھ گیا تھا۔ اب عمران کی توجہ صدر دروازے کی طرف تھی۔ اس نے دیکھا کہ ایک معمر عورت دروازے پر کھڑی اس کے ہاتھ میں لٹکے ہوئے سوٹ کیس کو تھیرا تھیرا نظروں سے گھور رہی ہے۔

”بڑی مصیبت ہے محترمہ“ عمران نے دروازے کے قریب رک کر ایک ٹھنڈی سانس لی

اور پھر آہستہ سے بولا۔ ”اس مردود کا کہیں پتہ ہی نہیں چلتا۔“

”مم.... مگر یہ سوٹ کیس....“ بوڑھی عورت نے کپکپائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”آئیے

اندر تشریف لے چلے۔ آپ شاید محکمہ سرائی سے تعلق رکھتے ہیں۔“

”جی ہوں۔“ عمران کا لہجہ مغموم تھا۔

وہ اسے نشست کے کمرے میں لائی۔ عمران نے بیٹھتے ہوئے سوٹ کیس فرش پر اپنے

پیروں کے قریب رکھ لیا۔

”یہ سوٹ کیس تو اسی نامراد کا ہے۔“



”یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں۔“

”محض اژدھے کی اس تصویر کی بناء پر جو اس کے اوپر بنی ہوئی ہے۔“

”کیا ضروری ہے کہ جس سوٹ کیس پر اژدھے کی تصویر موجود ہو وہ اسی کا ہو گا۔“

”اس کی ہر چیز پر اسی قسم کی تصویر ہوتی تھی جناب۔“

”آہا.... کیا.... آپ مجھے اس کی کوئی ایسی چیز دکھا سکتی ہیں جس پر اژدھے کی تصویر ہو۔“

”مطلب یہ کہ اس سوٹ کیس کے علاوہ....؟“

”مجھے افسوس ہے کہ میں ایسی کوئی چیز نہ دکھا سکوں گی کیونکہ وہ اپنی ایک ایک چیز سمیٹ

کر لے گیا ہے۔“

”ویسے کم از کم دو ایک چیزوں کے نام تو بتائی سکیں گی جن پر یہ تصویر تھی۔“

”ٹھہریے ایک تو انگشتی ہی تھی وہ بھی اژدھے کی شکل کی تھی یعنی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے

اژدھے نے اپنی دم موڑ کر منہ میں ڈالنا اور اژدھے کے سر پر ایک بڑا سا ہیرا تھا۔“

”ہوں....“ عمران جیب میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا۔ ”میرے پاس بھی ایسی ہی ایک انگشتی

ہے لیکن وہ آپ کے داماد ہی کی ہو سکتی ہے۔“

”لایئے دیکھوں۔“ عورت مضطربانہ انداز میں بولی۔ عمران نے انگشتی اس کی طرف بڑھادی۔

”بالکل.... قطعی....“ عورت کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ ”یہ انگشتی اسی کی ہے۔ کیا

آپ کے پاس پلائئم کا وہ سگریٹ کیس بھی ہے جس پر اژدھے کی تصویر ہے۔“

”صبر....“ عمران اٹھ کر بولا۔ ”لایئے انگشتی مجھے دیجئے۔ ٹھیک۔ شکر یہ اب یہ فرمائیے

آپ کی لڑکی کی شادی کا سرٹیفکیٹ کہاں ہے۔“

”س.... سر.... ٹی....“ عورت ہکلائی۔

”نہیں ہے۔“ عمران آہستہ سے بولا۔ ”پھر اس حماقت کی کیا ضرورت تھی۔ تم نے بچے کی

گمشدگی کی رپورٹ کیوں درج کرائی۔“

عورت کا چہرہ زرد ہو گیا تھا اور وہ بڑی طرح ہانپ رہی تھی۔ اس کے ہونٹ ہلے ضرور لیکن

آواز نہ نکلی۔

”بولو.... جواب دو.... آخر اس حماقت کی کیا ضرورت تھی تمہارے پڑوسیوں تک کو

تمہارے کسی داماد کا علم نہیں ہے۔“

عورت تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ ”مجبوریاں سب کچھ کر ادیتی ہیں جناب۔“

”ہاں میں اسے یقیناً تسلیم کر لوں گا۔ یہ ایک کائناتی حقیقت ہے۔“

”لیکن شادی ہوئی تھی جناب“ عورت نے کہا۔

”سرٹیفکیٹ“

”سرٹیفکیٹ بھی اسی کے پاس ہے۔“

”لیکن تمہارے پڑوسی اس سے لاعلم ہیں کہ تمہاری لڑکی شادی شدہ ہے۔“

”یقیناً لاعلم ہوں گے۔“ عورت نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”پھر یہ کیا قصہ ہے۔ بات کو بڑھائے بغیر کم سے کم الفاظ میں بیان کر جاؤ۔ پولیس کو شبہ ہے

کہ تم اسے دھوکہ دینے کی کوشش کر رہی ہو۔“

”یہ شادی ایک مجبوری کے تحت ہوئی تھی“ عورت نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”دونوں

صرف دوست تھے۔ ایک دن مجھے معلوم ہوا کہ میری لڑکی اب اسی صورت میں باعزت طور پر

زندگی بسر کر سکتی ہے جب وہ دونوں شادی کر لیں ورنہ کچھ ہی دنوں بعد ان کی لغزش منظر عام پر

آجائے گی۔ میں نے بڑی مشکلوں سے آرٹھر کو شادی پر رضامند کیا لیکن وہ یہاں ہمارے ساتھ

نہیں تھا۔ شادی کا سرٹیفکیٹ بھی اس نے اپنے پاس ہی رکھا تھا اور شادی سے قبل اس نے یہ شرط

رکھی تھی کہ اشد ضرورت پڑنے ہی پر وہ شادی کا راز ظاہر کر سکے گا۔ ورنہ ہمیں اس سلسلے میں

خاموشی اختیار کرنی پڑے گی۔ لڑکی شادی کے تین ماہ بعد ہی گوشہ نشین ہو گئی.... ظاہر ہے ایسے

حالات میں اسے گوشہ نشین ہونا ہی چاہئے تھا۔ آرٹھر کا کہنا تھا کہ وہ مجبوراً شادی اتنی پوشیدگی کے

ساتھ کر رہا ہے۔ مجبوری یہ بتائی تھی کہ اس شادی سے ایک ایسے وصیت نامے پر برا اثر پڑنے کا

اندیشہ ہے جس کی رو سے وہ دو سال بعد ایک بہت بڑی جائیداد کا مالک ہو جائے گا.... مگر....“ وہ

ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی۔

”ہاں بیان جاری رکھو۔“ عمران نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”بچے کی پیدائش والی رات وہ بچے سمیت غائب ہو گیا۔ اس کا یہ سوٹ کیس بھی یہیں تھا۔ یہ

بھی دوسری صبح نہیں ملا۔“

”کیا بیدارش والی رات وہ ہمیں سویا تھا۔“

”جی ہاں۔ پہلی بار.... اور اپنے ساتھ یہ سوٹ کیس بھی لایا تھا۔ اس پر بھی اڑدھے کی تصویر دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی تھی۔“

”ویسے تو وہ کبھی کبھی یہاں آتا ہی رہا ہو گا۔“

”جی ہاں۔ آتا تھا اور لڑکی کے لئے جو اخراجات دیتا تھا وہ باحیثیت آدمیوں کے لئے تھے۔“

”ویسے خود اس کا کہاں قیام تھا۔“

”وہ ہمیشہ یہی کہتا تھا کہ اس کا جہاں بھی قیام ہوتا ہے عارضی ہوتا ہے ویسے دو سال بعد وہ شہر کی کئی بڑی بڑی عمارتوں کا مالک ہو جائے گا.... مگر جناب.... آپ اس طرح اس کے متعلق چھان بین کر رہے ہیں جیسے اس کے متعلق پہلے ہی سے بہت کچھ جاننے ہوں۔“

”غیر ضروری باتوں سے اجتناب کرو۔ میں تمہاری لڑکی سے بھی ملنا چاہتا ہوں۔“

”اے بہت تیز بخار ہے جناب اور اس کی ذہنی حالت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔“

”میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔“ عمران نے آہستہ سے کہا۔ ”رہی ذہنی حالت تو مجھے تمہاری ذہنی حالت پر بھی اعتماد نہیں ہے۔“

”نہ ہو“ عورت جھنجھلا گئی۔ ”اب تو جو کچھ ہوا ہے بھگتنا ہی پڑے گا لیکن وہ کمینہ اس قابل ہے کہ اسے شارع عام پر گولی ماردی جائے۔ ایک دن کے بچے کو اس طرح اٹھالے گیا۔ چلے.... اس نامراد کو بھی دیکھ لیجئے جس کی بدولت یہ دن دیکھنا پڑا۔“

عمران اٹھ گیا۔ وہ اسے ایک کمرے میں لائی۔ زچہ بے خبر سو رہی تھی اور اس کا چہرہ متمتایا ہوا تھا۔ تیز بخار کی علامتیں موجود تھیں۔ عمران اسے چند لمحے دیکھتا رہا پھر کمرے پر سرسری نظر ڈالتا ہوا باہر نکل آیا۔ عورت اسے پھر نشست کے کمرے میں لائی۔

”خدارا، مجھے بتائیے.... کیا بچے کا سراغ مل گیا ہے۔“ عورت نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

”اگر بچہ نہ ملا تو وہ مر جائے گی۔“

”بیٹھ جائیے“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”کیا آپ اس کی کوئی تصویر مہیا کر سکیں گی۔“

”تصویر.... اس کمبخت نے آج تک میری لڑکی کی یہ خواہش پوری نہیں کی۔ وہ چاہتی تھی کہ کم از کم ایک ہی تصویر اس کے ساتھ کھینچوائے لیکن وہ ہمیشہ ناترا رہا۔ بہر حال اب احساس ہو رہا

ہے کہ وہ پکا فراڈ تھا۔ خدا کے لئے کسی طرح بچے کو تلاش کیجئے جناب۔“

”تصویر بھی نہیں مل سکے گی۔“ عمران نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔

”مگر.... مگر! اچھا اس کا حلیہ ہی بتاؤ۔ نام کیا تھا اس کے کسی دوست سے تو ضرور واقف ہوگی۔“

”اس نے اپنا نام میک آر تھر بتایا تھا۔ ہم اس کے کسی دوست سے واقف نہیں۔ وہ متوسط قد اور اچھے جسم کا آدمی ہے۔ رنگت گوری مونیٹھیں اخروٹ کے رنگ کی.... بائیں گال کی ہڈی پر سرخ رنگ کا بڑا سا تل....!“

”اوہ....“ عمران نے حیرت پر قابو پانے کی کوشش کی۔ پھر جلدی سے بولا۔ ”اس کی قیام

گاہ کا پتہ بتاؤ۔ میں کوشش کروں گا کہ بچہ واپس آسکے۔“

”کیا وہ ابھی تک آپ کے ہاتھ نہیں لگا۔ پھر یہ سوٹ کیس....!“

”میری بات کا جواب دیجئے۔ میں اس کا پتہ چاہتا ہوں۔ آپ کسی ایسے آدمی سے اپنی لڑکی کی

شادی نہیں کر سکتیں جس کا پتہ نہ معلوم ہو۔ دنیا کی کوئی لڑکی بھی اس پر تیار نہیں ہو سکتی۔“

”میں کب کہتی ہوں کہ مجھے اس کی قیام گاہ کا پتہ نہیں معلوم۔ سب سے پہلے میں دہیں گئی تھی، لیکن جب وہاں قفل پڑا دیکھا تو اس کے علاوہ اور کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی کہ پولیس کو اس

کی اطلاع دے دوں۔“

”لیکن.... ٹھہریے.... کیا آپ نے یہی بیان پولیس کو بھی دیا ہے۔“

”نہیں۔ میں بہت زیادہ غصے میں تھی اور مجھے اپنے ذہن پر قابو پانا محال ہو رہا تھا۔ لہذا میں

نے بہت سی غلط سلط باتیں اپنی رپورٹ میں درج کرا دی تھیں۔ لیکن اب مجبوراً نبی پر قائم ہوں

بیان کیسے بدل سکتی ہوں۔“

”پھر مجھ سے سچی بات کیوں کہہ دی۔“

”کسی نہ کسی سے سچ بولنا ہی پڑتا ہے اور نہ جانے کیوں مجھے محسوس ہوتا ہے کہ آپ عام

پولیس والوں کی طرح وحشی نہیں ہیں۔“

”میں ان سے بھی زیادہ وحشی ہوں۔ ہاں وہ کون سی باتیں تم نے رپورٹ میں غلط درج کرائی

ہیں۔“

”یہی کہ وہ میرے ساتھ ہی رہتا تھا۔ میں نے یہ نہیں بتایا کہ شادی کن حالات میں ہوئی

تھی... اگر یہ بتاتی تو شاید میری صحیح الدماغی ہی پر شبہ کیا جانے لگتا اسی لئے...“  
وہ جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گئی۔

”لیکن اگر پولیس پڑوسیوں سے پوچھ گچھ کر بیٹھی تو۔“

”کہہ تو رہی ہوں کہ اس وقت... میرا دماغ قریب قریب ماؤف ہو چکا تھا۔ میں صرف یہ چاہتی تھی کہ اس جرم کی سزا کے طور پر اسے زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچ سکے۔ میں نے تو اپنی رپورٹ میں یہ بھی درج کرایا ہے کہ وہ میرے سیف بکس سے پانچ ہزار کے نوٹ بھی چرالے گیا ہے۔ اب آپ مجھے مشورہ دیجئے کہ میں اس سلسلے میں کیا کروں۔“  
”میں بتاؤں گا۔ لیکن تمہیں سب سے پہلے اپنی لڑکی کی خبر لینی چاہئے۔ وہ بہت زیادہ بیمار معلوم ہوتی ہے۔“

”مالی حالت ایسی نہیں ہے کہ میں اسے کسی ہسپتال میں داخل کرا سکوں۔“

”ذریعہ معاش کیا ہے تمہارا۔“ عمران اسے گھورتا ہوا بولا۔

”چند آبائی مکانات کا کرایہ جو اتنا زیادہ نہیں ہوتا کہ ہم حقیقتاً خوشحالی کی زندگی بسر کر سکیں۔“

”فکر مت کرو۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”میں اس کی دیکھ بھال کے لئے ایک یوریشین نرس

بھیج دوں گا... وہ تم سے کچھ طلب نہیں کریں گی اسے خدمت خلق کا شوق ہے۔“

”ارے آپ کہاں تکلیف کریں گے۔“

”نہیں۔ مجھے تم لوگوں سے بے حد ہمدردی ہے لیکن تم اب اپنی زبان بند ہی رکھنا۔ اس سوٹ

کیس یا ان چیزوں کا تذکرہ تو بالکل ہی نہ آنے پائے جن پر تم اڑھے کی تصویریں دیکھ چکی ہو۔“

”پولیس والے اگر پوچھیں۔“

”میں پولیس ہی کے متعلق کہہ رہا ہوں۔“

”کیوں۔ کیا آپ کا تعلق پولیس سے نہیں ہے۔“ عورت نے حیرت سے کہا۔

”خفیہ پولیس... کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ سب انسپکٹر مجھ سے گفتگو کرنے کے لئے رکا تھا۔“

”جی ہاں... جی ہاں!...“

”بس اب... اس کی قیام گاہ کا پتہ بتاؤ۔“ عمران کلائی کی گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔

”گریشم اسٹریٹ کا پانچواں مکان...!“

عمران نے نوٹ بک نکال کر نام اور پتہ تحریر کیا۔

”اچھا نرس دو گھنٹے کے اندر ہی پہنچ جائے گی۔“ اس نے کہا اور واپسی کے لئے اٹھ

گیا۔ عورت اس کے ساتھ دروازے تک آئی۔

پھر عمران نے پہلے نظر آنے والے پبلک ٹیلی فون بوتھ سے اپنے فلیٹ کے نمبر ڈائیل کئے۔

روشی موجود تھی اس نے کہا۔ ”کیوں۔ روشی تمہیں اس خاندان سے ہمدردی ہے نا۔“

”ہاں قطعی۔“ روشی نے جواب دیا۔

”اچھا تو سنو۔ وہ دونوں عورتیں یا تو پکی فراڈ ہیں یا سو فیصدی معصوم، اگر وہ معصوم ہیں تو یہ

سمجھ لو کہ ان کی زندگیاں بھی خطرے میں ہیں۔“

”میں نہیں سمجھی۔“

”سمجھنے کے لئے وقت نہیں ہے۔ تم وہاں فوراً پہنچ جاؤ تمہیں ایک نرس کی حیثیت سے زچہ

کی خبر گیری کرنی ہے، لیکن اپنا پستول ساتھ رکھنا مت بھولنا۔“

”کیا انہیں معلوم ہے کہ میں بحیثیت نرس وہاں قیام کروں گی۔“

”ہاں انہیں علم ہے۔ بس تم اتنا ہی کہہ دینا کہ زچہ کی خبر گیری کے لئے آئی ہو لیکن تمہاری

حیثیت صرف نرس کی ہی ہوگی۔ تم پوچھ گچھ نہیں کرو گی، بس اپنی آنکھیں کھلی رکھنا۔“

عمران نے مزید بحث و تکرار سے بچنے کے لئے اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر سلسلہ منقطع

کر دیا۔

اب اس کی کار پھر اسی مڈوائف کے مکان کی طرف جا رہی تھی جس نے زچگی کرائی تھی۔ وہ

گھر ہی پر ملی اور عمران کی شکل دیکھتے ہی اس کی رنگت زرد ہو گئی۔ عمران نے جیب سے وہ تصویر

نکالی جس کے لئے وہ جو لیا ناٹشر وائر کو کافی دیر تک بور کر تا رہا تھا۔ یعنی اسی کٹے ہوئے سر کی تصویر

جو اس کی کار سے برآمد ہوا تھا۔

”اوہ... جی ہاں...“ مڈوائف جگو سر ہلا کر بولی۔ ”یہ وہی آدمی ہے جو زچگی کرانے کیلئے

مجھے لے گیا تھا۔“

”پچھاننے میں دھوکہ تو نہیں کھا رہیں۔“ عمران نے کہا۔

”نہیں جناب یہی تھا۔“

”اس کی مونچھیں کس رنگ کی تھیں۔“

”ویسی ہی جیسی انگریزوں کی ہوتی ہیں۔ ہلکا.... نہیں دیکھئے کون سا رنگ بتاؤں.... کشمشی۔“

”اور کوئی خاص بات۔“

”میں نہیں سمجھی جناب۔“

”چہرے پر کوئی ایسا نشان جو بہت نمایاں ہو۔“

”نشان تو نہیں تھا، البتہ سرخ رنگ کا ایک بڑا سا تل تھا.... ابھرا ہوا تل۔“

”اچھا شکریہ.... ہو سکتا ہے کہ میں اس کے بعد بھی تم سے ملتا رہوں۔“



کچھ دیر بعد عمران گریٹیم اسٹریٹ میں داخل ہو رہا تھا۔ کار اس نے کافی فاصلے پر چھوڑ دی تھی اور اب بیدل چل رہا تھا۔ پانچویں مکان کی دیوار پر میک آر تھر کے نام کی تختی نظر آئی لیکن مکان مقفل تھا۔ عمران نے رفتار تیز کر دی وہ جلد از جلد کسی ایسی جگہ پہنچ جانا چاہتا تھا جہاں ٹیلیفون مل سکے۔

اس نے ایک دو افروش کی دکان سے بلیک زیرو کے نمبر ڈائیکل کئے۔ دوسری طرف بلیک زیرو ہی تھا۔

عمران نے کہا۔ ”بلیک زیرو۔ تم بحیثیت ایکس ٹو میرے ماتحتوں کو ہدایت کرو کہ وہ گریٹیم اسٹریٹ کے پانچویں مکان کی نگرانی کریں۔ مکان پر میک آر تھر کے نام کی تختی لگی ہوئی ہے اور مکان مقفل ہے اگر کوئی آدمی اس مکان میں داخل ہونے کی کوشش کرے تو اسکی بھی نگرانی کی جائے۔“

”بہت بہتر جناب۔ مگر کم از کم کتنے آدمیوں کو کام پر لگایا جائے۔“

”میرے خیال سے تین کافی ہوں گے۔ تم صفدر سارجنٹ نعمانی اور لیفٹیننٹ چوہان کو اس کام پر مامور کر سکتے ہو خیر.... ہاں کوئی نئی خبر۔“

”نہیں جناب۔ فی الحال تو کوئی نئی خبر نہیں ہے۔“

عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ عمران اپنے فلیٹ میں واپس آگیا۔ اس کے ذہن میں بیک وقت کئی

خیالات چکرارہے تھے۔ اب یہ معاملہ اچھا خاصہ معبہ بن گیا تھا۔ مقتول جس کا سر اس کی کار میں پایا گیا تھا بوڑھی عورت کا داماد تھا۔ شادی پر اسرار طور پر ہوئی تھی۔ زچگی والی رات کو اس نے پہلی بار بوڑھی کے گھر میں قیام کیا تھا اور اپنے ساتھ ایک سوٹ کیس لایا تھا جس پر اژدھے کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ صبح جب بوڑھی بیدار ہوئی تو وہ سوٹ کیس اور بچے سمیت غائب تھا۔ اسی دن اسی سوٹ کیس میں بچے کی لاش ملی۔ گویا وہ سوٹ کیس بوڑھی کے گھر اسی لئے لایا گیا تھا کہ بچے کی لاش اس میں رکھ کر شارع عام پر ڈال دی جائے۔ بوڑھی کا بیان تھا کہ اس کے پاس ایک ایسی انگوٹھی بھی تھی کہ جس کی بناوٹ اژدھے کی سی تھی۔ اس نے ایسے ہی ایک سگریٹ کیس کا بھی تذکرہ کیا تھا جس پر اژدھے کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ انگوٹھی اور سوٹ کیس پر اسرار حالات میں پولیس تک پہنچ چکے تھے لیکن ابھی سگریٹ کیس باقی تھا۔

یہ سب کیا تھا؟ پھر وہ آدمی قتل بھی کر دیا گیا۔ جس کے قبضے میں یہ تینوں چیزیں تھیں۔

شاید وہ ان چیزوں سے چھکارا پانا چاہتا تھا۔ ورنہ وہ ایسے عجیب و غریب حالات میں پولیس تک کیسے پہنچتیں۔ لیکن اسے قتل کس نے کر دیا.... قتل کی وجہ؟

اچانک پرائیویٹ فون کی گھنٹی بجی.... عمران دوسرے کمرے میں آیا۔

”ہیلو۔“

”جولیانا.... سر....!“

”لیس....!“

”شہر کے مختلف حصوں میں تین سر اور پائے گئے ہیں۔“

”کیا تم نے انہیں دیکھا ہے۔“

”جی ہاں! اور یہ سرائیں چار آدمیوں میں سے تین کے ہیں جنہوں نے مجھے اس عمارت میں

قید کیا تھا۔“

”ایک اور پیچیدگی۔“ عمران بڑبڑایا۔

”میں نہیں سمجھی جناب۔“

”کچھ نہیں۔“ عمران نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ لیکن پھر فوراً ہی سر سلطان کے نمبر

ڈائیکل کئے اور انہیں ان تین سروں کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ اسے ان کی تصویریں

”یہ تو اور بھی تعریف کی بات ہے لوگ کہیں گے۔ یہ وہ بڑا آدمی ہے جو خود تو لنگوٹی لگائے پھر تا ہے، لیکن اس کے نوکر گورنر جنرل معلوم ہوتے ہیں۔“  
 ”واقعی۔“ عمران خوش ہو کر بولا۔

”جی ہاں۔“

”اچھا لنگوٹی لگا کر پھر کر۔ میں خود کو تیرا نوکر مشہور کر دوں گا۔“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔  
 ”دس روپے صاحب خواہ کچھ ہو جائے۔“

”ہائیں.... ابھی تو نے کیا کہا تھا بار میں جاؤں گا.... ابے کیا شراب پینے لگا ہے۔“  
 ”شراب نہیں تو پھر کیا چرس بیویں گا صاحب.... آپ جیسے بڑے آدمی کا نوکر اور چرس۔“  
 ”سلیمان!“

”جی صاحب۔“

”ایک ٹانگ پر۔“

”ارے باپ رے۔“ سلیمان ایک ٹانگ پر کھڑا ہوتا ہوا کراہا۔

”ایک گھٹنے کی۔“

”ارے مر گیا۔“

”سلیمان“

”جی صاحب۔“

”اگر ایک گھٹنے پہلے دوسری ٹانگ زمین پر رکھی تو ساری زندگی ایک ہی ٹانگ پر کھڑا رہنا پڑے گا۔“

”میں نے آپ سے جو دس روپے قرض لئے تھے واپس کر دوں گا۔“

”کل نہیں۔ ابھی اور اسی وقت.... ابے اوکو تر کے پٹھے ہمیں کوئی مارواڑی سیٹھ سمجھتا ہے۔“

”نہیں صاحب آپ تو دن رات فاتے کرتے ہیں۔“

”ٹانگ گراؤ۔“

سلیمان نے دوسری ٹانگ بھی زمین پر رکھ دی اور پھر فوراً ہی بولا۔ ”صاحب دس روپے۔“

”ابے آدمی ہے یا بیڑا، ابھی تو نے کہا تھا کہ آپ دن رات فاتے کرتے ہیں۔“

بھی درکار ہیں۔

”وہ چار آدمی“ عمران سوچنے لگا جنہوں نے جولیا کو اس عمارت میں قید کیا تھا اور اسے وہیں چھوڑ کر فرار ہو گئے تھے۔ کیا وہ بھی اسی آدمی سے تعلق رکھتے تھے جس کا سر اس کار میں پایا گیا تھا اور اس آدمی کا تعلق تو اس عمارت سے صاف ظاہر تھا کیونکہ وہ انگوٹھی اسی عمارت سے پھینکی گئی تھی۔ لیکن اس کا سر اس کی کار میں کیوں ڈال دیا گیا تھا۔ کیا اس کے قاتل وہی چاروں آدمی تھے جنہوں نے جولیا کو قید کیا تھا۔ مگر ان میں سے تین آدمیوں کا قاتل کون تھا۔

عمران نے جیب سے چیونٹ کا پیکٹ نکالا اور اسے پھاڑنے ہی جا رہا تھا کہ اس کا ملازم سلیمان آکر سامنے کھڑا ہو گیا۔

”کیا بات ہے“ عمران نے ڈانٹ کر پوچھا۔

”منگل کی آٹھویں تاریخ کو میں نے آپ سے جو دس روپے قرض لئے تھے واپس کر دیجئے۔“

مجھے سخت ضرورت ہے۔“ سلیمان نے برا سامنہ بنا کر کہا۔

”جب ضرورت ہوگی تو میں پھر قرض لے لوں گا۔“

”اب کچھ نہیں ملے گا بھاگ جاؤ۔“

”نہیں صاحب میں تولے کر رہوں گا.... آج موسم بڑا سہانا ہے.... آپ ہی کی عزت ہوتی ہے کچھیلی رات میں آپ کا ڈنر سوٹ پہن کر چاندو خانے گیا تھا۔ جس نے دیکھا بس دیکھتا ہی رہ گیا پھر سب نے ٹھنڈی سانس لیں اور کہا ہاں بھائی بڑے آدمی کے نوکر بھی بڑے ہی ہوتے ہیں۔“

”میرا ڈنر سوٹ پہن کر چاندو خانے گیا تھا۔“ عمران حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

”جی ہاں اور آج کسی بار میں جاؤں گا۔ ڈنر سوٹ پہن کر مجھ سے تو دیسی نہیں پی جائے گی۔“

”ابے ہوش میں ہے یا نہیں۔“

”جی ہاں۔ ابھی تو ہوش ہی میں ہوں۔ آج کریم کلر والا سوٹ پہنوں گا۔“

”اے سلیمان کے بچے۔ مارتے مارتے کھال گرا دوں گا تو میرے سوٹ پہنا کرتا ہے۔“

”کیا کروں سرکار مجبوری ہے۔ اگر نہ پہنوں تو یہ کیسے معلوم ہوگا کہ میں عمران صاحب کا

نوکر ہوں۔“

”چاہے عمران صاحب لنگوٹی ہی کیوں نہ لگائے پھریں۔“

”اب یہ آپ کی عادت ہی ہے کہ جیب میں ہزار ہزار روپے ٹھونے فالتے کیا کرتے ہیں تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ پھر بھی جتنا مجھ سے ہو سکتا ہے کرتا ہی ہوں۔ کبھی دس مانگ لئے.... کبھی بیس مانگ لئے.... کبھی تیس....!“

”شام کے کھانے میں کیا ہے۔“

”زر کسی کو فتنے۔“

”خاموش۔ خاموش اگر تو نے کوئی شعر پڑھا تو سر توڑ دوں گا.... نمک حرام مجھے آلو سمجھتا ہے۔ شعر سناتا ہے۔“

”شعر کب سنار ہاتھا صاحب۔“

”تو پھر یہ زر کسی در کسی کیا تھا۔“

”زر کسی کو فتنے۔“

”خدا کی پناہ۔“ عمران حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ”یہ ہانڈیوں میں کب سے شاعری چل پڑی ہے۔ ابے دیکھ اگر تو نے مجھے کبھی زر کسی کو فتنے یا بلبل کے پردوں کی ترکاری کھلائی تو فوراً دس مس کر کے ٹنڈوالہ یار بھجوا دوں گا۔ کیا سمجھا۔“

”کچھ نہیں سمجھا۔ اب آپ مجھے پھانسی دے دیجئے۔“

”ابے کبھی دس روپے کا نوٹ مانگتا ہے، کبھی پھانسی، تیرا وہ تو نہیں چل گیا۔ کیا کہتے ہیں اسے

بول....!“

”کھوٹا روپیہ، جی ہاں چل گیا تھا، مگر صاحب دس روپے۔“

”تو بڑا خراچ ہو گیا ہے۔ اب میں تیری شادی کرادوں گا۔“

”نہیں آپ صرف دس روپے دیجئے شادی پر اس سے زیادہ لاگت آئے گی۔“

”دفان ہو۔“ عمران نے جیب سے دس دس کے دو نوٹ نکال کر اس کے منہ پر مارنے

ہوئے کہا۔

”بس ایک کافی ہے۔“

”نہیں دونوں۔“ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔

”بڑی مصیبت ہے کس جنجال میں پھنس گیا۔“ سلیمان برا سا منہ بنا کر بولا۔ ”مانگوں گا ایک

میں گے دو.... مجھ سے آپ کی نوکری نہیں ہو سکے گی جناب۔“

”صرف ایک سال اور نکال دے سلیمان پیارے.... اگر ایک کے چار ملیں تب بھی صبر کر

ایک کے آٹھ ملیں تو خون کے گھونٹ پی اور خاموش اللہ بڑا کار ساز ہے۔ شاید اس کے بعد مجھے ہی

تیری نوکری کرنی پڑے۔“

”اللہ مالک ہے۔“ سلیمان ٹھنڈی سانس لے کر چلا گیا۔

”تھوڑی دیر بعد پرائیویٹ فون کی کھنٹی بجی۔ عمران نے اٹھ کر ریسیور اٹھایا۔ ”ہیلو“

”بلیک زیرو سر! اس مکان کی نگرانی ہو رہی ہے۔ ابھی تک کسی نے بھی اس میں داخل ہونے

کی کوشش نہیں کی۔ قفل بدستور موجود ہے۔“

”بہت اچھا۔ میں ٹھیک گیارہ بجے اس میں داخل ہوں گا۔“

”کیا میں بھی موجود رہوں۔“

”صرف تم.... گیارہ بجنے سے پندرہ منٹ پہلے انہیں وہاں سے ہٹا دینا۔“

”بہت بہتر جناب۔“

عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔



گریٹم اسٹریٹ سنسان ہو گئی تھی۔ عمران ٹہلتا ہوا پانچویں عمارت کے قریب آیا۔ بلیک زیرو

پہلے ہی سے اس کا منتظر تھا۔ عمران نے جیب سے ایک باریک سا اوزار نکالا اور قفل پر جھک پڑا....

قفل کھولنے میں اس نے چند سیکنڈ سے زیادہ نہیں لئے۔

”آؤ....“ وہ آہستہ سے بولا اور بلیک زیرو نے اس کے بعد عمارت میں داخل ہو کر دروازہ

پر آہستگی بند کر کے بولٹ کر دیا۔

لیکن عمران اس طرح ٹھک گیا جیسے کسی جانور کی طرح خطرے کی بوسوگھ لی ہو۔

”کیا بات ہے۔“ بلیک زیرو نے آہستہ سے پوچھا۔

”اس اندھیرے کمرے میں کسی کالی بلی کی تلاش ہے۔“

بلیک زیرو اس پر کچھ نہیں بولا۔ لیکن وہ عمران کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھا اور پھر کیک

بیک اس کے بھی کان کھڑے ہو گئے۔ اس نے بھی یہی محسوس کیا کہ وہاں ان دونوں کے علاوہ بھی کوئی موجود ہے۔ عمران نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور وہ دونوں دیوار سے جا لگے۔

”چک چک....“ آواز پھر آئی۔

لیکن اس وقت اس کا رخ بدلا ہوا تھا۔ بلیک زیرو نے بھی محسوس کیا۔ جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کے دستے پر اس کی گرفت سخت ہوتی رہی۔ عمران کا ہاتھ اس کے شانے پر تھا۔ دفعتاً ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی وزنی چیز زمین پر گری ہو۔ اس کے بعد ہی ایک ہلکی سی چیخ کسی بند کمرے میں گھٹ کر رہ گئی۔

”آؤ“ عمران آہستہ سے بولا۔ اس نے ایک چھوٹی سی نارنج نکال لی تھی جس کی محدود روشنی میں وہ آگے بڑھے۔ عمران نے دروازے کا ہینڈل گھمایا۔ یہ دروازہ مقفل نہیں تھا۔ ایک جھپٹکے کے ساتھ اسے کھول کر وہ آگے ہی بڑھتا رہا۔ راہداری مختصر سی تھی جس میں دورویہ چار کمرے تھے، ان کے دروازے کھلے ہوئے تھے، وہ ان میں نارنج کی روشنی ڈالتا جا رہا تھا۔ راہداری کا اختتام ایک دروازے پر ہوا تھا اور یہ دروازہ بھی بند تھا۔ عمران رُک گیا۔ دروازے کی درزوں میں روشنی نظر آرہی تھی، عمران نے نارنج بجھادی تھی۔ اس کی آنکھ دروازے کی جھری سے جا لگی۔ اندر دو آدمی نظر آئے ایک فرش پر چپ پڑا دوسرے کو بے بسی سے دیکھ رہا تھا اور دوسرا آدمی جو اس کے قریب ہی کرسی پر بیٹھا اسے گھور رہا تھا۔ بادی النظر میں آدمی سے زیادہ کوئی گوریلا معلوم ہوتا تھا۔ اس کا قد بمشکل پانچ فٹ رہا ہو گا لیکن پھیلاؤ بہت زیادہ تھا۔ سر سے پیر تک سیاہ رنگ کا چست لباس تھا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سارے جسم پر سیاہ کپڑا منڈھ لیا گیا ہو.... چہرہ بھی اسی میں چھپ کر رہ گیا تھا۔ صرف آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے، کمرے میں دوسری جانب ایک کھڑکی تھی، جو کھلی ہوئی تھی اور صاف ظاہر تھا کہ اس کی سلاخیں نکال کر اندر آنے کا راستہ بنایا گیا ہو گا.... کئی مڑی تری سلاخیں کمرے کے فرش پر پڑی ہوئی تھیں۔

”اٹھو“ دفعتاً گوریلا نما آدمی غرایا۔

وہ آدمی چپ چاپ فرش سے اٹھ گیا۔

”دروازہ کھولو“ گوریلا نے کہا۔ ”دوسرے کمرے میں چلو تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔“

لیکن اتنا سمجھ لو کہ تم یہاں سے اس وقت تک نہیں نکل سکو گے جب تک میں نہ چاہوں۔“

عمران نے بلیک زیرو کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور وہ دونوں بڑی تیزی سے چلتے ہوئے دوسرے کمرے کے کمرے میں چلے گئے.... عمران اس کی کھڑکی کے قریب ہی رُک کر راہداری کے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑتا رہا۔

دفعتاً دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ لیکن اس کمرے کی روشنی گل کردی گئی تھی۔ عمران صرف قدموں کی آوازیں سنتا رہا اور پھر شائد اسی کمرے کے برابر والے کمرے ہی میں ان آوازوں کا خاتمہ ہو گیا۔ روشنی کا ایک بڑا سادھہ راہداری میں نظر آنے لگا۔ اس کمرے کا بلب روشن کیا گیا تھا۔ عمران اور بلیک زیرو دبے پاؤں کمرے سے نکلے۔ روشن کمرے کی کھڑکی بند ہی تھی۔ عمران ایک بار پھر اس کی جھری سے جھانک رہا تھا۔

گوریلا نما آدمی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”ہاں.... تم یہاں اس وقت کیا کر رہے تھے۔“

”چیچ.... چوری کرنے آیا تھا۔“ دوسرا آدمی ہلکایا۔

”آئے کدھر سے تھے۔ دروازہ تو مقفل تھا۔“

”برابر والے مکان کی چھت پر سے۔“

”چوری کرنے آئے تھے، تو کرو چوری میں بھی تمہارا ہاتھ بٹاؤں گا۔“ گوریلا بولا۔

”مم.... معاف کر دیجئے جناب.... آئندہ ایسی غلطی نہ ہوگی۔“

”تم گدھے ہو....“ گوریلا ہنس پڑا۔ ”میں بھی چور ہوں اور کھڑکی توڑ کر اندر آیا ہوں۔“

دوسرا آدمی کچھ نہ بولا۔ دفعتاً گوریلا غصیلی آواز میں غرایا۔ ”اگر تم اپنی زبان نہ کھولو گے تو

تمہارا بھی وہی حشر ہو گا جو تمہارے چار ساتھیوں کا ہو چکا ہے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”کیا تم آر تھر کے ساتھیوں میں سے نہیں ہو۔“

”نہیں جناب میں کسی آر تھر سے واقف نہیں ہوں۔“

”اچھی بات ہے تو اب تم چوری شروع کر دو۔ میں دیکھوں گا کہ تم کیا چرانے آئے ہو۔“

”مجھے جانے دیجئے۔“ اس نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

”نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ تمہارا سر بھی۔“

”نہیں....“ وہ آدمی دونوں ہاتھ پھیلا کر چیخا۔

”آہستہ.... آہستہ بولو۔“

”نقاب....“ عمران نے دھیمی آواز میں کہا۔ بلیک زیرو نے جیب سے نقاب نکال کر چہرے پر چڑھالی۔ عمران بھی نقاب لگا چکا تھا۔

کمرے کے اندر خوفزدہ سی چیخیں گونجنے لگیں۔ گوریلا نما آدمی دونوں ہاتھ پھیلائے آہستہ آہستہ دوسرے آدمی کی طرف بڑھ رہا تھا اور دوسرا آدمی چیختا ہوا دروازے کی طرف کھسک رہا تھا۔

”بتاؤ مجھے اپنے اور ساتھیوں کے نام اور پتے بتاؤ۔“ گوریلا نما آدمی کہہ رہا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں عمران اندر تھا۔ بلیک زیرو نے ریو اور نکال لیا۔

”تم لوگ چیخ چیخ کر دوسروں کی نیندیں کیوں برباد کر رہے ہو۔“ عمران نے کہا۔

گوریلا نما آدمی رک گیا۔

”بہت خوب میرا خیال ہے بس اب تم تین ہی بچے ہو۔ خیر میں باری باری سے تم تینوں کے گلے گھونٹ دوں گا۔ مار ڈالنے کے بعد گردن الگ کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔“ گوریلا غریبا۔

”اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔“ بلیک زیرو لگا کر۔

”تم شوق سے فائر کرو۔“ جواب ملا۔

”یہ ریو اور بے آواز ہے۔“ بلیک زیرو نے کہا۔

”پردہ نہ کرو۔ میں بھی خاموشی سے مرنے جاؤں گا۔“

”بے کار گولیاں ضائع نہ کرنا۔“ عمران بولا۔ ”اس نے بلٹ پروف پہن رکھے ہیں۔“

”بڑے چالاک معلوم ہوتے ہو۔“ گوریلا ہنس پڑا۔

”خود کو ہمارے حوالے کر دو۔... بکواس نہ کرو۔“ عمران بولا۔

”آؤ.... پکڑ لو مجھے.... میں کہیں بھاگا تو نہیں جاتا۔“

عمران آگے بڑھا.... لیکن دوسرے ہی لمحے میں اسے ایک طرف ہٹ جانا پڑا اور گوریلا اپنے ہی زور میں سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا پھر پلٹنے بھی نہ پایا تھا کہ بلیک زیرو نے اس کے سر پر ریو اور کا دستہ رسید کر دیا۔ کھٹاکے کی آواز آئی، بالکل ایسے ہی جیسے دستہ پھر پر پڑا ہو۔

”کیوں حماقت کر رہے ہو۔“ عمران بولا۔ ”سر پر بھی بلٹ پروف ہے۔“

”گوریلا بلیک زیرو پر جھپٹ پڑا لیکن عمران دونوں کے درمیان آگیا۔ گوریلا کے بازو اسے

قاصد کی تلاش

جکڑنے کے لئے آگے بڑھے۔ مگر قبل اس کے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا عمران کی لات اس کے پیٹ پر پڑی اور وہ ایک بار پھر دیوار سے جا ٹکرایا۔ پھر سچ سچ وہ کسی گوریلے ہی کی طرح غرانے لگا۔ اس بار حملہ شدید تھا۔ لیکن عمران نے پھر جھکائی دی اور بائیں پہلو میں پہنچ کر ایک لات پھر رسید کی۔

وہ دراصل اسے تھکا کر بے بس کر دینا چاہتا تھا۔ دفعتاً اسے دوسرے آدمی کا خیال آیا اور اس نے بلیک زیرو سے کہا۔

”اوگدھے وہ کہاں گیا۔“

”اوہ.... وہ نکل گیا شاید۔“ بلیک زیرو نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”دیکھو“ عمران دھاڑا۔ ”وہ جانے نہ پائے۔“

بلیک زیرو روبرو انداری کی طرف چھٹا۔ حقیقتاً اسی کی غفلت کی بناء پر وہ نکل جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ قصور اس کا بھی نہیں تھا۔ گوریلے اور عمران کی کشمکش کچھ ایسی دلچسپ تھی کہ وہ کسی چوتھے آدمی کے وجود سے غافل ہو گیا تھا۔

گوریلا پیچھے ہٹا۔ اب شاید اسے بھی اپنی حماقت کا احساس ہو گیا تھا۔ دیوار کے سہارے ٹک کر وہ ہانپنے لگا اور پھر عمران کو ایسا لگا جیسے وہ کھڑے ہونے میں دشواری محسوس کر رہا ہو۔ وہ بائیں جانب جھکتا چلا جا رہا تھا۔ عمران خاموش کھڑا دیکھتا رہا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کی عقل ٹھکانے آگئی کیونکہ اس نے بھی عمران کو دھوکہ ہی دیا تھا۔ غشی طاری ہونے کا مظاہرہ کر کے اس نے دراصل ریو اور نکال لینے کی مہلت حاصل کی تھی۔

”اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ“ وہ کسی درندے کی طرح غریبا۔

”میں بھی ہاتھ اٹھانے کا عادی نہیں ہوں۔“ عمران نے جواب دیا۔ ”تم شوق سے فائر کر سکتے ہو۔“

”مجھے بھی اس کی پروا نہ ہوگی کہ فائر کی آواز رات کے سنائے میں لوگوں کو چوہکا دے گی۔“ گوریلا غصیلی آواز میں بولا۔ پھر دفعتاً اس کی آواز سے خوش مزاجی ظاہر ہونے لگی۔ وہ کہہ رہا تھا ”مگر ٹھہرو! تم کون ہو۔ کیا اس آدمی سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔“

”تم فائر کرو.... میرا اور اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ میں بلٹ پروف کے بغیر ہی اپنا کام چلا لیتا ہوں۔“



”نہیں میں فائر نہیں کروں گا۔“

”لیکن میں تمہاری شکل ضرور دیکھوں گا۔“ عمران نے کہا۔ ”پچھلے سال میرا ایک مینڈھا فرار ہو گیا تھا۔ اس کے غم میں آج بھی رونے کی کوشش کرتا ہوں۔ مگر آنسو نہیں نکلتے، وہ بالکل تمہاری ہی طرح ڈھیٹ تھا۔“

”اوہ....“ گوریلا کی آواز پھر غصیلی ہو گئی۔ ”تم میرا مذاق اڑا رہے ہو.... یہ لو۔“

اس نے فائر جھونک دیا۔ عمران غافل نہیں تھا۔ سنگ آرٹ آڑے آیا اور گولی سامنے والی دیوار سے ٹکرائی۔ اس نے پھر فائر کیا لیکن اس کا بھی یہی انجام ہوا۔ پھر تیسرا لیکن چوتھے فائر نے اس کی عقل خطا کر دی۔ کیونکہ وہ عمران کی بجائے بجلی کے بلب پر کیا گیا تھا۔ کمرہ تاریک ہو گیا۔ عمران نے میز لٹنے کی آواز سنی اور پھر قبل اس کے کہ وہ کوئی تدبیر کرتا بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز راہداری میں پہنچ گئی۔ عمران بھی دروازے کی طرف جھپٹا۔ یہ ایک دلچسپ پجوشن تھی۔ گولی مار دینے کی دھمکی بھی کارگر نہ ہوتی کیونکہ بھاگنے والے کے جسم پر بلب پر وف موجود تھے۔ دفعتاً عمران نے بلیک زیرو کی آواز سنی جو شاید بوکھلاہٹ میں اسے گولی ہی مار دینے کی دھمکی دے رہا تھا۔

پھر سامنے والے کمرے میں ٹارچ کی روشنی نظر آئی اور کوئی بھاگتا ہوا آدمی عمران سے ٹکرایا۔

”بھاگ گئے۔“ ٹکرانے والے نے سرگوشی کی۔ ”پولیس“

عمران صدر دروازے کی طرف جھپٹا اور وہ دونوں بڑے اطمینان سے سڑک پر آگئے۔ کیونکہ ادھر سناٹا تھا۔ شاید پولیس والوں کو ٹوٹی ہوئی کھڑکی نے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ اب ان کے چہروں پر نقاب نہیں تھے وہ بالکل اس انداز سے چلتے رہے جیسے چہل قدمی کے لئے نکلے ہوں۔

”کچھ بھی نہ ہوا جناب....“ بلیک زیرو نے معنوم لہجے میں کہا۔

”بہت کچھ ہوا۔“ عمران نے لاپرواہی سے کہا۔ ”جو کچھ گذر جائے اس کے متعلق کبھی نہ سوچو۔“

”نہیں جناب ہمیں بہت تادم ہوں۔ وہ پہلا آدمی تو سو فیصدی میری ہی غفلت کی بناء پر نکل

”گیا۔“

”اور دوسرا آدمی مجھے الو بنا گیا....“ عمران ہنس کر بولا۔ ”اس نے جب دیکھا کہ تین فائر

کرنے کے باوجود میرا کچھ نہ بگاڑ سکا تو چوتھا فائر بلب پر کر کے اندھیزے میں نکل بھاگا۔ خیر مگر اس سے ایک فائدہ ہوا یعنی یہ بات واضح ہو گئی کہ اس سلسلے میں دو مختلف گروہ زور آزمائی کر رہے ہیں۔ مقصد جو کچھ بھی ہو وہ دوسرا آدمی جو گوریلے کا شکار ہونے والا تھا غالباً انہیں لوگوں میں سے تھا جن کے سر شہر کے مختلف حصوں میں پائے گئے ہیں۔“

”مگر ان سروں کی نمائش کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔“

”دوسرے گروہ کو مرعوب کرنا۔ فی الحال میں اس کے علاوہ اور کسی نتیجے پر نہیں پہنچا۔“

”یعنی وہ گوریلا انہیں لوگوں میں سے تھا، جنہوں نے وہاں چار آدمیوں کے سر کاٹ کر شہر کے مختلف حصوں میں ڈال دیئے تھے؟“

”ان دونوں کی گفتگو سے تو یہی ثابت ہوتا ہے۔“

”لیکن آپ اس وقت یہاں آئے کیوں تھے۔“

”کسی ایسی چیز کی تلاش میں جس سے میک آر تھر کی شخصیت پر روشنی پڑ سکے۔“

”لیکن کھیل ختم ہو گیا۔“

”نہیں کھیل تو غالباً اب شروع ہوا ہے۔“ عمران نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔



دوسری صبح عمران نے فون پر روشنی کی آواز سنی وہ کہہ رہی تھی۔ زچہ کی حالت بہتر ہے لیکن وہ بچے کے لئے بے حد بے چین ہے۔ عمران یہ دونوں ماں بیٹی بے حد شریف ہیں۔ لیکن دنیا میں ایسے شریف کہاں ملیں گے جو کسی دوسرے کی شرافت سے ناجائزہ فائدہ نہ اٹھائیں۔

”ہائیں“ عمران بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”یہ تم اخلاقیات پر لیکچر دے رہی ہو یا رپورٹ پیش کر رہی ہو۔“

”تم کیا معلوم کرنا چاہتے ہو۔“

”ان کے اعزاء پر اس کا کیا رد عمل ہوا ہے۔“

”جب میں ان کے اعزاء کو جانتی ہی نہیں تو اس کا جواب کیا دے سکوں گی۔“

”ان سے ملنے کے لئے کوئی بھی نہیں آیا۔“

”نہیں.... ابھی تک تو کوئی بھی نہیں آیا.... وہ دونوں تنہا ہیں۔“

”لڑکی کو اپنے اعتماد میں لینے کی کوشش کرو۔ اس کی ماں کا بیان ہے کہ بچہ غیر قانونی نہیں ہے بلکہ دونوں کی شادی ہوئی تھی، لیکن اس شادی کا باقاعدہ طور پر اعلان نہیں کیا گیا تھا۔ ہاں وہ مرد جو اس مذوائف کو وہاں سے لے گیا تھا اس کا شوہر تھا۔“

پھر اس نے سوٹ کیس اور بچے کی داستان دہرائی۔

”اوہ.... عمران.... تم نے مجھے اب تک اندھیرے میں کیوں رکھا۔“

”اتنا موقع ہی نہیں ملا تھا کہ تمہیں آگاہ کر سکتا اور سنو میری کار میں جو لیا کہ جو سہ ملا تھا وہ اسی آدمی کا تھا۔“

”میرے خدا....“ روشی کی آواز کپکپا رہی تھی۔ ”اتنا سنسنی خیز کیس اور تم نے مجھے اندھیرے میں رکھا۔ اچھا اب دیکھنا میں کیا کرتی ہوں۔“

”کیا مطلب۔“

”بس دیکھ لینا۔“

”اے روشی تم کوئی غیر ذمہ دارانہ حرکت نہیں کرو گی۔“

”تم گدھے ہو۔ بس چپ چاپ دیکھتے جاؤ۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ بوڑھی عورت کا بیان درست ہی ہو گا۔“

”اوہو.... کیوں؟ ابھی تو تم ان کی شرافت کے گیت گار ہی تھیں۔“

”پورے واقعات کا علم ہوتا تو نتیجہ اخذ کرنے میں اتنی جلدی نہ کرتی۔“

”آخر بوڑھی کے پہاں پر یقین کیوں نہ کیا جائے۔“ عمران نے کہا۔

”دنیا کی کوئی ماں اتنی بدھو نہیں ہوتی۔“

”اج.... چھا.... کاش میں بھی ماؤں کو سمجھ سکتا۔“

”نہیں سمجھ سکتے۔ تاوقتیکہ ماں بننے کی صلاحیتیں نہ پیدا کرو۔“

”اچھی بات ہے۔ آج ہی سے ملتان مٹی کھانا شروع کر دوں گا۔“ عمران نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ وہ کچھ فکر مند سا نظر آنے لگا تھا۔ اس نے سلیمان کو آواز دی۔

”جی صاحب۔“ وہ باورچی خانہ سے بولا۔

”یہاں آؤ۔“ عمران دھاڑا۔

”چائے میں ابھی کچھ دیر ہے صاحب۔“

”صاحب کے بچے یہاں آؤ۔“

سلیمان براسامہ بنائے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

”میں ناشتے میں ملتان مٹی کا حلوہ کھاؤں گا۔“

”ملتان مٹی کا حلوہ“ سلیمان نے حیرت سے دہرایا۔

”ہاں.... فوراً تیار کرو۔“

”آپ کچھ بھول تو نہیں رہے صاحب۔“

”پتہ نہیں۔ اگر بھول ہی رہا ہوں تو یاد دلاؤ۔“

”غالباً آپ پنے کا حلوہ کھانا چاہتے ہیں لیکن پنے کی بجائے آپ کو ملتان مٹی یاد آرہی ہے۔“

”ابے مجھے الو بنانا ہے پنے کا حلوہ کیسے بن سکتا ہے۔“

”بن سکتا ہے صاحب۔“

عمران کچھ کہنے ہی والا تھا کہ پرائیویٹ فون کی گھنٹی بجی وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں آیا اور فون کا ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے بلیک زیربول رہا تھا۔

”بڑی دشواری آرہی ہے جناب۔“

”کیوں کیا بات ہے۔“

”میں نے اس آدمی کا پتہ لگا لیا ہے جو پچھلی رات اس گوریلا نما آدمی کا شکار بن گیا ہوتا۔“

”تفصیل“

”آج اتفاقاً صبح ہی صبح وہ مجھے ایک ٹیکسی میں نظر آگیا۔ میں نے تعاقب شروع کر دیا لیکن پتہ

نہیں وہ اسی عمارت میں مقیم ہے یا واقعی طور پر وہاں گیا تھا۔“

”عمارت کہاں ہے۔“

”گریشم سٹریٹ ہی میں ہے۔“ جواب ملا۔ ”اور اس کا نمبر تیرہ ہے۔ عمارت بڑی شاندار ہے۔“

”یہ عمارت اسی لائن میں ہے ناجس میں پانچویں عمارت ہے۔“

”جی نہیں۔ اس لائن میں نہیں ہے۔“ بلیک زیرول نے جواب دیا۔

”مجھے نیند نہیں آئے گی اس وقت تک ابھی نہیں سکتی جب تک کہ میں تمہاری طرف سے مطمئن نہ ہو جاؤں۔“

”پگلی....“ روشی اس کے گال پر ہلکی سی چپت لگا کر مسکرائی۔ ”میں یہ کہہ رہی تھی کہ جب تک تمہارا ٹمپر بچر کم نہیں ہوتا مجھے نیند نہیں آئے گی۔ تم رات بھر جاگتی رہتی ہو۔“

لڑکی کچھ نہ بولی۔ اس کے گالوں پر آنسو ڈھلکنے لگے تھے۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارا غم کیسے بٹاؤں.... کیا وہ پاگل تھا بے بی۔“

لڑکی کچھ نہ بولی۔ صرف روتی رہی.... بوڑھی عورت نے روشی کو بھی بچے کے غائب ہو جانے کی داستان سنائی تھی۔ لیکن اس کا بیان اس رپورٹ سے مختلف نہیں تھا جو اس نے پولیس کو دی تھی۔

روشی خاموش بیٹھی اسے حقیر آمیز نظروں سے دیکھتی رہی۔

”تمہیں رونا نہ چاہئے۔ صبر کرو۔ اگر دنیا کے سارے آدمی فرشتے ہو جائیں تو دنیا جنت بن سکتی ہے۔“

”خدا کے لئے خاموش رہو۔“ لڑکی بولی۔

”اوہ.... معاف کرنا۔ اگر میری اس بات سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچی ہو۔“

”نہیں....“ وہ اس کا ہاتھ دبا کر بولی۔ ”تم بہت اچھی ہو۔ بہت اچھی۔ میں اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی ہوں۔ مئی جھوٹ بول رہی ہیں۔ وہ بھی پاگل ہو گئی ہیں۔ وہ میرا شوہر نہیں تھا۔ اس نے مجھ سے شادی نہیں کی تھی۔ وہ ایک بہت بڑا بلیک میلر اور کمینہ تھا۔ مئی کو بلیک میل کر رہا تھا۔ میں نہیں جانتی کہ مئی اس کی خوشامد کئے بغیر مفلس کیسے ہو جاتیں۔ وہ سب کچھ دیکھتی رہیں۔ ان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس سے شادی کے لئے کہہ سکیں۔ پہلے پہل وہ شریف آدمی کی طرح یہاں آیا تھا اور میں اسے ایک مخلص دوست سمجھتی تھی پھر.... میں اپنے ہی کو الزام دوں گی.... مجھ سے لغزش ہو گئی مئی کو اس کا علم ہوا۔ لیکن وہ روتی اور چیختی رہیں.... ان کا دماغ اس وقت ماؤف ہو گیا جب وہ بچے کو اٹھا کر لے گیا۔ پھر وہ یہ بھی بھول گئیں کہ وہ انہیں بلیک میل کر رہا تھا اور اب بھی وہ انہیں نقصان پہنچا سکتا تھا۔ انہوں نے ایک افسانہ تراشا اور پولیس کو رپورٹ دے دی۔ لیکن اب وہ پریشان ہیں کیونکہ ان کی تراشی ہوئی داستان بہت کمزور ہے۔“

”خیر تو اس تعاقب کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔“ عمران نے کہا۔

”جی نہیں۔ نتیجہ اگر برآمد بھی ہوا ہے تو میں اسے کوئی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔“

”ہوں.... کیا نتیجہ برآمد ہوا ہے۔“

”وہ گریٹم اسٹریٹ کی تیرہویں عمارت میں گھسا اور دھکے دے کر نکلوا دیا گیا۔“

”اوہ....“

”جی ہاں.... دو خوشخوار قسم کے پٹھان چوکیدار وہاں موجود تھے۔ انہوں نے اسے بڑی بے

دردی سے اٹھا کر کمپاؤنڈ کے باہر پھینک دیا تھا۔“

”پھر اس نے کیا کیا۔“

”کچھ نہیں سڑک پر کھڑا دھمکا تا رہا کہ وہ اس عمارت کے مکینوں کے خلاف ازالہ حیثیت

عرنی کا دعویٰ دائر کرے گا۔“

”اور تم اس واقعہ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔“

”جی نہیں۔ اگر یہ واقعہ کسی شریف آدمی کو پیش آیا ہو تا تو یقیناً....؟“

”بس خاموش“ عمران غرایا۔ ”پتہ نہیں آج کل میرے ساتھیوں کو شرافت کا ہیضہ کیوں

ہو گیا ہے۔“

”مم.... مطلب یہ کہ....؟“

کچھ نہیں خاموش رہو.... اگر آئندہ میں نے اس قسم کے جملے تمہاری زبان سے سنے تو

بڑی طرح پیش آؤں گا۔“ عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔



روشی نے لڑکی کو لٹا دیا۔ وہ ہولے ہولے کراہ رہی تھی۔ روشی نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”میں نہیں بتا سکتی کہ مجھے تم سے کتنی محبت معلوم ہوتی ہے۔ میں یہاں اکثر آیا کروں گی۔“

”اب تم سوجاؤ سسر“ لڑکی نے کمزور آواز میں کہا۔ ”تم ساری رات جاگتی رہی ہو۔“

لڑکی خاموش ہو گئی۔ روشی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”ہاں تمہاری ممی سے غلطی ہوئی۔ انہیں اس مسئلے پر خاموش رہنا چاہئے تھا۔ کیونکہ وہ دراصل وہی چیز لے گیا جو تمہاری بدنامی کا باعث ہوتی۔ وہ تو کوئی بلیک میلر تھا۔ مگر تمہاری ممی مفلس کیوں ہو جاتیں۔“

”میں نہیں جانتی۔ ویسے ہمارا ذریعہ معاش ان تین عمارتوں کا کرایہ ہے جو ممی کو تر کے میں ملی تھیں۔“

”اور ان کا خیال ہے کہ وہ آرتھر کے خلاف کسی قسم کی آواز اٹھانے پر مفلس ہو جاتیں۔“

”ہاں وہ بھی کہتی تھیں۔“

”مگر انہوں نے یہ بہت بُرا کیا۔ انہیں پولیس کو غلط بیان نہ دینا چاہئے تھا۔“

”سب سے زیادہ پریشانی مجھے اسی بات کی ہے۔ مجھے رات کو نیند نہیں آتی۔ میں یہ سوچتی ہوں کہ اگر پولیس کو حقیقت کا علم ہو گیا تو کیسی پریشانیاں ہوں گی۔ میرے خدا....“

اس نے اپنا چہرہ چھپالیا.... اور روشی اس کا شانہ تھپکنے لگی۔

”گھبراؤ نہیں....“ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”ہو سکتا ہے کہ میں تمہارے کسی کام آسکوں۔ مطمئن رہو۔ پولیس اب ادھر کارخ بھی نہیں کرنے پائے گی۔“

”یہ کیسے ممکن ہے۔“

”سب کچھ ہو سکتا ہے۔ تم اس میں اپنا ذہن الجھانے کی بجائے سونے کی کوشش کرو۔ زندگی میں ایسے نشیب و فراز بہت آتے ہیں۔ اس کی پرواہ بالکل نہ ہونی چاہئے۔ اب پھر تم یہی سوچو کہ تمہارا معاملہ ابھی بالکل ڈھکا چھپا ہوا ہے۔“

”کہاں.... پولیس اسے افسانہ بنادے گی۔ پڑوسیوں کو بھی آخر کار علم ہو جائے گا۔“

”میں کہتی ہوں کہ پولیس کو اس سے روکا جائے گا۔ تم سونے کی کوشش کرو میں ابھی آئی۔“

روشی اٹھ گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ عمران کو فوراً اطلاع دینی چاہئے تاکہ وہ معاملات کو آگے نہ بڑھنے دے۔



گریٹم اسٹریٹ کی تیرھویں عمارت کافی شاندار تھی۔ عمران اس کی بائیں جانب والی گلی میں

کھڑا اس کھڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا جو اسی گلی میں کھلتی تھی۔ آج تیسرا دن تھا کہ وہ اس کھڑکی کے نیچے لفٹوں کے سے انداز میں سیٹیاں بجا رہا تھا۔ پچھلے دو دنوں سے اس نے یہ رویہ اختیار کیا تھا۔ قصہ دراصل یہ تھا کہ اس نے پہلے دن اس مکان کے مینوں سے ملنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن پھانک پر کھڑے ہوئے دو پٹھان چوکیداروں نے راستہ روک لیا تھا۔ اس نے اپنا کارڈ نکال کر انہیں دینا چاہا لیکن انہوں نے اسے اٹھا کر سڑک پر پھینک دینے کی دھمکی دی تھی وہ چپ چاپ واپس چلا آیا تھا۔ لیکن پھر اس کھڑکی پر نظر پڑتے ہی دوسری تدبیر سوچ گئی۔ حالانکہ یہ تدبیر بہت زیادہ خطرناک تھی لیکن عمران کے سر میں جو کچھ بھی سما جائے۔

ویسے وہ اتنا واہیات بھی نہیں تھا کہ خواہ کسی شریف آدمی کی گڑی اچھالنے کی کوشش کرتا۔ اس نے پہلے ہی معلوم کر لیا تھا کہ اس عمارت کے مکین کیسے لوگ ہیں۔ وہاں ایک بوڑھی پوریشین عورت رہتی تھی جس کے ساتھ دو تین لڑکیاں بھی تھیں اور شہر کے چند صاحب حیثیت لوگ ان کے ”سرپرست“ تھے۔ ان تین دنوں میں بوڑھی کئی بار کھڑکی کھول کر عمران کو گالیاں دے چکی تھی۔ آج بھی حسب معمول اس نے کھڑکی کھول کر ٹوٹی پھوٹی اردو میں کہا....

”او.... حرامجادہ تم کیوں ہمارا پیچھے پڑا ہے۔“

”تم حرامجادہ کابی لویڈ ہے.... ڈارلنگ....“ عمران رو دینے والی آواز میں بولا۔ ”تم اس کا کبھر نہیں لے گا تو وہ مر جائے گا۔ پٹھانوں کو بولو کہ حرامجادہ ہمارا لور ہے۔ اسے آنے دو۔“

”بھاگ جیاؤ کتے کا پلا....“

”ہم نہیں۔ ہمارا چھوٹا بھائی ہے کتے کا پلا۔ وہ بھی آئے گا.... ہم سچ بولتا ہے.... مر جائے گا ہم.... ہم کو اپنا پاس بولاؤ۔“

”اچھا ٹھہرو.... ہم پٹھان کو بلاتا ہے۔“

”بلاؤ.... بلاؤ.... ہم یہیں تمہاری گلی میں مرے گا۔ ابھی مرے گا۔“

عورت نے کھٹا کے کے ساتھ کھڑکی بند کر دی اور عمران پھر سیٹی بجانے لگا۔ تھوڑی ہی دیر بعد عورت آتی دکھائی دی۔ عمران سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔ یہ بھی تو ممکن تھا کہ وہ خود ہی اس پر ہاتھ چھوڑ دیتی۔

”بلاؤں پٹھان کو“ عورت اس کے قریب پہنچ کر بولی۔ لیکن اس کی جھلاہٹ میں ہلکی سی

مسکراہٹ بھی لرز رہی تھی۔

”بلاؤ۔“ عمران نے انگریزی میں کہا۔ ”میں مرنے سے نہیں ڈرتا مگر.... میں تم سے.... بات یہ ہے کہ....“

عمران خاموش ہو گیا۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسکے چہرے پر شرم کی سرخی دوڑ گئی ہو۔  
”تم ناپاگل ہو کیا؟“ عورت آہستہ سے بولی۔ ”تم کسی ایسے گھرانے کے لڑکے معلوم ہوتے ہو۔ مگر تم نہیں جانتے کہ یوریشین لڑکیوں کے اخراجات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔“

عمران نے اسے اپنے کوٹ کی جیبیں دکھائیں، جو نوٹوں کی گڈیوں سے بھری ہوئی تھیں۔  
”آؤ.... آؤ.... میرے ساتھ لو کہیں کے.... ورنہ کوئی تمہیں قتل کر دے گا۔“

”عمران اسکے پیچھے پیچھے چلے لگا۔ اس بار پٹھان نے کوئی تعرض نہ کیا مگر اسے گھورتے ہی رہے۔“  
”بیٹھ جاؤ....“ عورت نے نشست کے سکرے میں آکر ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔  
عمران کے چہرے پر روایتی حماقت ٹھارہی ہو چکی تھی۔

”تم کہاں رہتے ہو۔“

”آسکر اسٹریٹ میں۔“

”اوہ.... وہاں تو کروڑ پتی ہی رہتے ہیں۔“ عورت اسے گھور رہی تھی۔ عمران کچھ نہ بولا۔ وہ

سر جھکائے بیٹھا تھا۔

”یہاں میرے پاس ایک بہت اچھی لڑکی ہے۔ مگر تمہیں یہاں کا پتہ کس نے بتایا تھا۔“

”میں ایک سال سے.... تمہیں.... یعنی.... ایک....“

”اوہ۔ اب یہاں آکر تمہارا دم کیوں نکلنے لگا ہے۔ گلی میں تو بہت چمک رہے تھے۔“ عورت

مسکرائی۔

”میں.... ل.... لڑکی کے لئے نہیں آیا.... مجھے تو.... تم سے....“

”کیا کہتے ہو“ عورت جھلا گئی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کی آنکھوں سے حیرت

جھانکنے لگی کیونکہ عمران کی آنکھیں سادوں بھادوں شروع کر چکی تھیں۔ آنسو بڑی تیزی سے اس کے گالوں پر بہتے رہے۔

”ارے.... ارے.... یہ کیا ہو گیا ہے تمہیں، ٹھہرو میں لڑکی کو بلاتی ہوں۔“

”نہیں۔“ عمران ہچکیاں لیتا ہوا بولا۔ ”میں بڑا بد نصیب آدمی ہوں مجھے لڑکیاں بالکل اچھی نہیں لگتیں۔“

”پھر تم یہاں کیوں آئے ہو۔“

”تمہارے لئے میں ایک سال سے تمہیں دیکھ رہا ہوں.... اب.... اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔“

”تم عجیب آدمی ہو۔“

”یہ میری بد نصیبی ہے.... میں کیا کروں.... میں شاید پاگل ہو گیا ہوں۔ میں جانتا تھا کہ تم بھی میرا مذاق اڑاؤ گی.... وہی ہوا.... اب میں خود کشی کر لوں گا۔“

عورت کچھ نہ بولی اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔

”تم بھی میرا مذاق اڑا رہی ہو۔“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔ ”مجھے بے حد مایوسی ہوئی ہے۔“

”ارے.... بیٹھو.... بیٹھو....“

”نہیں آج تک کسی نے بھی میرا دل اس طرح نہیں توڑا۔“

”بیٹھ جاؤ۔ تم اس طرح نہیں جاسکتے۔ پٹھان تمہیں اس وقت تک باہر نہیں نکلنے دیں گے جب تک کہ میں ان سے نہ کہوں۔“

”وہ مجھے نہیں روک سکیں گے۔ میں خون خرابے سے نہیں ڈرتا۔“

”بیٹھ جاؤ لڑکے میں استدعا کرتی ہوں۔“ عورت نے انتہائی نرم لہجے میں کہا۔ عمران بیٹھ گیا لیکن اس کے چہرے پر شدید ترین غصے کے آثار تھے۔

”سچ میٹاؤ۔ تم کیا چاہتے ہو۔“

”اوہ.... میں کیا بتاؤں۔ مگر نہیں ٹھہرو۔ اپنے ڈیڈی سے پوچھ کر بتا سکتا ہوں۔“

”تم میرا مذاق اڑا رہے ہو۔“ بوڑھی عورت یک بیک بھر گئی۔

”اگر تمہیں اسی پر اصرار ہے تو یہی سمجھ لو۔“ عمران نے لا پرواہی سے کہا اور اب اس کے چہرے پر حماقت کے آثار نہیں تھے۔

عورت سرخ ہو گئی تھی۔ اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے اور ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی بھوکے بھڑکی کی طرح عمران کو پھاڑ کھائے گی۔ دفعتاً اس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی کی طرف ہاتھ بڑھالیا۔

”کیوں کیا مجھے نکلوانے کے لئے کسی کو بلاؤ گی۔“ عمران نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔  
”یقیناً تم کوئی لٹکلے ہو۔“

”اوہو.... تو کیا یہاں شریف آدمی بھی آتے ہیں۔“ عمران نے مسکرا کر کہا۔ ”مگر دیکھو میں اس گدھے کی طرح الو بھی نہیں ہوں جسے تین دن پہلے تمہارے پٹھانوں نے اٹھا کر سڑک پر پھینک دیا۔“

”اوہ....“ عورت کے ہونٹ سکر گئے اور آنکھیں پھیل گئیں، لیکن پھر دوسرے ہی لمحے میں اس کی انگلی گھٹی کے بٹن پر تھی۔ عمران خاموش بیٹھا رہا۔ مگر جیسے ہی وہ دونوں پٹھان کمرے میں داخل ہوئے عمران نے چھوٹے ہی پشتوں میں پوچھا۔ ”کیا تم پٹھان ہی ہو۔“

”ہاں ہم پٹھان ہیں۔“ ایک نے کہا۔

”مگر پٹھان تو بڑے غیور ہوتے ہیں۔“

”ہاں.... یقیناً۔“

”مگر تم تو غیور نہیں ہو۔“

”کیوں؟“ دونوں کو بیک وقت غصہ آگیا۔

”غیور آدمی مر جاتے ہیں لیکن کسی طوائف کی نوکری نہیں کرتے یہ طوائفیں ہیں۔ ان کا پیسہ حرام ہے۔ کیا تم جانتے ہو کہ طوائفیں کیسے کماتی ہیں.... تم جانتے ہو اور وہی ان کا پیسہ تمہیں ملتا ہے۔“ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

”اس آدمی کو یہاں سے نکالو۔“ بوڑھی عورت نے عمران کی طرف دیکھ کر کہا۔

”اُم تمہارا نوکری نہیں کرے گا۔ تم رنڈی ہے۔“ جواب ملا۔

بوڑھی سنائے میں آگئی، پٹھان دروازے کی طرف مڑ گئے۔ بوڑھی کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔

”اب بلاؤ گے بلاتی ہو۔“ عمران نے ہنس کر کہا۔ ”ایسے اچانک قسم کے انقلابات میری جیب میں پڑے رہتے ہیں۔“

”اب میں پولیس کو بلاؤں گی۔“

”مجھے بے حد خوشی ہو گی جب میں تمہاری داستان پولیس کی زبانی سنوں گا۔ تم پولیس کو بھگ

بلا سکتی ہو۔ لیکن پولیس ان پٹھانوں کی طرح آسانی سے نہیں ٹلے گی۔ مجھے بتاؤ کہ تم نے میرے ایک ساتھی کو ان پٹھانوں کے ہاتھوں کیوں ذلیل کر لیا تھا۔“  
عورت کچھ نہ بولی۔

”جواب دو۔“

”وہ ایک بُرا آدمی تھا اور کسی اچھی نیت سے نہیں آیا تھا۔“

”اوہ تو کیا یہاں صرف نیک نیت آدمی کا داخلہ ممکن ہے۔“

”میں نہیں جانتی کہ تم کیا چاہتے ہو۔ ورنہ میں اتنی دیر تک تمہاری بکواس نہ سنتی۔“

”کچھ نہیں میں صرف یہ جتانے آیا تھا کہ صرف چار آدمیوں کے مر جانے سے گردہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ میک آر تھر وغیرہ گردہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ اچھا ٹائٹا۔“

عورت صوفے پر نیم دراز رہی ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے ہو گئے ہوں۔

عمران بڑے پُر وقار انداز میں چلتا ہوا عمارت سے باہر نکل آیا۔ تقریباً بیس منٹ بعد وہ ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ سے بلیک زیرو کو فون کر رہا تھا۔

”ہیلو....“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”ایکس ٹو۔“

”لیس سر“

”گریشم اسٹریٹ کے تیرھویں مکان کی نگرانی ضروری ہے۔ مارک کرو کہ وہاں کس قسم کے لوگوں کی آمد و رفت رہتی ہے۔“

”بہت بہتر جناب۔ مگر میری ایک الجھن دور فرمائیے۔“

”کیا بات ہے۔“

”میک آر تھر کے مکان میں ان دونوں کی موجودگی کا کیا مطلب تھا۔ کیا وہ دونوں کسی چیز کی تلاش میں وہاں آئے تھے۔“

”یقیناً نہیں کسی چیز کی تلاش تھی۔ خیر اب اس قصے کو دفن کرو۔ کیونکہ اس کی دوسری ہی رات کو مجھے وہاں کئی کام کی چیزیں ملی تھیں۔“

”اوہ.... تو آپ دوسری رات کو بھی وہاں تشریف لے گئے تھے۔“

”ہاں جب میں کسی کام میں ہاتھ لگاتا ہوں تو کوشش یہی رہتی ہے کہ وہ ادھورا نہ رہے پائے۔“

”گستاخی ضرور ہے مگر کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ وہ کام کی چیزیں کیا تھیں۔“

”سب سے زیادہ اہم ایک خط تھا جس میں تیرہویں مکان کے کسی فرد نے میک آر تھر کو مخاطب کر کے لکھا تھا کہ اسے اپنی حرکتوں سے باز آ جانا چاہئے۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ بعد میں پیچھتا پڑے۔“

”اوہ تب تو واقعی وہ خط بہت اہم تھا۔“ بلیک زیرو نے کہا۔

لیکن عمران سلسلہ منقطع کر چکا تھا۔



جولیان اس خیال سے بہت بے چین تھی کہ اب ایکس ٹو کی نظروں میں اس کی کوئی وقت نہیں رہ گئی۔ ایک زمانہ وہ تھا جب وہ اپنے سارے پیغامات اسی کے ذریعہ اپنے ماتحتوں تک پہنچاتا کرتا تھا۔ مگر اب وہاں عمران کا طوطی بول رہا تھا۔ اس کی دانست میں عمران جو کچھ بھی کرنا چاہتا تھا کر گذرتا تھا اور ایکس ٹو کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی تھی اسے یہ دیکھ کر اور زیادہ غصہ آتا تھا کہ عمران کے ساتھ ہی روشی کی بھی بن آئی ہے۔

وہ ان خیالات میں الجھی ہوئی تھی کہ عمران آگیا۔ سب سے پہلے اس نے حسب معمول ”چھیڑ چھاڑ“ کی باتیں شروع کیں لیکن جولیا کا موڈ بہت زیادہ خراب دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا۔

دفعۃً اس نے عمران سے پوچھا۔ ”کیا ایکس ٹو نے روشی کی خدمات بھی حاصل کر لی ہیں۔“

”نہیں تو وہ میری پرائیویٹ سیکریٹری ہے۔“

”اور کسی زمانے میں وہ ایک پیشہ ور لڑکی تھی۔“ جولیا نے زہریلے لہجے میں کہا۔

”یہ بھی درست ہے۔“ عمران نے لا پرواہی سے جواب دیا۔

”لیکن تمہیں کیا حق حاصل ہے کہ تم حکومت کے رازدوں میں اسے بھی شریک کرو۔“

”وہ خود ہی ایک بہت بڑی حکومت ہے۔ مس فٹنر واٹر۔“

جولیا کچھ نہ بولی۔ اسے عمران کی باتوں پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ عمران روشی کے متعلق اس انداز میں گفتگو کرے۔ عمران اٹھ کر بالکنی پر چلا گیا اور جولیا اسے گھورتی رہی۔

پھر کمرے میں واپس آگیا۔

”باہر سڑک پر دو ایسے آدمی موجود ہیں جو گریٹیم اسٹریٹ سے میرا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک آئے ہیں۔ تم اپنے ساتھیوں کو فون کرو کہ وہ یہاں پہنچ جائیں اور اس وقت تک ان دونوں آدمیوں کا تعاقب کریں جب وہ میرا تعاقب کر رہے ہوں۔“

”میں کچھ بھی نہیں کر سکتی۔“

”جہنم میں جاؤ۔“ عمران براسامہ بنا کر اٹھتا ہوا بولا۔ ”تم ایسے مواقع پر شکر ال کے عمران کو بھول جاتی ہو۔“

”ٹھہرو۔“ جولیا بھی اٹھتی ہوئی بولی۔ ”تمہیں کیا حق حاصل ہے کہ مجھ سے ایسے لہجے میں گفتگو کرو۔“

عمران اس کی بات کا جواب دیئے بغیر آگے بڑھ گیا۔

وہ نیچے آیا اور کنکھیوں سے ان آدمیوں کی طرف دیکھتا ہوا جو اسی کے انتظار میں وہاں موجود تھے ایک گلی میں مڑ گیا۔ دونوں آدمیوں نے پھر اس کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ جولیا نے بھی محسوس کیا کہ عمران نے غلط نہیں کہا تھا۔ وہ دونوں آدمی اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ جولیا نے غصے میں عمران کی تجویز رد تو کر دی تھی لیکن پھر اس سے صبر نہ ہو سکا اور وہ خود ہی اس کے پیچھے دوڑ گئی۔

اب عمران سب سے آگے تھا اور اس کے پیچھے وہ دونوں آدمی تھے جن کا تعاقب جولیا کر رہی تھی۔

گلی سے نکل کر عمران اپنی کار میں جا بیٹھا۔ شاید وہ اسے وہیں چھوڑ کر جولیا کے فلیٹ تک پیدل آیا تھا۔ تعاقب کرنے والوں نے ایک موٹر سائیکل سنبھالی۔ جولیا ادھر ادھر دیکھ رہی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ نزدیک و دور کوئی ٹیکسی بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ عمران کی کار چل پڑی اور موٹر سائیکل بھی اشارت ہو گئی۔ اتفاقاً جولیا کو بھی ایک خالی موٹر رکشا مل گیا۔

”چلو اس موٹر سائیکل کے پیچھے چلو۔“ اس نے رکشا میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

”بہت اچھا سب۔“ رکشے والے نے جواب دیا۔

کچھ دیر بعد عمران نے اپنی کار سینٹ لارنس کالونی کی اسی عمارت کے سامنے روک دی جہاں

پچھلے دنوں جولیا کو ایک تلخ تجربے سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ موٹر سائیکل ایک دوسری سڑک پر مڑ گئی اور جولیا کا رکشا آگے بڑھتا چلا گیا۔

عمارت پر اب بھی ”ٹولٹ“ کا بورڈ لگا ہوا تھا لیکن آج عمران نے نہ تو کسی کھڑکی کا شیشہ توڑا اور نہ کسی اوزار کی مدد سے قفل پر زور آزمائی کی بلکہ جیب سے کنجی نکال کر قفل کھولا اور اپنے پیچھے دروازہ بھیڑتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ لیکن ابھی وہ صحن تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ کسی نے اسے لکارا۔

”خبردار ٹھہر جاؤ۔“

عمران چونک کر مڑا۔ تعاقب کرنے والوں میں ایک کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ دوسرے نے ایک بڑا سا خنجر نکال لیا تھا اور آہستہ آہستہ عمران کی طرف بڑھ رہا تھا۔ عمران سمجھ گیا کہ مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ پانچویں سر کا بھی اضافہ کیا جائے۔ وہ سنہیل کر کھڑا ہو گیا۔

”کیوں کیا ارادہ ہے۔“ اس نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔ ”ایک ہاتھ میں ریوالور اور دوسرے میں خنجر تم لوگ تو اردو شاعری کے محبوب سے بھی دس جوتے آگے معلوم ہوتے ہو۔“

خنجر والا رک گیا شاید اسے اس آدمی سے ایسی بے جگری کی توقع نہیں تھی۔

”آؤنا۔ تم گولی چلاؤ اور تم خنجر سے وار کرو۔ جو بھی پہلے کامیاب ہو اسے وکٹوریہ کر اس دلوادوں گا۔“

”گرا کر ذبح کروں گا۔“ دفعتاً ریوالور والے نے کہا اور ریوالور جیب میں رکھ لیا۔ پھر اس طرح آگے بڑھا جیسے عمران سچ مچ کوئی چھوٹا سا بچہ ہے جسے گرا لینے میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔

عمران چپ چاپ کھڑا رہا اور اس آدمی نے تقریباً تین گز کے فاصلے سے اس پر چھلانگ لگائی لیکن خود ہی اوندھے منہ زمین پر جا رہا۔ عمران اس کے سر پر ٹھوکر رسید کرتا ہوا خنجر والے کی طرف جھپٹا۔ خنجر والے نے بڑی پھرتی سے اس پر حملہ کیا لیکن خنجر دیوار پر لگا اور عمران کا ہاتھ اس کی گردن پر.... دوسرے ہی لمحے میں عمران نے اسے سر سے بلند کر کے زمین پر دے مارا۔ ٹھیک اسی وقت جولیا بھی راہداری میں داخل ہو گئی۔

”اوہ“ وہ جہاں تھی وہیں رک گئی۔ پہلے آدمی کو سر پر پڑنے والی ٹھوکر نے بیکار کر دیا تھا اور دوسرے کے لئے اتنی زبردست پٹختی کیا کم تھی۔ دونوں بے ہوش پڑے تھے۔

اب عمران جولیا کی طرف جھپٹا اور وہ اس کے تیور دیکھ کر گھبرا گئی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا تھا

جیسے وہ اسے بھی اٹھا کر پٹخت دے گا۔

”ارے.... ارے....“ جولیا بوکھلا کر پیچھے ہٹی اور عمران اس طرح چونک پڑا جیسے اس نے یہ سب کچھ بحالت خواب کیا ہو۔

”لُل.... لا حول....“ اس کے ہونٹوں پر ایک جھپٹی ہوئی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

”یعنی تم.... ہوش میں نہیں تھے۔“ جولیا ہلکائی۔

”پتہ نہیں۔ ایسے مواقع پر کسی بلڈاگ کی طرح میری آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔“

”یہ کون ہیں۔“

”وہی جنہوں نے چار آدمیوں کی گردنیں کاٹی تھیں۔ اچھا اب تم چپ چاپ یہاں سے کھک جاؤ کیونکہ اب یہاں ایک انتہائی خوفناک کھیل شروع ہونے والا ہے۔“

”میں نہیں جاؤں گی۔“ جولیا نے کہا۔

”کیا تم نے اپنے دوسرے ساتھیوں کو بھی اطلاع دے دی تھی۔“

”نہیں۔“

”کیوں؟“ عمران کی آواز غصیلی تھی جولیا نے اس کی طرف دیکھا اور بوکھلا کر نظر دوسری طرف ہٹائی.... وہ اس وقت احق عمران نہیں معلوم ہو رہا تھا اس کی آنکھوں سے درندگی جھانک رہی تھی۔

”جاؤ....“ وہ غرایا۔

جولیا مڑی اور لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے چلتی ہوئی راہداری کے سرے تک آئی اور پھر عمران کی طرف دیکھا جو بے ہوش آدمیوں کو پیٹھ پر لا کر ایک کمرے میں ڈال رہا تھا۔ جولیا دم بخود کھڑی رہی۔ عمران کمرے کا دروازہ بند کر کے صحن کی طرف چلا گیا۔ جولیا چند لمحے کھڑی رہی اور پھر باہر چلی گئی۔



وہ بہت پریشان تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ سینٹ لارنس کالونی کی ڈیکن لاج سے واپس آئے دو گھنٹے ہو چکے تھے اور وہ مستقل طور پر اختلاج قلب میں مبتلا



ہو گئی تھی۔ عمران اس عمارت میں تنہا تھا اور جن لوگوں سے خود جولیا کا سابقہ پڑچکا تھا وہی اسے بہت خطرناک معلوم ہوئے تھے اور اب تو شاید بات ان لوگوں تک جا پہنچی تھی جنہوں نے ان خطرناک آدمیوں کے سر کاٹ کر ادھر ادھر پھینک دیئے تھے۔

اس نے کئی بار ایکس ٹو سے فون پر رابطہ قائم کرنا چاہا لیکن وہ نہیں ملا۔ پھر اس نے ٹرانس میٹر کو بھی آزمایا وہی مایوسی۔ وہ ایکس ٹو کے بغیر سیکرٹ سروس کے آدمیوں کو اس کی مدد کے لئے نہیں بھیج سکتی تھی کیونکہ ادھر کچھ دنوں سے ایکس ٹو کا رویہ یہ ظاہر کر رہا تھا کہ عمران اب باقاعدہ طور پر سیکرٹ سروس کا ممبر نہیں ہے۔

وہ الجھتی رہی کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگتی اور کبھی بیٹھ جاتی۔ اس کے الاشعور میں کہیں نہ کہیں عمران سے متعلق کوئی گرہ ضرور موجود تھی، کبھی وہ اس سے اتنی شدید نفرت کرنے لگتی تھی کہ صورت دیکھنے کو بھی دل نہیں چاہتا تھا اور کبھی وہ اس کے لئے بے چین ہو جاتی تھی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ وہ بڑی سرد مہری سے اسے اپنے فلیٹ سے نکال دیتی اور اکثر خود اس کی تلاش میں ماری ماری پھرتی۔ اُس نے ایک بار پھر ایکس ٹو کے نمبر ڈائل کئے اور جواب نہ ملنے پر اس انداز میں ریسپور کریڈل پر پنچ دیا جیسے سارا قصور فون ہی کا رہا ہو۔ لیکن ٹھیک اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔

”ہیلو....“ اس نے ریسپور اٹھا کر ماؤ تھ پیس میں کہا۔

”مس فٹنر واٹر۔“ دوسری طرف سے کسی عورت کی آواز آئی۔

”لیس فٹنر واٹر اسپیکنگ“

”میں روشی بول رہی ہوں۔“

”اوہ.... کیوں....“ جولیا کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں۔

”میں معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ مسٹر عمران کہاں مل سکیں گے۔“

”میں کیا بتا سکتی ہوں۔ تم نے غلط جگہ فون کیا ہے۔“

”میں نے سوچا ممکن ہے تمہیں علم ہو۔“

”ٹھہرو۔ یہ بتاؤ۔ نہیں۔“ جولیا کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ”کیا تم غصے کی حالت میں اس کا سامنا کر سکتی ہو۔“

”میں سمجھی نہیں۔“

”مطلب یہ کہ اگر وہ غصے میں ہو تو کیا تم اس کا سامنا کر سکتی ہو۔“

”میں اُس کے گالوں پر طمانچے بھی لگا سکتی ہوں، خواہ وہ اس وقت اژدھے کی طرح پھپھکا رہا ہو۔“

”تو میں تمہیں اطلاع دے رہی ہوں کہ وہ پاگل ہو گیا ہے۔“

”میں نہیں سمجھی۔“

”وہ خطرے میں ہے لیکن اس کی حالت اس پاگل سے مشابہ ہے جو گرتی ہوئی عمارتوں کے

درمیان کھڑا قہقہے لگا رہا ہو۔ اس پر خون سوار ہے مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ....“

”ٹھہرو۔ کم سے کم الفاظ میں مجھے بتاؤ کہ وہ کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے۔“

”اوہ۔ اوہ کیا تم اس کی مدد کرو گی۔“

”جولیا وقت نہ برباد کرو۔ اگر اس کا بال بھی بیکا ہوا تو....“

”تم یہیں آ جاؤ۔ میرے فلیٹ میں۔ ہم دونوں ساتھ چلیں گے۔ اس نے مجھے وہاں نہیں

ٹھہرنے دیا تھا۔ ممکن ہے تمہاری وجہ سے۔“

”اچھا میں آرہی ہوں۔“ روشی نے اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی سلسلہ منقطع کر دیا۔

پھر دس یا پندرہ منٹ بعد وہ جولیا کے فلیٹ میں تھی اور جولیا کہہ رہی تھی۔

”وہ اس وقت سینٹ لارنس کالونی کی ایک عمارت ڈیکن لاج میں کوئی خطرناک کھیل شروع

کر چکا ہو گا۔ ویسے شروعات تو میری موجودگی میں ہی شروع ہو گئی تھی۔“

جولیا نے وہ سب کچھ دہرا دیا جو آج اس عمارت میں دیکھا تھا اور یہ بھی بتایا کہ ”عمران اس

قت عمران نہیں معلوم ہو رہا تھا۔“

”وہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے کا ماہر ہے۔“ روشی مسکرا کر بولی۔ ”میرا خیال ہے کہ آج کی

ات فیصلہ کن ہو گی۔ لیکن کیا وہ حقیقتاً تنہا ہے۔“

”تنہا.... بالکل تنہا۔“

”کیا سیکرٹ سروس کے ممبر اس کی پشت پر نہیں ہیں۔“

”نہیں کوئی بھی نہیں۔“

”حالانکہ یہ کیس سیکرٹ سروس کا ہے۔ پتہ نہیں کہ تم لوگ کس قماش کے آدمی ہو۔“

”مگر تم سیکرٹ سروس والوں کے متعلق کیا جانو۔“

”میں کیا نہیں جانتی۔“

جولیا کو یہ بات بہت گراں گذری۔ لیکن وہ خاموش رہی پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ دونوں سینٹ لارنس کالونی کی طرف جا رہی تھیں۔ جولیا بہت تیزی سے کارڈرائیو کر رہی تھی۔

”مگر تم خالی ہاتھ ہو گی۔“ جولیا نے کہا۔

”نہیں میرے بیگ میں اعشاریہ تین آٹھ موجود ہے۔“ روشی نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

جولیا اس طرح ہنس پڑی جیسے اسے یقین نہ آیا ہو۔ لیکن جب روشی نے بیگ سے ریوالور نکال کر اسے دکھایا تو جولیا نے حیرت سے پوچھا۔

”تم اسے چلا بھی سکو گی۔“

”کیوں نہیں۔ میں دوپانچ کے کھلونے پسند نہیں کرتی۔ فار کرتے وقت جب تک اس کا احساس نہ ہو کہ ہاتھ میں حقیقتاً کچھ ہے نشانہ ٹھیک نہیں لگتا۔“ روشی نے لاپرواہی سے کہا۔

”مگر اس کی حقیقت غیر قانونی ہے۔“

”قطعاً نہیں۔ میں لائسنس رکھتی ہوں۔“

جولیا کو شاید یقین نہیں آیا تھا۔ لیکن وہ خاموش ہی رہی۔

سینٹ لارنس کالونی میں پہنچ کر جولیا نے کار کی رفتار کم کر دی۔۔۔۔ اور پھر کچھ دیر بعد وہ ڈیکن لاج کے سامنے سے گذریں۔

”یہی ڈیکن لاج ہے۔“ جولیا نے کہا۔

”تو روکتی کیوں نہیں۔“ روشی بولی۔

”آگے۔ یہاں روکنا درست نہ ہو گا۔ کیا تمہیں کسی کھڑکی میں روشنی بھی نظر آئی تھی۔“

جولیا نے کہا۔

”میں نے دھیان نہیں دیا تھا۔ روشی نے جواب دیا۔ کچھ دور چلنے کے بعد جولیا نے کار روک دی۔ اور وہ دونوں یہاں سے ڈیکن لاج کے لئے پیدل روانہ ہو گئیں۔

عمارت کمپاؤنڈ اور ملحقہ باغات پر اندھیرے اور سناٹے کی حکمرانی تھی۔ وہ دونوں پھانک تک آئیں اور پھر رک گئیں۔ سب سے پہلے جولیا ہی نے قدم رکھے تھے کیونکہ اسے وہ سرِ یاد آگیا تھا جو

عمران کی کار میں غالباً اسی جگہ رکھا گیا تھا۔

روشی نے اسے ٹوکا اور وہ پھر آگے بڑھی۔

”مگر کیا یہ ضروری ہے کہ وہ اب بھی یہیں ہو۔“ روشی نے کہا۔

”یقیناً۔ مجھے یقین ہے کہ اس نے اس عمارت میں مجرموں کے لئے کسی قسم کا جال پھیلایا

ہے۔ کیونکہ وہ خود ہی ان دونوں آدمیوں کو اپنے پیچھے لگا کر یہاں لایا تھا۔“

روشی خاموشی سے آگے بڑھتی رہی۔ وہ دونوں برآمدے میں پہنچیں اور ایک کھڑکی سے

انہیں راہداری میں روشنی دکھائی دی۔ مگر وہ سارے دروازے اندر سے بند تھے۔ دفعتاً جولیا نے

روشی کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کھینچا اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ فرش پر تھیں۔ جولیا نے بھی بڑی

پھرتی سے اس کی تقلید کی۔ باہر کمپاؤنڈ میں انہیں ایک دھندلا سا سایہ نظر آیا جو آہستہ آہستہ

برآمدے کی طرف بڑھتا آرہا تھا۔ لیکن پھر بائیں جانب مڑ کر ایک درخت پر چڑھنے لگا۔ پھر تو

ایک نہیں نہ جانے کتنے سائے کمپاؤنڈ میں نظر آنے لگے اور وہ سب اسی درخت کی طرف بڑھ

رہے تھے۔

اتنے میں اندر سے ستار کی آواز آئی اور روشی نے ایک طویل سانس لی۔ ستار بتا رہا اور

سائے ایک ایک کر کے درخت پر چڑھتے رہے۔ درخت کی شاخیں چھت پر جھکی ہوئی تھیں۔

”یہ کسی دن بڑی مصیبت میں پھنسنے والا ہے۔“ روشی نے آہستہ سے کہا۔

”ستار کون بجا رہا ہے۔“ جولیا نے پوچھا۔

”اس دیوانے کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔“

”وہ تنہا ہے۔“ جولیا مضطربانہ انداز میں بولی۔ ”اب کیا کریں وہ ایک درجن سے کم نہیں

معلوم ہوتے۔“

”میں نے تو یہ عمارت پہلی بار دیکھی ہے۔“ روشی نے کہا۔ ”کیا اس درخت کے علاوہ اور

کوئی ذریعہ نہیں ہے۔“

”ذریعہ۔۔۔ کیا بتاؤں۔۔۔ میں نے بھی اس عمارت کو اچھی طرح نہیں دیکھا۔ ویسے صحن کی

عقبی دیوار کم از کم بیس بائیس فٹ ضرور اونچی ہو گی۔“

”تب پھر مجبوراً درخت ہی کو استعمال کرنا ہو گا۔“ روشی نے کہا۔

”تم درخت پر چڑھ سکو گی؟“ جولیانے حیرت سے کہا۔  
”کیوں نہیں!“

”دفعاً انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے دروازہ کھولا ہو اور پھر انہیں اپنے قریب ہی ایک سایہ دکھائی دیا۔ یہ کوئی آدمی تھا اور شاید صدر دروازہ کھول کر باہر آیا تھا۔ وہ دونوں چپ چاپ لیٹی رہیں۔ روشنی کا خیال تھا کہ ممکن ہے وہ عمران ہی ہو۔ لیکن وہ اب بھی بے حس و حرکت لیٹی رہی۔ ویسے سایہ اس انداز میں جم کر رہ گیا جیسے اسے وہیں کھڑے رہنا ہو۔ اچانک اندر سے فائر کی آواز آئی۔ پھر متواتر دو تین فائر ہوئے۔ لیکن سایہ جہاں تھا وہیں رہا۔ اس پر روشنی کو یقین ہو گیا کہ وہ عمران نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے یہ انہیں لوگوں میں سے ہو جو درخت پر چڑھ کر اندر گئے تھے۔ عمران سے تو اس کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اندر سے فائروں کی آوازیں سنے اور بت بنا کھڑا رہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ آدمی اس لئے باہر کھڑا ہو کہ اندر والوں کو باہر کا حال معلوم ہو تا رہے۔

روشنی نے جولیا کا ہاتھ دباتے ہوئے آگے سر کننا شروع کیا۔ وہ دیوار سے لگ کر سینہ کے بل کھسک رہی تھی اور سایہ دیوار سے تقریباً دو گز آگے تھا۔ روشنی بیک سے اپنا ریوالبور نکال چکی تھی۔ لیکن گرفت دستانے کے بجائے نال پر تھی ٹھیک سائے کے پاس پہنچ کر وہ رکی اور پھر دیوار سے لگے لگے ہی اٹھنا شروع کیا۔

اس کار ریوالبور والا ہاتھ اٹھا اور پوری قوت سے سائے کے سر پر پڑا اور سایہ ہلکی سی آواز کے ساتھ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ گرتے گرتے روشنی نے دو چار ضربیں اور لگادی تھیں۔ سایہ بے حس و حرکت ہو گیا۔ اندر سے اب بھی فائر کی آوازیں آرہی تھیں اور یہ اتنی ہلکی تھیں کہ ان کے دور تک پھیلنے کا امکان نہیں تھا۔

روشنی نے پلٹ کر جولیا کو بتایا کہ وہ اس آدمی کو بیکار کر چکی ہے جو کچھ دیر پہلے سامنے کھڑا تھا۔ جولیانے خیال ظاہر کیا کہ کہیں اس آدمی کا تعلق عمران ہی سے نہ رہا ہو۔ اس پر روشنی نے ایک بہت بڑا خطرہ مول لیا۔ یعنی مدہم روشنی کی نارنج کی مدد سے بیہوش آدمی کا جائزہ لینے لگی۔

”نہیں یہ میرے لئے اجنبی ہے۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”تم بہت پھر تیلی ہو۔“ جولیانے کہا۔

”آؤ۔“ روشنی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ اندر تھیں۔

راہداری تاریک پڑی تھی۔ روشنی اسے اسی طرح کھینچتی رہی۔ دونوں کے پیروں میں ربر سول جوتے تھے اس لئے وہ بے آواز چلتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھیں۔

راہداری کے موڑ پر بڑے کمرے کی کھڑکی کے قریب ہی انہیں رک جانا پڑا۔ کیونکہ کھڑکی کے شیشے روشن تھے اور اندر کچھ لوگوں کی موجودگی کا احساس بھی ہوتا تھا۔ دفعاً کسی نے غرا کر کہا۔ ”تم دونوں اتنے بودے تھے کہ ایک آدمی کے ہاتھوں پٹ گئے تم نے اطلاع دی تھی کہ وہ یہیں موجود ہے۔“

”جناب جس وقت میں فرار ہونے میں کامیاب ہوا ہوں وہ موجود تھا۔“

”کہاں موجود تھا۔“

”اوپری منزل کی ایک کھڑکی میں۔“

”کیا تم نے اس کی شکل دیکھی تھی۔“

”نہیں کھڑکی کے شیشوں پر اس کا سایہ تھا۔“

”الو کے پٹھے۔“ دوسری آواز کچھ اور زیادہ غصیلی ہو گئی۔ ”وہ تو ذمی تھی ایک تھکے پر فلیٹ ہیٹ رکھ دیا گیا تھا۔ تم دھوکہ کھا گئے تھے۔ مگر اس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ.....!“

وہ یک بیک خاموش ہو گیا کچھ دیر بعد پھر اس کی آواز سنائی دی وہ کہہ رہا تھا۔ ”تم احمق ہو۔ پھر یہاں اندر داخل ہو کر فائر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔“

”یہاں کھڑکیوں میں ایسے کئی سائے دکھائی دیئے تھے جناب اور وہ سب تھکے اور فلیٹ ہیٹ ہی ثابت ہوئے۔“

”اور تم گدھوں کی طرح ان پر گولیاں ضائع کرتے رہے۔ یہ بھی نہ سوچا کہ اس سے باہر والے بھی متوجہ ہو جائیں گے۔ اب چلو یہاں سے، ویسے مجھے یقین نہیں ہے کہ اب ہم دشواریوں کے بغیر یہاں سے نکل سکیں۔ یہ عمارت ہمارے لئے چوہے دان بنائی گئی ہے۔“

ٹھیک اسی وقت کسی نے پیچھے سے روشنی اور جولیا کی گردنیں پکڑ لیں اور اب انہیں اپنے سامنے بھی نقاب پوش نظر آئے جو آہستہ آہستہ آگے بڑھتے آرہے تھے۔ روشنی نے ریوالبور کی نالی پیچھے کھڑے ہوئے آدمی کے پیٹ سے لگادی لیکن فائر کرنے کی نوبت نہیں آئی کیونکہ اس

سے پہلے ہی اس کا ریو اور چھین لیا گیا تھا۔

پھر جیسے ہی کمرے کے اندر سے کچھ لوگوں نے باہر نکلنا چاہا نقاب پوشوں کے ریو اور ان کی طرف اٹھ گئے۔ روشی اور جولیا کی گردنیں جھوڑ دی گئیں اور انہوں نے عمران کی آواز صاف پہچانی جو کہہ رہا تھا۔ ”جولیا تم سے اچھی طرح سمجھوں گا۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ دفع ہو جاؤ۔ مگر اب تم میری آئی کو بھی ساتھ لائی ہو۔“

اور پھر ان دونوں کو پیچھے دھکیل دیا گیا۔

روشی کا قد جولیا سے نکلتا ہوا تھا۔ اس لئے وہ پیچھے کھڑی رہ کر بھی سب کچھ دیکھ سکتی تھی۔ ورنہ اس کے آگے چار آدمی موجود تھے جن کی وجہ سے راہداری کی چوڑائی پر ہو گئی تھی۔ ان چاروں میں ایک یقینی طور پر عمران تھا۔

جو لوگ کمرے سے باہر راہداری میں آرہے تھے۔ وہ پھر اٹنے پاؤں کمرے میں چلے گئے۔ ان کے پیچھے ہی عمران کے ساتھی بھی گھسے جولیا تو پیچھے ہی رہی لیکن روشی کب ماننے والی تھی۔ عمران کے ساتھیوں کے پیچھے ہی وہ بھی کمرے میں داخل ہوئی۔

ان لوگوں نے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے تھے، جو پہلے ہی سے اس کمرے میں موجود تھے لیکن اب بھی ایک لاپرواہی سے کھڑا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ اوپر نہیں اٹھائے تھے۔ ان میں صرف یہی آدمی ایسا تھا جس نے اپنی شکل چھپانے کی کوشش کی تھی۔ اس کے سر سے پیر تک کسی قسم کا چست لباس تھا اور آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے جن سے آنکھیں بھی صاف نظر نہیں آتی تھیں۔

”تم تو ہاتھ اٹھانے سے رہے۔“ عمران نے اسے مخاطب کیا۔

”آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو۔“ اس نے پوچھا۔

”ہا۔۔۔ کیا یہ بات ابھی تک تم پر واضح ہی نہیں ہو سکی۔“

”ہمارا مطالبہ۔۔۔۔۔“

”کیسا مطالبہ۔۔۔۔۔“

”کیا اب تم سچ سچ اسی بات پر مجبور کرنا چاہتے ہو کہ تمہارا بھانڈا پھوڑ دیا جائے۔“

”پتہ نہیں تم کیا بک رہے ہو۔“

”لیونا دے گا سکر۔“ عمران مسکرایا۔

”تم یا گل ہو شاید۔“

”ان لوگوں کو باندھ لو۔“ عمران نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

لیکن ٹھیک اسی وقت گوریلا نما آدمی نے عمران پر چھلانگ لگائی اور وہ دونوں گتہ گئے۔ عمران کے دوسرے ساتھی ان آدمیوں کو باندھ رہے تھے جو اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے کھڑے تھے۔

”بد بختو۔“ گوریلا عمران سے گھٹا ہوا دھاڑا۔ ”لڑکر مر جاؤ۔ یہ لوگ وہ نہیں معلوم ہوتے جن کی ہمیں تلاش تھی۔ یہ دھوکا ہے۔“

لیکن بد بختوں نے ایک نہ سنی البتہ ان میں سے ایک نے بہت بُرے لہجے میں کہا۔ ”اگر ہمارے جسموں پر بلٹ پروف ہوتے تو ہم بھی لڑکر مر جاتے۔“

”بھئی۔۔۔۔۔ واہ۔“ عمران نے ہنس کر کہا۔ ”بڑی پیاری بات کہی ہے تم نے۔“

گوریلا اس فکر میں تھا کہ کسی طرح اس کے ہاتھ عمران کی گردن تک پہنچ جائیں اور عمران کو شش کر رہا تھا کہ اسے سر سے بلند کر کے بیچ دے۔ اسی اثنا میں گوریلا اسے ڈانچ دینے میں کامیاب ہو گیا۔ یعنی عمران اس دھوکے میں رہا کہ وہ اس پر جھپٹ پڑنے کی تیاری کر رہا ہے لیکن اس نے دروازے سے راہداری میں چھلانگ لگادی۔ عمران اس کے پیچھے جھپٹا روشی عمران کے پیچھے دوڑی۔

صحن میں پہنچ کر گوریلا ایک بار پھر عمران پر جھپٹ پڑا۔ عمران نے اس کا وار خالی دے کر کلاں پر ہاتھ ڈال دیا۔ صحن میں اندھیرا تھا۔ روشی کو صرف دھندلے دھندلے سے سائے نظر آرہے تھے۔ اچانک اسے اپنی ناریج یاد آئی بیگ سے ناریج نکال کر اس نے ان دونوں پر روشنی ڈالی۔

”آہا۔۔۔۔۔ یہ کون عقلمند ہے۔“ عمران بول پڑا۔

لیکن روشی کچھ نہ بولی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ آخر اس جدوجہد کا فیصلہ کیا ہوگا۔ اگر اس کے پاس اس کا ریو اور ہوتا تو وہ گوریلے پر بے دریغ فائر کر دیتی۔

ایک بار گوریلا عمران کو لے دوڑا پتہ نہیں حقیقتاً عمران کے پیر اکھڑ گئے تھے یا وہ کسی چکر میں

تھا۔ گوریلا اسے ریتا ہوا دیوار کی طرف لے جا رہا تھا۔

اچانک روشی چیخی ”پولیس۔۔۔۔۔“ اور گوریلے کے پیر لڑکھڑا گئے تھے بس اتنی لغزش کافی تھی

عمران اسے زمین سے اکھاڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ گوریلے کو سنبھلنے کی مہلت ہی نہ مل سکی۔

حالانکہ اس نے لنگڑ مارنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن عمران کہاں سے پھلے دیتا تھا۔ پہلے زور میں اسے سینے تک اٹھایا اور دوسرے زور میں سر سے اونچا کر کے زمین پر پٹخ دیا۔ گوریلے کی چیخ سنانے میں دور تک لہراتی چلی گئی اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن عمران اتنی دیر میں اس کے سینے پر سوار ہو چکا تھا۔ اس نے نقاب کے سوراخوں میں انگلیاں ٹھونستے ہوئے کہا۔

”چپ چاپ پڑے رہو۔ ورنہ تمہاری آنکھیں تو نہایت آسانی سے پھوڑی جاسکیں گی۔“

عمران نے اس کے چہرے پر بھی بلٹ پروف کی تختی محسوس کی گویا وہ سر سے پیر تک آہن پوش تھا۔ پھر عمران نے روشنی کی مدد سے اسے بے نقاب کر دیا۔ مغلوب بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ اب شاید اس میں مقابلے کی سکت ہی نہیں رہی تھی۔



روشنی کے لئے پہلا موقع تھا کہ ایک پورہ کیس اس کی آنکھوں کے سامنے نہپ گیا تھا۔ لیکن وہ حقائق سے بے خبر تھی۔ عمران نے ابھی تک اسے کچھ نہیں بتایا تھا۔ عمران تین دن تک غائب رہا ایک بار بھی اس کی شکل فلیٹ میں دکھائی نہیں دی سب سے زیادہ الجھن روشنی کو اس بات پر تھی کہ اتنے دھوم دھڑکے کا کیس اتنی خاموشی سے طے ہو گیا کہ کسی اخبار نے اس کے متعلق کوئی مبہم سی خبر بھی نہیں چھاپی تھی۔ وہ سوچتی آخر وہ سوٹ کیس اور انگشتری کیسی تھی۔ عمران کے قول کے مطابق بھاگ دوڑ اسی وقت شروع ہوئی تھی جب انگشتری منظر عام پر آئی تھی۔

جو تھے دن عمران اس حال میں فلیٹ میں داخل ہوا کہ شیو بڑھا ہوا تھا اور کریز غائب ہو جانے کی بناء پر پتلون پانچامہ معلوم ہو رہا تھا۔

وہ کرسی پر گر کر جوتے کا فیتہ کھولتا ہوا بولا۔ ”روشنی کیا ہوا؟ تمہیں یہ تمہارے چہرے پر ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں۔ آہا میں سمجھا! شاید اس کیس کی الجھن نے تمہارا معدہ بھی خراب کر دیا ہے۔“

”تم کہاں تھے۔“ روشنی نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

”میں جہاں تھا غلط تھا۔ میرا صحیح مصرف اب یہی ہو سکتا ہے کہ کسی قبر پر سجادہ نشین بن کر بیٹھ جاؤں۔“

”کیوں.... کیا ہوا؟“

”اگر وہ چوتھا آدمی نہ مل جاتا تو میں کہیں کا نہ رہتا کیونکہ وہ گوریلا مزدور تو کچھ گوریلا ہی ثابت ہوا۔ اس نے ابھی تک زبان نہیں کھولی۔ حالانکہ اس کے خلاف کافی ثبوت اکٹھے ہو چکے ہیں۔“

”اس کیس کا سر پیر بھی ہے کہیں۔“

”یہ کیس.... اچھا تو سنو! پچھلے سال ایک حکومت کا ایک قاصد کچھ انتہائی اہم کاغذات لے کر یہاں آنے کے لئے روانہ ہوا تھا وہ دراصل اس ملک کے محکمہ سرانجامی کا نامور آفیسر لیونادے گاسکر تھا۔ جو کاغذات وہ لا رہا تھا اگر کسی دشمن ملک کے ہاتھ لگ جاتے تو کوئی ملکوں کی ہائی لازمی تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے بہر حال وہ قاصد پراسرار طور پر لاپتہ ہو گیا۔ اس کے ملک سے صرف اتنی ہی نشاندہی ہو سکی تھی کہ اس کی بعض اشیاء پراثر دھے کی تصویریں بنی ہوئی تھیں اور انگشتری بھی اڑدھے کی شکل کی تھی۔ ظاہر ہے کہ جب ایسی چیزیں اچانک سامنے آئیں گی تو کیا ہوگا۔ تم جانتی ہی ہو کہ سوٹ کیس اور انگشتری کس طرح سامنے آئے۔ کیا یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ چیزیں دیدہ دانستہ سامنے لائی جا رہی ہیں۔ یہ چیز یقیناً چکرا دینے والی تھی۔ پھر جب تم نے فون پر اس لڑکی کا بیان دہرایا تو میرا نظریہ یکسر بدل گیا۔ مجھے سوچنا پڑا کہ ممکن ہے آر تھر اور اس کے ساتھی اصلی مجرموں کو بھی بلیک میل کرنے کی فکر میں رہے ہوں۔ یہی حقیقت بھی تھی۔ اصل مجرم جنہوں نے لیونادے گاسکر کو پکڑ کر قید کر رکھا ہے۔ گریٹم اسٹریٹ کی اس بوڑھی عورت سے بھی تعلق رکھتے تھے جس کے متعلق میں نے تمہیں فون پر بتایا تھا۔ انہوں نے وہ سوٹ کیس۔ انگشتری اور ایک سگریٹ کیس بوڑھی کے یہاں امانت رکھوائے تھے۔ تم کہو گی کہ انہیں وہ چیزیں تلف ہی کر دینی چاہئے تھیں لیکن یہ کہنا غلط ہو گا کیونکہ اس نے اسے محض تفریحاً تو پکڑا نہیں تھا۔ وہ اس فکر میں تھے کہ اسے اس کی تمام چیزوں اور کاغذات سمیت کسی دشمن ملک کے ہاتھ فروخت کر دیں۔ ظاہر ہے اس کے لئے انہیں ایک لمبی رقم ملتی کی طرح وہ تینوں چیزیں آر تھر اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھ لگ گئیں اور انہوں نے ان مجرموں کو بلیک میل کرنا شروع کر دیا۔ لیکن شاید مجرموں نے اس کا نوٹس ہی نہیں لیا۔ لہذا انہوں نے انہیں خوفزدہ کرنے کے لئے نئی چالیں چلیں۔ سوٹ کیس شارع عام پر پڑا گیا اور اس میں ایک نوزائیدہ بچے کی لاش تھی۔ مقصد صرف یہی تھا کہ لاش کے ویلے سے اس سوٹ کیس کی شہرت ہو جائے اور مجرم خوف زدہ ہو کر ان کے مطالبات پورے کرنے لگیں۔ وہ بلیک

میلر یہ بھی جانتے تھے کہ محکمہ سرانصرسانی حرکت میں آگیا ہے۔ لہذا انہوں نے سینٹ لارنر کالونی کی عمارت ڈیکن لاج میں جولیا کو یہی سمجھ کر قید کر دیا تھا کہ اس کا تعلق محکمہ سرانصرسانی سے ہے۔ وہ نہ تو اسے قید رکھنا چاہتے تھے اور نہ قتل کرنا چاہتے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ محکمہ سرانصرسانی اپنی جدوجہد تیز کر دے۔ لیکن دوسری طرف مجرم بھی کم نہیں تھے۔ انہوں نے آر تھر کا سر کاٹ کر میری کار میں ڈال دیا اور اس کے تین ساتھیوں کا بھی یہی حشر کیا۔ وہ بھی ار بلیک میلروں پر اپنی دھاک بٹھانا چاہتے تھے۔ مگر شاید انہیں ان کی تعداد کا صحیح علم نہیں تھا۔

میں ایک رات آر تھر کے مکان کی تلاشی لینے کی نیت سے وہاں گیا اور وہاں جو کچھ بھی تھا اس کی اطلاع میں نے تمہیں فون پر دی تھی۔ بہر حال وہاں مجھے ایک ایسا خط ملا جس نے گریڈ اسٹریٹ کی تیرہویں عمارت تک رہنمائی کی اور پھر اس بوڑھی عورت سے ملنے کے بعد میں اندازہ لگایا کہ وہ عمارت مجرموں کا ڈھ ہے۔ بوڑھی پر میں نے ظاہر کیا کہ میں بھی آر تھر کے گروہ سے تعلق رکھتا ہوں۔ اس کے بعد میرا یہ شبہ یقین سے بدل گیا کہ مجرم اس عمارت سے کچھ کچھ تعلق رکھتے تھے۔ بہر حال وہ میرے پیچھے لگ گئے اور میں نے انہیں جال میں پھانسنے کے لیے وہی عمارت ڈیکن لاج استعمال کی جسے بلیک میلر استعمال کر چکے تھے۔ مجرموں کے گروہ کے آدمی میرا تعاقب کرتے ہوئے عمارت میں داخل ہوئے اور میں نے دونوں کی مرمت کر دی ان میں سے ایک کو ایسے کمرے میں بند کیا جس سے وہ باآسانی فرار ہو سکے، یہی ہوا۔ اس نے دہا سے فرار ہو کر گوریلے کو حالات سے مطلع کیا اور پھر وہ سب ڈیکن لاج پر چڑھ دوڑے۔ جو بیچاری یہ سمجھتی تھی کہ میں تنہا ہوں۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ میرے دوسرے ماتحت بھی اکیلے میں شریک ہو گئے تھے۔“

”لیکن لیونادے گا سر کا کیا ہوا۔ تم کہتے ہو، گوریلانے زبان نہیں کھولی۔“ روشی نے کہا۔

”آر تھر کا وہ ساتھی جو بیچ گیا تھا اس سلسلے میں کارآمد ثابت ہوا۔ اسی سے تو یہ داستان معلوم ہوئی ہے۔ پچھلے دنوں سے میں اس کی تلاش میں بھٹکتا پھرا ہوں۔ اسے وہ جگہ معلوم تھی جہاں قید تھا۔ لیکن وہ لوگ تو صرف مجرموں کو بلیک میل کر کے ان سے لمبی لمبی رقومات ایٹھنا چاہتے تھے۔ خود لیونانان کے لئے کوئی وقعت نہیں رکھتا تھا۔“

”آر تھر اس بوڑھی عورت کو کیوں بلیک میل کر رہا تھا۔“

”یہ میں کسی کو بھی نہیں بتا سکتا۔ بس وہ اسے بلیک میل کر رہا تھا۔ مگر صرف اس لڑکی کے لئے۔ لڑکی بھی خاموشی سے برباد ہوتی رہی کیونکہ وہ مفلسی سے ڈرتی تھی وہ جانتی تھی کہ اگر جائیداد ہاتھ سے نکل گئی تو انہیں فاقے کرنے پڑیں گے۔ لیکن یہ قصہ اس لئے نہیں اٹھایا گیا تھا کہ وہ غیر قانونی لڑکا کسی موقع پر استعمال کیا جائے یہ تو محض اتفاق تھا کہ آر تھر سنسنی پھیلانے کے لئے اسی کو استعمال کر بیٹھا تھا۔ ورنہ جب لڑکی سے اس کے تعلقات ہوئے تھے اس وقت لیونا گا سر کا قصہ اس کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا۔“

”بھروسہ“ روشی ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”اگر مجرموں نے آر تھر کا سر تمہاری کار میں ڈالا تھا تو وہ تمہیں پہچانتے بھی رہے ہوں گے۔“

”یہ کیسے ممکن ہے اگر یہ بات ہوتی تو بعد کو میرے جال میں کیسے پھنس جاتے۔ جب کہ میں اس بوڑھی عورت سے میک اپ میں نہیں ملا تھا اگر انہوں نے مجھے اس دن عمارت میں دیکھ لیا ہو تا جب آر تھر کا سر کار میں ڈالا تھا تو وہ ہرگز میرے جال میں نہ پھنستے۔“

روشی کچھ سوچنے لگی اور عمران نے ستر اٹھالیا۔ لیکن روشی نے دوسرے ہی لمحے میں اسے جھین کر کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔

﴿تمام شد﴾

## پیشرس

لیجئے پھر وہی پیشرس کی مصیبت۔ میں کہتا ہوں ناول لکھنا بہت آسان کام ہے۔ لیکن پیشرس لکھنا بہت مشکل ہے۔ پیشرس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس میں اسی ناول کے متعلق باتیں کی جائیں جس کا وہ پیشرس ہے۔ لیکن میں ناول کے متعلق کیا عرض کروں یہ تو اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب میں خود ہی اپنے ناول کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا کر آخر میں ”ابن صفی“ تفضل حسین لکھ دوں اور اگر اللہ زیادہ توفیق دے تو اس میں ”ایم اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی (ہنالولو) کا اضافہ بھی کر دوں اور آپ کہیں آہا کیا چیز ہے۔ یہ ابن صفی بھی کہ اتنے اونچے اونچے تفضل حسین اس کا لوہا نہیں بلکہ فولاد بانٹتے ہیں۔

کہئے کیا خیال ہے یہی شروع کر دوں اگلے ناول سے؟  
خیر اسے پھر سوچیں گے۔ عمران سیریز کے جوہلی نمبر کے متعلق سنئے۔ اس کے اعلان کے بعد سے اب تک لا تعداد خطوط آئے ہیں۔ جن میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ اسے سائنس فکشن ہونا چاہئے۔

## رائی کا پر بت

(مکمل ناول)

مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے جب کہ آج کل سائنس فکشن ہی کا رواج زیادہ ہے۔ کیا کیا جائے آپ کو اسی میں لطف آتا ہے کہ ایک مرغی نے انڈا دیا اور انڈا زمین پر گرتے ہی شق ہوا اور اس میں سے ایک بچہ نکل آیا اور اس بچے نے آن واحد میں جوان ہو کر ”ککڑوں کوں“ اسٹارٹ کر دی۔ بات کیا تھی؟ مرغی نے تفریحا ایک ایٹم نکل لیا تھا۔ یہ ایٹمی پڑیا ایسی ہاتھ لگی ہے کہ اس نے طلسم ہو شرابا کے ”نارنج و ترنج“ کے منہ بھی پھیر دیئے ہیں.... ہاں جناب اگر میں صحیح معنوں میں کوئی سائنس فکشن پیش کر دوں تو آپ بور ہو کر کتاب اپنے سر پر مار لیں گے.... میرا دعویٰ ہے.... ویسے تو میں نے بھی بندروں کے بن مانس بنائے ہیں اور آپ نے خوب خوب تالیاں پیٹی ہیں لیکن ”موت کی چٹان“ میں میں نے جہاں اس کے امکانات پر بحث کی ہے اگر وہ مختصر نہ ہوتی تو آپ کو ہائی بلڈ پریشر ہو جاتا۔

خیر جیسی آپ کی مرضی آپ جو کچھ بھی لکھوائیں گے لکھ دوں گا۔ لیکن میں یہ کبھی نہ چاہوں گا کہ آپ بور ہو کر کتاب اپنے سر پر مار لیں۔

اب اجازت دیجئے۔

اب

۱۸ ستمبر ۱۹۵۷ء



وہ دونوں وحشی درندوں کی طرح ایک دوسرے پر جھپٹ رہے تھے۔ ان کے جسموں پر لباس کے بجائے پتھروں جھول رہے تھے.... اور دونوں کے ہونٹ ایک دوسرے کے لہو سے سرخ تھے۔ جسے بھی موقع ملتا دوسرے کے جسم پر منہ ضرور مارتا تھا اور دوسرا درد کی شدت سے بلہلا کر اس سے زیادہ درندگی کا مظاہرہ کرتا۔ اسی طرح وہ ایک دوسرے کا گوشت نوچتے رہے۔ ان کے سروں اور ڈاڑھیوں کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے۔

یہ جدوجہد کافی دیر سے جاری تھی۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی دوسرے کو زیر نہیں کر سکا تھا۔ ان کی رائفلیں قریب ہی پڑی تھیں۔ اکثر وہ لڑتے لڑتے رائفلوں کی طرف بھی ہاتھ بڑھانا چاہتے لیکن کامیابی نہ ہوتی۔

ان کے چاروں طرف اونچی اونچی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں اور تھوڑے ہی فاصلے پر ایک تیز نالہ پتھروں سے ٹکرا کر جھاگ اڑاتا ہوا بہہ رہا تھا۔

ان کے سروں پر دو عقاب منڈلا رہے تھے کبھی کبھی ان عقابوں کی تیز چٹیں دور تک سنائے میں لہراتی چلی جاتیں۔

وہ خونخوار کتوں کی طرح غراتے ہوئے ایک دوسرے کو بھنبھوڑتے رہے۔ پہاڑی نالہ چٹانوں کو بھنبھوڑتا ہوا بہتا رہا اور عقاب فضا میں چیختے رہے۔



دفتان میں سے ایک لڑکھڑا کر گرا۔ اور دوسرے نے جھپٹ کر را نقل اٹھالی۔ پھر گرے ہوئے آدمی کو اٹھنے کی مہلت نہ مل سکی۔ البتہ اس کی چیخیں فضا میں گونجتی رہیں۔ دوسرا آدمی اس کے سر پر پاگلوں کی طرح را نقل کا کندہ مار رہا تھا۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس را نقل کے کندے سے کوئی چٹان توڑنے کی کوشش کر رہا ہو۔ ذرا ہی سی دیر میں گرے ہوئے آدمی کا چہرہ گوشت کالو تھڑا ہو کر رہ گیا۔ وہ پتہ نہیں کب کا ٹھنڈا ہو چکا تھا لیکن اب بھی را نقل کا کندہ اسی زور و شور کے ساتھ اس کا لہو چاٹ رہا تھا۔

آخر کار دوسرا وحشی بھی را نقل پھینک اس طرح گر پڑا جیسے کھڑے رہنے کی بھی سکت نہ رہ گئی ہو۔

پہاڑی نالہ اب بھی انہیں ہنگامہ خیزیوں کے ساتھ بہ رہا تھا اور عقاب فضا میں چکرارہے تھے۔

دوسرا آدمی ایک چٹان پر پڑا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے پھٹی ہوئی آستین سے اپنے ہونٹ صاف کئے اور اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کے ہاتھ زمین پر ٹکے ہوئے کانپ رہے تھے۔ وہ بدقت تمام اٹھا اور لاش کی تلاشی لینے لگا۔

دفتان اس کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی۔ اسے خوشی کا نعرہ ہی کہا جاسکتا تھا۔ مگر شاید اس میں ایک کراہ بھی شامل تھی۔

وہ ہینٹل کی اس ننھی سی توپ کو ہتھیلی پر رکھے حیرت سے دیکھ رہا تھا جو مرنے والے کے شکستہ کوٹ کی جیب سے برآمد ہوئی تھی۔ اس توپ کی لمبائی زیادہ سے زیادہ تین انچ رہی ہوگی۔

وہ اسے اس انداز سے دیکھ رہا تھا جیسے کسی بہت بڑے خزانے کی کنجی ہاتھ آگئی ہو۔ شاید وہ بے حد خوش تھا اتنا خوش کہ اپنے جسم کے زخم بھی یاد نہ رہے تھے۔ وہ تھکن بھی یاد نہیں رہی تھی جس نے کچھ دیر پہلے اسے زمین سے اٹھنے نہیں دیا تھا۔

توپ اس نے اپنے پھٹے ہوئے کوٹ کی جیب میں ڈالی اور لاش کو کھینچتا ہوا نالے کی طرف لے جانے لگا۔ مگر کچھ دور چلنے کے بعد رک گیا۔ اس کی آنکھوں میں تفکر کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ .... توڑی دیر بعد وہ لاش کو وہیں چھوڑ کر نالے کی طرف جا رہا تھا۔

تقریباً چندہ بیس منٹ تک وہ اپنے چہرے پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دیتا رہا۔ اب اسے صحیح

معنوں میں تھکن محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے پیاس بھر پانی پی لیا تو اپنی جگہ سے ہلا بھی نہ جائے گا۔

وہ اٹھا اور ایک طرف چل پڑا۔ اس کی را نقل کا ندھے سے لٹک رہی تھی۔ وہ چل تو رہا تھا مگر چال میں ایسی لڑکھڑاہٹ تھی جیسے برسوں صاحب فراش رہنے کے بعد آزمائشی طور پر چلنے کی کوشش کر رہا ہو۔ وہ لڑائی ایسی ہی تھی جس نے اس کے کس بل نکال دیے تھے۔ جدوجہد کے دوران میں اسے یقین نہیں تھا کہ وہ حریف پر غالب آجائے گا۔ لیکن وہ اتفاقاً ٹھوکر کھا کر گرا تھا اور پھر اس نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ وہ اب بھی اس کی قوت یاد کر کے کانپ جاتا تھا وہ چلتے چلتے ایک غار کے سامنے رکا۔

یہیں سے اس جنگ کا آغاز ہوا تھا۔ حریف نے اسی غار کے دہانے سے لٹاکا رہا تھا اور یہ لٹاکا بھی عجیب تھی۔ وہ ”پرہت۔ پرہت“ چیخ رہا تھا اور پھر اس کے بعد اس نے اس کی زبان سے کوئی دوسرا لفظ نہیں سنا تھا۔ وہ خاموشی سے لڑتا رہا تھا اور خاموشی ہی سے مر گیا تھا۔ لٹاکا نے کے بعد اس نے اس پر فائر کیا تھا۔ لیکن وہ بھی اناڑی نہیں تھا۔ بچ ہی گیا۔ پھر دونوں چٹانوں کی اوٹ لے کر کافی دیر تک ایک دوسرے پر فائر کرتے رہے تھے۔ یہ پسپا ہوتا رہا تھا اور وہ اس کا تعاقب کرتا ہوا اس جگہ آپہنچا تھا جہاں دونوں دست بدست جنگ پر مجبور ہو گئے تھے کیونکہ دونوں ہی کے راؤنڈز ختم ہو گئے تھے۔

فاتح غار کے دہانے پر کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ پھر اندر داخل ہو گیا۔ چاروں طرف تاریکی تھی۔ پتہ نہیں حقیقتاً تاریکی تھی یا اندھیرے کی عادی نہ ہونے کی بناء پر آنکھوں نے تھوڑی سی دھندلاہٹ کو بھی تاریکی میں تبدیل کر دیا تھا اس نے جیب سے دیا سلائی نکال کر جلائی، ہلکی سی روشنی تھوڑی دور تک پھیلی پھر وہ دیا سلائیاں کھینچتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

آخر ایک جگہ اسے رک ہی جانا پڑا کیونکہ اسے یہاں کھانے پینے کے کچھ برتن نظر آئے تھے وہیں ایک آئیل سٹو بھی تھا اور پتھر کے بڑے ٹکڑے پر مومی شمع نظر آرہی تھی۔ اس نے اسے روشن کر دیا اب وہ باسانی گرد و پیش کا جائزہ لے سکتا تھا۔ ایک گوشے میں ایک گٹھری سی نظر آئی۔ اس نے آگے بڑھ کر اسے کھول ڈالا۔ اس میں دو تین قمیضیں تھیں ایک ڈبہ تمباکو کا تھا اور کچھ کاغذات۔ کاغذات کو اس نے الٹ پلٹ کر دیکھا اور اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ٹھونس لیا۔

قسم کے ٹرانسمیٹر میں سنی جاسکتی تھی۔

جولیا دن بھر ٹینٹ میں گھسی بیٹھی رہتی اور اس کے دوسرے ساتھی چڑھائی پر شکار کھیلتے پھرتے۔ انہوں نے بھی سوچا تھا چلو اچھا ہی ہے فرصت کا جو لمحہ ہاتھ آئے غنیمت ہے انہیں اس کی قطعی پرواہ نہیں تھی کہ ان کے یہاں آنے کا اصل مقصد کیا تھا۔

البتہ جولیا نا الجھن میں مبتلا تھی۔ الجھن دذا جمل اس بات کی تھی کہ دوسرے شکاری اسے دیکھ کر ہنستے تھے کیونکہ اس کی پوزیشن مضحکہ خیز بھی تھی۔ پانچ مردوں میں ایک عورت جولیا اپنے لئے ان کی طنز آمیز مسکراہٹ دیکھتی اور دل ہی دل میں کباب ہوتی رہتی۔ یہی وجہ تھی کہ اسے اسی خیمے تک محدود ہو جانا پڑا تھا۔ ورنہ جھرگ نار کی فضا ایسی نہیں تھی کہ کوئی گوشہ نشین ہو سکتا۔ باہر زندگی اپنی تمام رعنائیوں سمیت رواں دواں تھی۔ لیکن جولیا خود کو برسوں کی بیمار محسوس کرنے لگی تھی۔ خواہ مخواہ احساس کمتری....! وہ سوچ رہی تھی کہ آخر اسے یہاں بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔

وہ خیمے کے دروازے کے قریب آکر کھڑی ہو گئی۔ باہر حد نظر تک ہرے بھرے درخت نظر آرہے تھے اور ان کی چوٹیوں پر چیلیں منڈلا رہی تھیں۔

دفعتاً ایک گوشے میں رکھے ہوئے ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا اور جولیا خیمے کے در کا پردہ گرا کر اس کی طرف جھپٹی.... بڑی تیزی سے ہیڈ فون کانوں پر فٹ کئے۔

”ہیلو... جولیا... جولیا...!“ آواز آرہی تھی۔ ”ٹو تھری فور... جولیا... ہیلو... جولیا!“

”جولیا اسپیکنگ“ جولیا نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔

”ایکس ٹو۔“

”ہیل سر“

”یہ بہت بُری بات ہے کہ تم اس خیمے میں قید ہو کر رہ گئی ہو۔“

جولیا کا پارہ آسمان سے باتیں کرنے لگا۔ اس نے دانت پیس کر کہا۔ ”میں اسی خیمے میں دفن ہونا چاہتی ہوں۔“

”ہاں اتنی دور.... تمہیں اپنی یہ خواہش یہیں ظاہر کرنی تھی۔“ ایکس ٹو کا لہجہ بہت سرد تھا۔

”میں یہاں لوگوں سے آنکھیں ملاتی ہوئی شرماتی ہوں وہ مجھ پر ہنستے ہیں۔ مجھے حقیر سمجھتے

پھر غار میں جہاں جہاں بھی پیر جمانے کی جگہ نظر آئی اس نے اس کا جائزہ ضرور لیا۔ کچھ دیر بعد وہ اس غار سے نکل کر ایک طرف چل پڑا۔



جھرگ نار کی شکار گاہ آج کل کافی آباد تھی، جگہ جگہ خیمے ایستادہ نظر آتے تھے اور اکثر مختلف قسم کے سازوں کی آوازیں ان سے بلند ہونے لگتی تھیں۔ بعض شکاریوں کے پاس ریڈیو سیٹ بھی تھے۔

جھرگ نار کے جنگل میں آج کل ہر وقت منگل رہتا تھا۔ ادھر ترائی میں تو ہر وقت فضا میں نعمات اور قہقہے چکراتے رہتے۔ لیکن شمال کی جانب چڑھائی پر دن بھر رانفلوں کی آوازیں گونجتی رہتیں۔ نیچے اتنے زیادہ گھنے جنگل نہیں ہیں جتنے چڑھائی پر ملتے ہیں۔ جتنی زیادہ بلندی پر جائیے اتنے ہی زیادہ دشوار گزار جنگلوں سے سابقہ پڑتا ہے۔

جھرگ نار تو بڑی پُر فضا جگہ ہے۔ ہر وقت سرد ہوا چلتی رہتی ہے اور طبیعت اتنی ہلکی رہتی ہے جیسے پیسپھر دوں کو عرصہ سے ایسی ہی ہوا کی تلاش رہی ہو۔ اس میں جنگلی پھولوں کی بھینی بھینی سی مہک بھی شامل ہوتی ہے۔ یہاں اکثر من چلے شکاری اپنے ساتھ عورتیں بھی لاتے ہیں۔

لیکن جولیا نا فتنہ واٹر کسی مچلے شکاری کی محبوبہ نہ ہوتے ہوئے بھی آئی تھی۔ ایک خیمے میں فروکش تھی اور اس کے خیمے کے گرد سیکرٹ سروس کے دوسرے ممبروں کے خیمے تھے۔ ان میں سے صرف صفدر غائب تھا۔

یہاں ان کی آمد کا مقصد سیر و شکار تو قطعی نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ وہ ایکس ٹو کے حکم سے یہاں آئے تھے۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ اس نے انہیں وہاں شکار ہی کھیلنے کا مشورہ دیا ہو۔ بہر حال انہیں اس وقت تک جھرگ نار میں مقیم رہنا تھا جب تک کہ ایکس ٹو واپسی کا حکم نہ دیتا۔

جولیا الجھن میں تھی وہ دن میں کئی بار ٹرانسمیٹر پر ایکس ٹو سے گفتگو کرتی لیکن وہ صرف ان لوگوں کی خیریت پوچھتا تھا اور خوش رہنے کا مشورہ دے کر سلسلہ گفتگو منقطع کر دیتا تھا۔

ان کے پاس مخصوص ساخت کے ٹرانسمیٹر تھے جن سے منتشر ہونے والی آواز صرف اسی

ہیں۔

”کیوں۔“

”کیا آپ نہیں جانتے کہ یہاں کیسی عورتیں آتی ہیں۔“

”میں جانتا ہوں۔ پھر۔“

”مجھے یہ پسند نہیں ہے۔“

”اچھا۔۔۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”کیا تم ہالینڈ کی ملکہ بننا پسند کرو گی۔“

”میرا مضحکہ نہ اڑائیے جناب۔“

”جولیا! اگر تمہیں یہ ملازمت پسند نہیں ہے تو میں ہر وقت تمہارے استغنے کا استقبال کرنے

کو تیار ہوں۔“

جولیا پھر دانت پیس کر رہ گئی۔

”ہیلو۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”لیس سر۔“

”میں نے کیا کہا ہے۔“

”کیا آپ نہیں سوچ سکتے کہ میں کس پوزیشن میں ہوں۔“

”تم بہت اچھی پوزیشن میں ہو۔ سوائے اس کے کہ کچھ لوگ تمہارے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ غلط فہمی میں مبتلا رہیں۔ کیونکہ تمہیں اسی حیثیت سے ایک کام کرنا ہے۔“

”اسی حیثیت سے۔“ جولیا کی آواز کانپ گئی۔

”ہاں اسی حیثیت۔ مجھے دراصل اپنے ماتحتوں میں ایک ایسی عورت کی ضرورت تھی جو بظاہر عورت لیکن باطن مرد ہو۔ کیا میں سمجھ لوں کہ میرا انتخاب غلط تھا۔“

”نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ ٹھہریے۔ مجھے کیا کرنا ہو گا۔“

”فی الحال تم خیمے سے باہر نکلو۔ دوسروں سے الگ تھلگ رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پچھلی رات جب ایک شکاری نے اپنے جلے میں تم سب کو مدعو کیا تھا تو تم وہاں نہیں گئیں تھیں۔“

”جی ہاں! میں نہیں گئی تھی۔“

”اب تم جاؤ گی۔ سمجھیں! کیا تم خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتیں۔“

”کر سکتی ہوں۔“

”پھر اس کی پروا نہ کرو کہ لوگ تمہیں کیا سمجھتے ہیں۔ ہمیشہ اس پر نظر رکھو کہ تم کیا ہو۔ کیا میرے دوسرے ماتحتوں تک تم ہی پیغامات نہیں پہنچاتیں اب وہاں بھی تم ہی ان کی انچارج ہو۔“

جولیا کچھ نہ بولی۔

”ہیلو۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”لیس سر۔“

”مجھے توقع ہے کہ اب تم خیمے ہی تک محدود نہ رہو گی۔“

جولیا کے حلق سے بھرائی ہوئی آواز نکلی پتہ نہیں اس نے ”ہاں“ کہا تھا یا ”نہیں۔“

بہر حال دوسری طرف سے آواز آنی بند ہو گئی۔



بلیک زیرو بھی جھرگ مار ہی میں مقیم تھا۔ لیکن سیکرٹ سروس کے ممبر اس کی شخصیت سے واقف نہیں تھے۔ اسے صرف عمران ہی جانتا تھا اور بلیک زیرو بھی جانتا تھا کہ ایکس ٹوکون ہے۔

شکار گاہ میں وہ تہا تھا لیکن اس نے اپنا خیمہ دوسروں سے الگ نصب نہیں کیا تھا۔ وہ دوسرے شکاریوں سے ملتا جلتا بھی تھا اور ان کی محبوباؤں کو ایسی نظروں سے دیکھتا تھا جیسے اسے اپنی تہائی پر رونا آ رہا ہو۔ لیکن وہ ایک شاندار ایکٹر تھا۔۔۔ بعض اوقات اس کی اداکاری بھی حقیقت ہی معلوم ہونے لگتی تھی۔ ورنہ وہ اگر عورتوں کا شائق ہوتا تو عمران کی نظر انتخاب اس پر ہرگز نہ پڑتی۔

اس وقت وہ آج کے شکار کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا۔ اس نے خیمے کے در کا پردہ گردایا اور کانوں پر ہیڈ فون چڑھاتا ہوا بولا۔

”ہیلو۔“

”بلیک زیرو۔“ دوسری طرف سے آواز آئی اور اس نے آواز پہچان لی۔ دوسری طرف سے بولنے والا عمران ہی تھا۔

”بلیک زیرو۔“ دوسری طرف سے پھر کہا گیا۔

ساتھ شیونگ کا سامان اور ایک عدد سوٹ مع قمیض بھی لے جائے۔ لیکن اس کی غرض و غایت نہیں بتائی گئی تھی۔ خاور ایکس ٹو کے احکام کی تعمیل بے چوں و چرا کرتا تھا۔۔۔ اور اس کی خواہش تھی کہ اس کے دوسرے ساتھی بھی یہی کیا کریں وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے ایکس ٹو کے اس حکم کا تذکرہ ان سے کر دیا تو وہ سب مل کر اس کا دماغ چاٹ ڈالیں گے اور کام کا وقت قیاس آرائیوں کی نذر ہو جائے گا لہذا وہ صرف انہیں نالے کے موڑ کی طرف لے جا رہا تھا۔ اس نے خیال ظاہر کیا تھا کہ ادھر چیتل بکثرت ملتے ہیں۔ لہذا آج ادھر بھی دیکھا جائے۔

وہ نالے کے موڑ پر پہنچ کر رک گئے۔ یہ بھی بڑا عجیب و غریب خطہ تھا۔ نالے کے موڑ سے جنگلوں کا سلسلہ اس طرح غائب ہو گیا تھا جیسے کسی رنگین کپڑے میں سفید پیوند لگا دیا جائے۔ نالے کی دوسری جانب خشک اور بھورے رنگ کی دشوار گزار پہاڑیاں تھیں اور ان کا سلسلہ شمال مشرق میں صداً میل تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ گویا وہ نالہ ہرے بھرے پہاڑوں اور خشک پہاڑوں کے درمیان ایک قدرتی حد بنا تھا۔

”خاور۔۔۔“ تنویر نے اسے مخاطب کیا۔ ”کیا تم اس نالے کا پانی پینے کیلئے یہاں آئے تھے۔“

”کیا مطلب۔“

”یہاں شکار کہاں ہے۔“

”اوہ۔۔۔ اوہ“ خاور نے پھسکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”میں نے سوچا تھا ممکن ہے چیتل یہاں پانی پینے کے لئے آتے ہوں۔“

تنویر نے اس طرح آنکھیں پھاڑ کر خاور کی طرف دیکھا جیسے اپنے کانوں پر اعتبار نہ ہو۔ جیسے خاور کا دماغ خراب ہو گیا ہو۔ کیونکہ اس کی زبان سے اس قسم کے بچکانہ جملے غیر متوقع تھے۔ خاور عام حالات میں ایک سنجیدہ اور فلسفی قسم کا آدمی ثابت ہوتا تھا اس لئے اس کا یہ جملہ اس کے ساتھیوں نے حیرت سے سنا۔

”تم اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو مجھے۔“ خاور نے ہنس کر کہا۔

”کچھ نہیں۔“ تنویر بدستور اسے گھورتا ہوا بولا۔ ”تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو۔“

”اگر ہم کچھ دیر یہاں بیٹھیں تو کیا حرج ہے۔“ خاور نے کہا۔

”نہیں ہم یہاں نہیں بیٹھیں گے۔“

”لیس سر۔ بلیک زیرو اسپیکنگ۔“

”میں بھی اپنی سیکرٹری سمیت آرہا ہوں۔ ایک خیمے کا انتظام کرو۔“

”بہت بہتر جناب۔“ بلیک زیرو خوش ہو کر بولا۔ ”ابھی ٹھیکیدار کے پاس بہت سے خیمے فالتو ہیں۔ مگر آپ کب تشریف لارہے ہیں۔“

”کل شام تک پہنچ جاؤں گا۔“

”بہت بہتر جناب۔ میں ابھی تک ان لوگوں کو نہیں پہچان سکا۔“

”فکر مت کرو۔“ دوسری طرف سے کہا گیا اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

بلیک زیرو حقیقتاً خوش نظر آرہا تھا۔ اس نے اب شکار پر جانا ملتوی کر دیا وہ آج ہی عمران کے لئے خیمہ نصب کر دینا چاہتا تھا۔

یہاں خیمے بہت آسانی سے مل جاتے تھے شکار کے سیزن میں جنگلات کے ٹھیکیداروں کو خیمے کرائے پر دینے کے سلسلہ میں خاصی آمدنی ہو جاتی تھی۔ اس لئے شکار کا سیزن شروع ہوتے ہی وہ یہاں خیمے اسٹاک کرنے لگتے تھے۔



تنویر، چوہان، کیپٹن خاور، لیفٹیننٹ صدیقی اور سارجنٹ نعمانی ساتھ ہی شکار کے لئے نکلے تھے۔ خاور کے علاوہ اور سب بہت اچھے موڈ میں تھے اور خوب چمک رہے تھے۔ خاور کا موڈ بھی خراب تو نہیں کہا جاسکتا تھا مگر وہ خاموش تھا۔ کبھی کبھی ان کی طرف بھی متوجہ ہو جاتا تھا اور اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آنے لگتی۔ اس کے ساتھیوں کو اس خاموشی پر حیرت بھی نہیں تھی کیونکہ خاور ویسے بھی کم سخن آدمی تھا۔

مگر اس وقت تو وہ الجھن ہی میں تھا۔ خاموشی کی وجہ اس کی کم بخنی نہیں تھی۔

جب وہ شکار کے لئے تیاری کر رہا تھا تو اسے ٹرانسمیٹر پر ایکس ٹو کا ایک پراسرار پیغام ملا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ آج اپنے ساتھیوں کو شکار کے لئے ایک مخصوص مقام پر لے جائے۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں ایک پہاڑی نالہ شمال مشرق کی پہاڑیوں سے آکر جھرگ ناری کی طرف مڑا تھا۔ خیر یہ تو کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ سب سے زیادہ حیرت انگیز ہدایت یہ تھی کہ خاور اپنے

”تمہاری مرضی۔“ خاور لا پر دائی سے بولا۔ ”میں تو بیٹھوں گا۔“

”آخر بات کیا ہے۔“ چوہان نے پوچھا۔

”ایکس ٹوکا حکم۔“

تنویر نے ایک طویل سانس لی اور براہِ سامنہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ پھر کچھ دیر بعد فحیلے لہجے میں بولا۔ ”ہم لوگ بالکل کتے کے پلوں کی طرح اس کے پیچھے دم ہلاتے ہوئے چل رہے ہیں۔“

”آفسر ہی ٹھہرا۔“ خاور کا جواب تھا۔

”آفسر۔“ تنویر ذانت پیس کر رہ گیا۔

”کیوں کیا تمہیں اس کے آفسر ہونے سے انکار ہے۔“ خاور مسکرایا۔

”وہ آفسر سے بھی زیادہ کچھ اور ہے۔“ تنویر نفرت انگیز لہجے میں بولا۔ ”کوئی بُری روح جو ہم سے چٹ گئی ہے۔“

”جعفری اور ناشاد کا پیچھا تو چھوٹ گیا اس بُری روح سے“ خاور نے کہا۔ ”تم اگر چاہو تو تم بھی گلو خلاصی کر سکتے ہو۔“

”یاد تم نہیں سمجھتے۔“ چوہان آنکھ مار کر بولا۔ ”یہ سو فیصدی جولیا کا قصہ ہے۔“

”بے کار بکواس مت کرو۔“ تنویر چڑ گیا۔

”اگر تم....“ چوہان خاور سے کہتا رہا۔ ”کسی عورت کے چکر میں پڑ جاؤ لیکن عورت کسی اور کے چکر میں ہو تو اس کسی اور کے لئے تمہارے پاس گالیوں کے علاوہ اور کیا ہو گا۔“

”آہا.... وہ ایکس ٹوکے چکر میں ہے۔“ خاور مسکرایا۔

”سو فیصدی۔“ چوہان نے کہا۔ ”وہ اسی فکر میں رہا کرتی ہے کہ کسی طرح ایکس ٹوک کی شخصیت سے واقف ہو جائے۔“

”تم نہیں بند کرو گے بکواس۔“ تنویر کو باقاعدہ طور پر غصہ آ گیا۔

”اوہو۔“ یک بیک خاور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

سامنے کے ایک تنگ سے درے سے ایک شکستہ حال آدمی لنگراتا ہوا نکلا تھا اور ہاتھ ہلاتا ہوا ان کی طرف آ رہا تھا۔ اس کے جسم پر لباس کی بجائے چھتڑے جھول رہے تھے کاندھے سے

راکتھ لٹکی ہوئی تھی۔ سر اور ڈاڑھی کے بال اس طرح بڑھائے ہوئے تھے کہ وہ پتھر کے زمانے کا کوئی آدمی معلوم ہوتا تھا۔

نالے کے کنارے پہنچ کر اس نے شانے سے راکٹھ اتار دی اور اس کا کندہ پانی میں ڈال دیا۔ پھر وہ اسی طرح گہرائی کا اندازہ کرتا ہوا نالا پار کرنے لگا۔ کبھی کبھی اس کے قدم لڑکھڑا بھی جاتے تھے۔ لیکن وہ کسی نہ کسی طرح سنبھل ہی جاتا تھا۔

”اوہ۔ ارے....“ دفعتاً خاور بولا۔ ”یہ تو صفدر ہے۔“

ساتھ ہی وہ نالے کی طرف جھپٹا اور اسے سہارا دینے کے لئے پانی میں اتر گیا۔ یہاں بہاؤ میں زور نہیں تھا۔ ورنہ شاید صفدر ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکتا۔

وہ خاور کا سہارا لے کر بڑبڑایا۔ ”مجھے مضبوطی سے پکڑو اب مجھ میں سکت نہیں رہ گئی۔ میں بہت تھک گیا ہوں۔“

”تم اپنا بوجھ مجھ پر ڈال دو.... بالکل فکر نہ کرو۔“ خاور نے نرم لہجے میں کہا۔

وہ اسے کنارے لایا اور صفدر بے دم ہو کر زمین پر گر گیا۔ اس کا جسم بخار کی شدت سے تپ رہا تھا۔ وہ سب اس کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ انہیں اسے اس حال میں دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کیونکہ انہیں یہ معلوم تھا کہ صفدر دو ماہ کی رخصت پر ہے۔ آج سے ایک ماہ پہلے اس نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

”مگر مجھے ایکس ٹونے یہ نہیں بتایا تھا کہ میں کپڑے کیوں لے جاؤں۔“ خاور بڑبڑایا۔ ”شیونگ کا سامان کیوں لے جاؤں۔ بس یہ کہا تھا کہ تم لوگ اس وقت تک وہاں ٹھہرنا جب تک کوئی خاص واقعہ پیش نہ آجائے۔ اگر میں پہلے ہی تم لوگوں کو اس سے آگاہ کر دیتا تو تم یہی سمجھتے کہ میں مذاق کر رہا ہوں یا میرا دماغ الٹ گیا ہے۔“

کوئی کچھ نہ بولا وہ سب صفدر کو تشویش کن نظروں سے دیکھ رہے تھے اور صفدر آنکھیں بند کر کے گہری سانس لے رہا تھا۔

”اُسے اٹھاؤ۔ لے چلیں۔“ تنویر آہستہ سے بولا۔

”یوں نہیں۔ سب سے پہلے شیونگ کو تاحوری ہے اور لباس کی تبدیلی....“ خاور نے کہا۔

”کہیں کچھ تمہارا دباغ تو نہیں چل گیا۔“ تنویر بولا۔

”آہا... پھر ایکس ٹو نے لباس اور شیونگ کے سامان کے لئے کیوں تاکید کی تھی۔“

”اس کا بھی دماغ چل گیا ہوگا۔“

”اسی لئے اس نے اس کام کے لئے مجھے منتخب کیا تھا۔“ خاور مسکرایا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔

”اب مجھے اس کی حالت درست کرنی چاہئے۔“

ان لوگوں کے ہنسنے اور مسکرانے کی پرواہ نہ کر کے خاور نے اس کا شیو بنایا اور پھر چوہان کی مدد سے اس کا لباس تبدیل کر دیا۔ صفدر ہوش ہی میں تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں البتہ وہ کچھ بول نہیں رہا تھا۔ لیکن جب تنویر نے وہ پوٹلی کھولنی چاہی جو اس کے سینے پر بندھی ہوئی ملی تھی تو وہ بول پڑا۔ ”نہیں اسے مت کھولو۔“

”کیوں“

”نہیں! صفدر نے سخت لہجے میں کہا۔ ”میں اس حالت میں بھی ہر اس شخص کو سزا دے سکتا ہوں، جو ایکس ٹو کی حکم عدولی کرنے کی ہمت کرے۔ یہ ایکس ٹو کا حکم ہے کہ اس پوٹلی کی چیزیں عمران کے علاوہ اور کسی کو نہ دکھائی جائیں۔“

”اوہ۔“ تنویر نے برا سامنہ بنا کر کہا۔

”مگر عمران یہاں ہے کہاں۔“ چوہان نے کہا۔

”میں اس کی تلاش میں بوڑھا ہو سکتا ہوں لیکن ایکس ٹو کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا۔ لہذا مجھے اس مسئلہ پر دکھ نہ پہنچاؤ۔ ہو سکتا ہے میں آج ہی مراؤں اس صورت میں بھی حکم ملا ہے کہ یہ پوٹلی خاور کے سپرد کی جائے اور انہیں بھی یہی ہدایت کر دی جائے کہ وہ اسے عمران کے علاوہ اور کسی کو نہ دیں۔“

”مگر یہ تمہارے جسم پر زخم کیسے ہیں۔“ خاور نے تشویش کن لہجے میں کہا۔ ”یہ صرف

دانتوں کے ہی نشانات ہو سکتے ہیں۔“

”پھر اطمینان سے بتاؤں گا۔ مجھ سے بولا نہیں جا رہا تھا۔“ صفدر نے کہا اور نچلا ہونٹ دانتوں

میں دبایا۔

وہ لوگ اسے وہاں سے لے جانے کی تیاری کرنے لگے۔



دوسرے دن شام تک عمران اور روشی جھرگ نار پہنچ گئے۔ وہ جمال پور تک ہوائی جہاز سے آئے تھے اور جمال پور سے یہاں تک کا سفر لاری سے کرنا پڑا تھا۔

بلیک زیرو کو علم تھا کہ اس کی سیکریٹری روشی اس کے ساتھ ہی رہتی ہے۔ لہذا اس نے دو خیموں کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ ایک ہی خیمے میں دو بستروں کا انتظام کر دیا گیا تھا۔ خیمے تک پہنچانے کے بعد بلیک زیرو عمران کی ہدایت کے مطابق ان سے الگ ہو گیا اور اب بظاہر ان سے کوئی تعلق نہیں رکھتا تھا۔

روشی کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ عمران یہاں کیوں آیا ہے۔ دارالحکومت سے روانگی کے وقت اس نے روشی سے کہا تھا کہ وہ اپنی خالہ کی سالگرہ میں شرکت کے لئے جمال پور جا رہا ہے لہذا اگر وہ بھی اس کے ساتھ چلنا چاہے تو اسے خوشی ہوگی۔ روشی نے یہ تجویز بے چوں و چرا مان لی تھی۔ بلکہ اسے اس پر خوشی بھی ہوئی کہ عمران اسے اپنے اعزاء سے ملانا پسند کرتا ہے۔ اس کی عرصہ سے خواہش تھی کہ وہ عمران کے قریبی عزیزوں سے بھی ملے۔

لیکن جمال پور کے ہوائی اڈے سے عمران نے کسی سے فون پر گفتگو کرنے کے بعد اسے اطلاع دی تھی کہ اس کی خالہ نے جھرگ نار کے جنگلات کا ٹھیکہ لے لیا ہے اس لئے سالگرہ کا جشن وہیں برپا ہوگا اس بے ٹکی... پر روشی نے اسے اتنی سلواتیں سنائی تھیں کہ عمران انگلیوں پر ان کا شمار کرنے سے قاصر رہا تھا۔

بلیک زیرو کے رخصت ہوتے ہی روشی اس پر جھپٹ پڑی۔

”تم اس طرح مجھے الو کیوں بنایا کرتے ہو۔“

”اوہ۔ سنو تو سہی ایک بار تم نے کہا تھا کہ تم بارہ سنگھے پر بیٹھ کر ہاتھی کا شکار کر سکتی ہو۔“

”اب خیریت اسی میں ہے کہ یہاں اس طرح لانے کی وجہ بتاؤ، ورنہ تمہیں پچھتانا پڑے گا۔“

”کیا تمہیں یہاں لا کر بھی پچھتانا ہی پڑے گا۔“ عمران نے مایوسانہ لہجے میں پوچھا۔

اور روشی اسے اس طرح گھورنے لگی جیسے کچا چبا جائے گی۔ غالباً وہ سوچ رہی تھی کہ اسے اب کیا کرنا چاہئے۔

عمران نے صندوق سے ٹرانسمیٹر نکالا۔ روشی خاموشی سے دیکھتی رہی۔  
”ہیلو..... لیس..... عمران جمرگ نار پہنچ گیا ہے..... اگر صفدر کی حالت بہتر ہو تو اسے عمران کے خیمے میں بھیج دو۔ اور اینڈ آل۔“

عمران نے ہیڈ فون اتار دیئے اور روشی آنکھیں نکال کر بولی۔ ”تو یہ کہو جو لیا بھی یہیں ہے اور شاید تمہارے دوسرے ماتحت بھی ہوں.....؟ یہ کیا معاملہ ہے؟“

”وہ سب شکار کھیل رہے ہیں۔“ عمران مسکرا کر بولا۔ ”ایکس ٹو کی پوری ٹیم شکار کھیلے گی۔“  
”کیا قصہ ہے۔“

”قصہ یہ ہے کہ جب حاتم طائی شہزادہ شتر بے مہار چرایا کوئی کوگور داسپور کا گڑ کھلایا کھا تھا تو.....“  
”بس بس.....“ روشی ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”جہنم میں جاؤ میں کچھ نہیں پوچھوں گی۔ لیکن کان کھول کر سن لو..... کہ.....“

”ایک منٹ“ عمران نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور پھر اپنے دونوں کان اکھاڑنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ ”کان تو کھول لیتے دو پھر آگے سنا۔“

”کچھ نہیں..... اچھی بات ہے۔“ روشی سر ہلا کر بولی۔ ”میں صرف یہ کہنا چاہتی تھی کہ میں تمہارے لئے کوئی کام نہ کروں گی۔“

”نہیں..... اتنا کام ضرور کرو کہ..... ہپ..... ٹھہرو.....“

اس نے دوبارہ ہیڈ فون کانوں پر چڑھائے اور بلیک زیرو سے رابطہ قائم کر کے اپنے خیمے کا محل وقوع معلوم کیا اور پھر جو لیانا فٹنر واٹر کو مخاطب کر کے بتایا کہ وہ صفدر کو کہاں بھیجے۔ اس دوران میں روشی اسے گھورتی رہی تھی۔ لیکن جیسے ہی عمران ٹرانسمیٹر کو صندوق میں بند کر کے اس کی طرف مڑا اس کے چہرے سے لاپرواہی اور بے تعلقی ظاہر ہونے لگی۔

عمران نے بھی اسے نہیں چھیڑا۔ شاید اس وقت خود بھی خاموش رہنا چاہتا تھا۔ کچھ دیر بعد روشی نے اس کے چہرے پر گہرے تفکرات کے آثار دیکھے۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد صفدر خیمے کے در پر نظر آیا۔ وہ تنہا تھا۔ عمران اس طرح ہاتھ پھیلا کر

اس کی طرف دوڑا جیسے یہ ملاقات بالکل اتفاقیہ طور پر ہوئی ہو۔ صفدر نے البتہ کسی قسم کی گرجوشی کا اظہار نہیں کیا۔ اس کی حالت ایسی نہیں تھی کہ ذہنی اور جسمانی کسل پر کوئی جذبہ حاوی ہو سکتا۔ وہ بید کی کرسی میں گر گیا۔

”میں زیادہ دیر تک نہیں بیٹھ سکوں گا۔ عمران صاحب۔“ صفدر نے کمزور آواز میں کہا۔  
”ادہ اچھا ٹھیک ہے۔“ عمران نے روشی کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”تم ذرا دیکھو..... میں نے سامنے والے سیر کے درخت پر ایک بندر دیکھا تھا مگر یہاں بندر نہیں پائے جاتے..... میں یقین کرنا چاہتا ہوں کہ وہ بندر نہیں تھا۔“

”یقین کر لو کہ وہ بندر نہیں تھا۔“ روشی اڑ گئی..... وہ باہر نہیں جانا چاہتی تھی۔

”کیسے یقین کر لوں..... تم جا کر دیکھ آؤنا..... شاباش۔“

روشی اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتی ہوئی باہر چلی گئی۔

”آپ بیمار معلوم ہوتے ہیں مسٹر صفدر.....“ عمران نے آہستہ سے کہا۔

”بہت زیادہ عمران صاحب“ صفدر کمزور آواز میں بولا۔ ”میرے خدا میں نے ایک ماہ تک

جانوروں کی طرح زندگی بسر کی ہے۔ ہاں ٹھہریے کیا آپ کو مکمل رپورٹ دینی پڑے گی۔“

”نہیں مجھے رپورٹ سے کوئی سروکار نہیں۔“ عمران بولا۔ ”مجھ سے صرف اتنا کہا گیا ہے جو

کچھ آپ مجھے دیں اسے احتیاط سے رکھ لوں۔“

صفدر نے ادھر ادھر دیکھ کر کچھ کاغذات اور پیتل کی ایک ننھی سی توپ جیب سے نکالی اور

عمران کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ”اب آج رات میں سکون سے سو سکوں گا۔“

عمران نے کاغذات یا توپ کا جائزہ لئے بغیر انہیں جیب میں ٹھونس لیا۔ وہ صفدر کو بہت غور

سے دیکھ رہا تھا۔

”اب مجھے اجازت دیجئے۔“ صفدر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”کیا آپ کو علم ہے کہ ہم سب

یہیں موجود ہیں۔“

”ادہ“ عمران اس طرح چونکا جیسے یہ اطلاع اس کے لئے بالکل نئی اور حیرت انگیز رہی ہو۔

پھر مسکرا کر پوچھا۔ ”کیا وہ بھی ہے..... یعنی کہ..... وہ.....“

”جو لیا“ صفدر مسکرایا۔

”آہا.... پتہ نہیں کیوں میں اس کا نام ہمیشہ بھول جاتا ہوں۔ لیکن کیا وہ شکار کھیلنے آئی ہے۔“

”پتہ نہیں۔ ان لوگوں کو نہیں معلوم کہ وہ یہاں کیوں بھیجے گئے ہیں۔“

”مگد.... یہ ایکس ٹو بھی مجھے پاگل معلوم ہوتا ہے۔“

”مجھے تو یہ طریقہ کار بے حد پسند ہے۔“ صفدر نے سر ہلا کر کہا۔

”شاید آپ بھی کافی دنوں تک دھکے کھاتے رہے ہیں۔“ عمران مسکرا کر بولا۔

”کچھ بھی ہو۔ مجھے بہر حال بہت شاندار آفیسر ملا ہے اور میں ایسے ہی آفیسروں کے تحت کام بھی کر سکتا ہوں۔“

”خدا رحم کرے آپ کے حال پر۔ میرا خیال ہے کہ آپ کے دوسرے ساتھی آپ سے خوش نہ ہوں گے مسٹر صفدر۔“

”مجھے ان کی پرواہ کب ہے۔ میں صرف کام کرنے کے لئے یہاں ہوں۔“

”خدا آپ کے حال پر مزید رحم کرے۔“ عمران نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔ ”اگر آپ کی مستعدی کا یہی عالم رہا تو ایکس ٹو آپ کی ہڈیوں تک کا پسینہ نکال لے گا۔“

”پسینہ مردوں کا سنگھار ہے.... عمران صاحب۔“ صفدر مسکرایا۔

”خدا آپ کے حال پر اتنا رحم کرے کہ.... ہپ....“

عمران یک یک خاموش ہو گیا۔ کیونکہ روشی در پر کھڑی کہہ رہی تھی کہ ”محکمہ جنگلات کے آفیسر شکار کا پر مٹ دیکھنا چاہتے ہیں۔“

”کہاں ہے محکمہ آفیسرات کا جنگل.... اوہ.... کا جنگ.... فیسر یعنی کہ.... وہ کہاں ہے۔“

”چرا اسی نے یہ اطلاع دی ہے کہ تمہیں اس کے دفتر میں جا کر پر مٹ دکھانا ہو گا۔“

”ارے تو وہ چیرا اسی کہاں ہے۔“

”وہ اطلاع دے کر واپس جا چکا ہے۔“

”تو تم وہاں کیوں کھڑی ہو.... بندر کا کیا ہوا۔“

”اچھا عمران صاحب۔“ صفدر نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

”اوہ جی ہاں..“ عمران نے چونک کر مصافحہ کیا اور صفدر خیمے سے نکل گیا۔ روشی اندر آ گئی۔

”تم مجھے یہاں کیوں لائے۔“ روشی پھر گئی۔

”تاکہ تمہیں اپنی خالہ بنا کر تمہاری ساگرہ کر دوں۔“ عمران آہستہ سے بولا۔ ”تم بالکل غلط ہو۔ ذرا سی بھی حماقت تم میں نہیں پائی جاتی۔ میں اس کی موجودگی میں تمہیں کیسے راز دار بنالیتا۔“

”جب یہاں جولیاموجود تھی تو مجھے کیوں لائے تھے۔“

”افسوس کہ تمہاری موجودگی میں وہ میری خالہ نہیں بن سکتی۔“

روشی کچھ نہ بولی اس کا موڈ بہت زیادہ خراب ہو گیا تھا۔

عمران نے خیمے کے در کا پردہ گرا دیا اور آستین چڑھاتا ہوا بولا۔ ”میں آج تمہیں ذبح کر ڈالوں گا۔ جب تمہیں غصہ آتا ہے تو تمہارا اوپری ہونٹ ناک سے مل جانے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔ یہ مجھے قطعی ناپسند ہے تمہارے ہونٹ کا یہ انداز مجھے گالیاں دیتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ لہذا یا تو تم اپنا اوپری ہونٹ کٹوا دو یا پھر کوشش کیا کرو کہ تمہیں غصہ نہ آئے۔“

”اگر تم میرے لئے علیحدہ خیمے کا انتظام کرو گے تو میں شکار کا پر مٹ پھاڑ دوں گی۔“

”میرے خدا....؟“ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔ ”پھر کیا ہو گا.... مس روشی۔“

روشی کچھ نہ بولی۔ یہ دھمکی فضول تھی وہ جانتی تھی کہ عمران شکار کھیلنے نہیں آیا۔ اگر آمد کا مقصد شکار کھیلنا ہوتا تو وہ یہاں اپنے ماتحتوں کو کیوں اکٹھا کرتا۔

”تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو۔“ روشی نے پھر سوال کیا اور اس کے انداز میں جھلپٹ نہیں تھی۔

”ہاں سنو.... میرے لئے ایک عورت ضروری ہے.... آہا.... تم مسکرا رہی ہو۔ میں ایکس ٹو کی حیثیت سے بول رہا ہوں.... جولیانا فتنہ و اثر اس ضرورت کو پورا کر سکتی تھی لیکن وہ ہر قسم کی عورت نہیں ہے۔ نہ اتنی چالاک ہے اور نہ اتنی ذہین جتنی کہ تم ہو۔“

”پھر تمہارے ماتحتوں میں اس کا کیا کام۔“

”وہ یورپ کی کئی زبانیں بول سکتی ہے اور سمجھ سکتی ہے۔“ عمران نے کہا۔ ”میں تمہیں جس

مقصد کے تحت یہاں لایا ہوں وہ بھی جلد ہی ظاہر ہو جائے گا۔“

روشی کچھ نہ بولی۔ لیکن وہ استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”میں تقریباً دو ماہ سے پریشان ہوں۔“ عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”صفدر کی ایک غلطی کی بناء پر شاید ابھی کچھ اور وقت بھی پریشانی ہی میں گزرے گا۔ کاش وہ اس آدمی کو نہ مار ڈالتا۔“



”کس آدمی کو۔“

”ٹھہرو۔ مجھے ایسے گروہ کی تلاش ہے جو ایک غیر ملک کے اشارے پر یہاں مسلح بغاوت پھیلانے کی اسکیم بنا رہا ہے۔“

”اوہ....! مگر تمہیں اس گروہ کے وجود کا کیسے علم ہوا۔ میرا خیال ہے کہ ابھی تک میں نے ملک کے کسی بھی حصے میں مسلح بغاوت کے آثار کی خبر نہیں سنی۔“

”لیکن میں ان کی تیاریوں سے متعلق سن رہا ہوں۔“ عمران نے کہا۔ ”ابھی کچھ ہی دنوں کی بات ہے کہ شکرال اور ہمارے ملک کی سرحد کے قریب دو قبیلوں کے درمیان بڑی خون ریز جنگ ہوئی تھی۔ جاٹین کے درجنوں آدمی مارے گئے اور تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ان کے پاس جدید ترین رائفلیں تھیں۔“

”کیا بات ہوئی۔“ روشی ہنس پڑی۔ ”جدید ترین رائفلوں کی موجودگی میرے لئے حیرت انگیز کیوں ہونے لگی۔“

”میرے لئے بھی نہ ہوتی۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اگر ان کی ساخت اپنے یہاں کی جدید ترین رائفلوں کی سی ہوتی۔“

”پھر“

”ساخت کے اعتبار سے وہ ایسے ملک سے تعلق رکھتی ہیں، جو اب تک دنیا کے کئی ممالک میں مسلح بغاوتیں کرا کے اپنی پسند کی حکومت قائم کرا چکا ہے۔“

”اوہ.... مگر ہو سکتا ہے کہ یہ چیز صرف انہیں قبائلیوں تک محدود رہی ہو۔“

”ہاں.... یہ بھی کہا جاسکتا تھا مگر اتفاق سے ایک واقعہ دارالحکومت کے قریب ہی پیش آیا ہے.... کچھ دن ہوئے لینڈ کسٹمر پوسٹ کے قریب ایک ٹرک الٹ گیا جس پر ریت لدی ہوئی تھی۔ لیکن ریت کے اندر تقریباً پچاس ویسی ہی رائفلیں چھپی ہوئی تھیں۔ جیسی ان قبائلیوں کے پاس دیکھی گئی تھیں۔“

”ٹرک کس کا تھا۔“

”یہ آج تک معلوم نہ ہو سکا۔“

”کیوں.... کیا اس پر ٹریفک کے نمبر نہیں تھے۔“

”یقیناً تھے.... لیکن ان کا اندراج رجسٹر میں کبھی نہیں ہوا تھا۔ مردہ ڈرائیور کے پاس سے لائسنس بھی نہیں برآمد ہوا۔“

”اوہ.... تب تو یقیناً.... لیکن تمہاری باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری تفتیش کافی آگے بڑھ چکی ہے۔“

”یقیناً.... میں دو ماہ سے اسی چکر میں ہوں۔ لہذا کچھ نہ کچھ کامیابی تو ضرور ہوئی ہوگی۔“

”کیا کامیابی ہوئی ہے۔“

”مجھے یقین ہو گیا ہے کہ یہاں ایک منظم گروہ اس کے لئے کام کر رہا ہے اور اس گروہ والوں کا امتیازی نشان توپ ہے۔ وہ اسی توپ سے ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔“

”مگر تمہیں اس امتیازی نشان کا علم کیسے ہوا۔“

”بار بار جب کوئی چیز سامنے آتی ہے تو اسے اہمیت دینی ہی پڑتی ہے۔“

”قبائلیوں کی جنگ میں کام آنے والوں میں سے دو کے داہنے بازوؤں پر توپ کی تصویریں بنی ہوئی تھیں اور یہی تصویر اس ٹرک کے ڈرائیور کے داہنے بازو پر نظر آئی تھی جو لینڈ کسٹمر پوسٹ کے قریب الٹ گیا تھا اور اب یہ دیکھو۔“ عمران نے پینل کی ننھی سی توپ نکال کر روشی کے سامنے رکھ دی۔

”روشی اسے الٹ پلٹ کر دیکھتی ہوئی بولی۔“ یہ کیا بلا ہے۔“

”ایک ننھی سی توپ جس سے چیونٹی کا بھی شکار نہیں کیا جاسکتا۔“

”یہ تمہیں ملی کہاں سے۔“

”صفدر لایا تھا۔“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”اب صفدر کی کہانی سنو۔ میں نے اسے اسی علاقے میں قیام کرنے کا حکم دیا تھا۔ جہاں دو قبیلے آپس میں لڑ گئے تھے۔ صفدر کو آگاہ کر دیا گیا تھا کہ معاملے کی نوعیت کیا ہے۔ لہذا وہ کافی محنت اور ذہانت سے کام کرتا رہا۔ لیکن ایک جگہ چوک گیا۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ اگر اسے اس آدمی کی اصلیت کا علم ہوتا تو وہ اسے کبھی جان سے نہ مارتا۔“

”تم پھر بہکنے لگے.... مجھے اس آدمی کے متعلق تفصیل سے بتاؤ۔“

”اوہ اچھا.... صفدر ان قبائلیوں کی تلاش میں تھا جن کے درمیان جنگ ہوئی تھی۔ اتفاقاً

ایک دن ایک آدمی سے ٹڈ بھیڑ ہو گئی۔ اس نے اس پر فائر کر دیا، بہر حال دونوں کے درمیان بڑی خوں آشام جنگ ہوئی۔ صفدر نے اسے مار ڈالا۔ مرنے والے کے پاس سے یہ توپ اور چند کاغذات برآمد ہوئے تھے، جو اس نے میرے سپرد کر دیئے۔ اس نے مجھے ٹرانسمیٹر پر اس واقعے کی اطلاع دیتے ہوئے کہا تھا کہ اس کی حالت ایسی نہیں ہے کہ وہ وہاں ٹھہر سکے لہذا میں نے اسے واپس بلا لیا۔ اب سوچ رہا ہوں کہ کسی اور کو بھیجوں۔“

”مگر یہاں ان سبھوں کی موجودگی کی کیا وجہ ہے۔“

”صفدر کو میں نے ایک ماہ پہلے بھیجا تھا۔ لیکن خود میں بھی یہاں کام کرتا رہا ہوں۔ میں نے چند مزید ایسے آدمیوں کا پتہ لگایا ہے جن کے بازوؤں پر توپ کی تصویر موجود ہے اور وہ آج کل یہاں شکار کھیل رہے ہیں۔“

”اوہ.... اور یہ پیتل کی توپ“

”ہو سکتا ہے کہ یہ بھی نشان ہی کے طور پر استعمال کی جاتی ہو۔“ عمران نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

”مگر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ لوگ مسلح بغاوت ہی کرنا چاہتے ہیں۔“

”ارے تو کیا پھر وہ ان راتفلوں کو تل کر کھائیں گے۔ آخر تم بعض اوقات عقلمندوں کی سی باتیں کیوں کرنے لگتی ہو۔“

دفعتاً عمران چونک کر خیمے کے در کی طرف مڑا کوئی باہر موجود تھا۔ اس نے جھپٹ کر پردہ اٹھا دیا۔ ایک طویل قامت آدمی کے سامنے کھڑا تھا۔

”فرمائیے جج.... جناب۔“ عمران ہکا بکا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے وہ اس کے تن و توش سے مرعوب ہو گیا ہو۔ اب اس کے چہرے پر حماقت کے آثار بھی نظر آنے لگے تھے۔

”میں آپ کا پرٹ دیکھنا چاہتا ہوں۔ کیا چہرہ اسی نے آپ کو اس کی اطلاع نہیں دی تھی۔“

”اوہ.... چپ.... چپ راسی۔“ عمران مڑ کر روشی کی طرف دیکھنے لگا اور روشی آگے بڑھ کر بولی۔ ”جی ہاں چہرہ اسی نے اطلاع دی تھی لیکن ہمیں آپ کا آفس نہیں معلوم تھا۔“

”خیر کوئی بات نہیں“ وہ آدمی مسکرایا۔ ”میں خود ہی حاضر ہو گیا۔“

”بھگہم شکاری کب ہیں۔“ روشی اٹھلائی۔ ”کیا یہ ضروری ہے کہ یہاں سب شکار ہی کھیلنے

کی غرض سے آئیں۔“

”اوہ.... معاف کیجئے گا۔ بات دراصل یہ ہے کہ یہاں آنے والے عموماً اسی غرض سے آتے ہیں۔“

”تو ہم نہیں آئے اس غرض سے۔ کیا اس غرض سے نہ آنا کوئی جرم ہے۔“

”ہرگز نہیں.... ہرگز نہیں۔ میں معافی چاہتا ہوں۔!“ وہ جانے کے لئے مڑا۔

روشنی ایک ہلکے سے قہقہے کے ساتھ بولی۔ ”ٹھہریئے۔ اب آئے ہیں تو دیکھتے ہی جائیے۔“

وہ رک گیا اس کے ہونٹوں پر جھپٹی ہوئی سی مسکراہٹ تھی۔ روشی نے پرٹ اسے دکھایا۔

”شکریہ“ اس نے روشی کو کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا اور عمران سے مصافحہ کر کے رخصت ہو گیا۔

عمران روشی کی طرف مڑ کر آہستہ سے بولا۔ ”اس کی صلاحیت جو لیا میں نہیں ہے۔“

”مگر یہ کیا حماقت ہے کہ تم اپنے سارے احکامات اسی کے ذریعے دوسروں تک پہنچاتے ہو۔“

اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ تمہارے بعد اسی کی حیثیت ہے۔“

”یقیناً.... بات دراصل یہ ہے کہ میرے ماتحت اپنوں میں سے کسی کی برتری ہرگز نہ تسلیم کرتے۔ لیکن وہ جو لیا کی برتری کے خلاف کبھی آواز نہیں اٹھاتے۔“

”اور تمہیں بحیثیت عمران تو چٹکیوں میں اڑاتے رہتے ہیں۔“

”لیکن بحیثیت ایکس ٹو۔“ عمران مسکرایا۔

”بحیثیت ایکس ٹو بھی وہ تم سے متغیر ضرور ہیں۔“

”سب نہیں۔ صرف ایک آدمی تنویر۔“

”آخر وہ کیوں متغیر ہے تم سے۔“

”کیوں کہ جو لیا شاید ایکس ٹو سے حماقت کرنے لگی ہے۔“

”لیکن ایکس ٹو مجسم حماقت ہے۔“ روشی برا سامنہ بنا کر بولی۔

”بس ختم کرو۔ تم بہت دیر سے مجھے برا بھلا کہہ رہی ہو۔ اب میں ان کاغذات کو دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”ہوں۔“

اس نے کاغذات کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ میساختہ اچھل پڑا۔ اس کی جیب میں

سیٹی سی بجی تھی۔ جس کی آواز روشی نے بھی سنی۔

وہ دونوں حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

لیکن عمران نے جلد ہی وہ جیب خالی کر دی۔ ساری چیزیں زمین پر گر گئیں اور وہ انہیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ یہ وہی کاغذات تھے اور وہی پیتل کی توپ جو کچھ دیر پہلے صفدر سے ملے تھے۔ اچانک عمران توپ کو اٹھا کر اپنے چہرے کے برابر لایا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے دہانے کے سوراخ میں کھیاں بھنھنا رہی ہوں۔ دوسرے ہی لمحے میں توپ کا دہانہ اس کے کان سے جالگا اور اب وہ صاف سن رہا تھا۔ دہانے کے سوراخ سے آواز آرہی تھی۔

”گن تھرٹی تھری.... گن تھرٹی تھری.... تم جواب کیوں نہیں دیتے.... گن تھرٹی تھری.... گن تھرٹی تھری۔“

روشی عمران کو برابر گھورے جا رہی تھی۔ عمران نے توپ کا دہانہ اس کے کان سے لگا دیا اور اس کی آنکھیں اور زیادہ پھیل گئیں۔

پھر فوراً ہی دہانہ عمران کے کان سے آگے آواز اب بھی آرہی تھی۔ ”گن تھرٹی تھری اگر تم نے ایک گھنٹے بعد جواب نہ دیا تو.... یہ سمجھ لیا جائیگا کہ تم کسی حادثہ کا شکار ہو گئے۔“

اس کے بعد ہی پھر سیٹی کی آواز آئی جو اتنی تیز تھی کہ روشی نے بھی سنی۔

عمران نے کان سے دہانہ ہٹا لیا۔ اب کسی قسم کی آواز نہیں آرہی تھی۔

”ٹرانسمیٹر۔“ عمران آہستہ سے بڑبڑایا۔

”لاؤ دیکھو۔“ روشی نے پیتل کی منھی سی توپ اس کے ہاتھ سے لے لی وہ اسے الٹ

پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔

”تم جواب میں کچھ بولے کیوں نہیں تھے۔“ روشی نے آہستہ سے کہا۔

”کہاں بولتا۔ کس طرح بولتا۔ نہیں یہ ایک زبردست غلطی ہوتی۔ گن تھرٹی تھری کیا بلا

ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اس آدمی کا نمبر شناخت رہا ہو۔ جس کے پاس یہ ٹرانسمیٹر تھا۔ جدید ترین

روشی، میرا دعویٰ ہے کہ یہ ٹرانسمیٹر ایٹمی بیڑی سے چلتا ہے.... اور ایٹم کا استعمال کن ملکوں نے

شروع کر دیا ہے۔“

”گن تھرٹی تھری۔“ روشی کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ”اگر تھرٹی تھری اس کی شناخت کا نمبر تھا

تو یقیناً ان لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگی۔“

”ٹھہرو....“ عمران اپنا دہانہ لگا لگا رہا ہوا بولا۔ ”تم یا تو تفریح کیلئے باہر نکل جاؤ.... یا یہیں

بیٹھو لیکن تمہیں فرض کر لینا پڑے گا کہ تم اندھی گوئی اور بہری ہو.... میں کام کرنا چاہتا ہوں۔“

”تم تمہارہ کر کام چوٹ کرو گے۔“ روشی کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ”تم کیا کام کرنا چاہتے ہو۔“

”اس ٹرانسمیٹر کا تفصیلی جائزہ لوں گا۔“

”یہ تم میری موجودگی میں بھی کر سکتے ہو۔“

”یہی تو مصیبت ہے کہ نہیں کر سکتا۔“

”میں یہاں سے نہیں جاؤں گی۔“

عمران کچھ نہ بولا۔ اس نے وہ کاغذات زمین سے اٹھائے اور انہیں دیکھنے لگا۔ تحریر انگریزی

میں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے مختلف اوقات میں موصول ہونے والے پیغامات نوٹ

کئے ہوں۔ مثلاً ”چھ ترین.... گن فورٹین کی اطلاع کے مطابق روانگی ہو چکی ہے۔ آٹھ تیس....

گن فورٹین.... وعدہ کے مطابق نہیں بولا.... نو تیس پھر گن فورٹین سے اطلاع ملی کہ.... گن

فنی سکس کامیاب نہیں ہو سکا۔“

اس قسم کی اطلاعات سے تین چار صفحات بھرے ہوئے تھے۔ عمران نے کاغذات کو تہہ

کر کے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا اور اب اس کی توجہ توپ نما ٹرانسمیٹر کی طرف مبذول

ہو گئی تھی۔ روشی خاموش بیٹھی رہی۔



جولیانافنر واٹر پیچ و تاب کھا رہی تھی.... عمران کی آمد کا مقصد یہ تھا کہ اب ان کی باگ دوڑ اسی

کے ہاتھ میں رہے گی.... اس پر سے ستم یہ کہ روشی بھی اس کے ساتھ آئی تھی۔ جولیانے سوچا کہ

یہ موقع بہتر ہے کیوں نہ ایکس ٹوک کو کم از کم روشی ہی کے خلاف بھڑکا دیا جائے۔ وہ تھوڑی دیر تک اس

کے متعلق سوچتی رہی پھر صندوق سے ٹرانسمیٹر نکالنے کے لئے اٹھی ہی تھی کہ خیمے کے باہر

عمران نظر آیا۔ جولیا پھر بیٹھ گئی۔ عمران تنہا تھا۔ وہ جولیا سے اجازت حاصل کئے بغیر اندر آ گیا۔

”تم واپس جاؤ“ جولیا نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”اور باہر رک کر مجھ سے اندر آنے کی اجازت طلب کرو۔“

”شاید میں غلطی سے یہاں چلا آیا ہوں۔“

وہ واپسی کے لئے مڑا۔ لیکن ٹھیک اسی وقت تنویر خیمے میں داخل ہوا اور عمران کو دیکھ کر ایسا منہ بنایا جیسے اس نے جولیا کے جسم پر کیچوے ریختے ہوئے دیکھ لئے ہوں۔

”سامالیکم....“ عمران نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اسے سلام کیا۔

”صفر کہاں ہے۔“ تنویر نے گونجیلی آواز میں جولیا سے پوچھا۔

”کیوں۔“ جولیا کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

”کیا یہ ضروری ہے کہ وجہ بھی بتائی جائے۔“

”یقیناً۔“

”میں اس سے پوچھوں گا کہ ہم لوگ یہاں کیوں جھونکے گئے ہیں۔“

”اور وہ تمہیں بتا دے گا۔“ دفعتاً عمران نے تلخ لہجے میں کہا۔

”اس کے فرشتے بھی بتائیں گے۔“ تنویر غصیلی آواز میں بولا۔

”تنویر۔“ یک بیک عمران کا لہجہ بدل گیا۔ ”اپنے خیمے میں واپس جاؤ۔ میں ایکس ٹو کے نائب

کی حیثیت سے تمہیں حکم دیتا ہوں۔“

”اپنا لہجہ درست کرو۔“ تنویر سانپ کی طرح مہمکھکا رہا۔

”جولیا دروازے کا پردہ گرا دو۔“ عمران نے جولیا کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ جولیا کانپ گئی۔ اس

وقت عمران میں اسے شکرال کے عمران کی جھلکیاں نظر آرہی تھیں۔ اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں

سے پردہ گرایا اور پھر اپنی کرسی پر واپس آ گئی۔

”کیا تم اپنے خیمے میں واپس نہیں جاؤ گے۔“ عمران نے تنویر کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں۔“ تنویر بھی دانت پیٹتا ہوا اسے گھور رہا تھا۔

”اچھا تو تنویر.... نہ میں معطل کرتا ہوں اور نہ برخاست کرتا ہوں لیکن میڈیکل گراؤنڈ پر

کم از کم چھ ماہ چھٹی ضرور دلوادیتا ہوں۔“ عمران نے کہا اور اپنا کوٹ اتار کر ایک طرف ڈال دیا۔

”ارے۔ ارے۔ یہ کیا۔“ جولیا بوکھلا کر اٹھی۔

”خاموش بیٹھو۔“ عمران غرایا۔

”تم اس سے بد تمیزی نہیں کر سکتے۔“ تنویر کہہ کر عمران پر جھپٹ پڑا لیکن اسے حسرت ہی

رہ گئی کہ اس کا گھونہ عمران کے جڑے پر پڑا ہوتا۔ کیونکہ عمران نے بجلی کی سی سرعت سے اس کا

دھانپنا تھا پکڑ کر مروڑ دیا تھا اور اس کا یہ فعل اتنا غیر متوقع تھا کہ تنویر کو سنبھلنے کی مہلت نہ ملی وہ

بے اختیار انداز میں اس کی طرف پشت کر کے جھٹکا چلا گیا۔ دفعتاً عمران نے اس کے شانوں کے

درمیان گردن کے نیچے ایک زوردار گھونہ رسید کیا اور تنویر منہ کے بل نیچے چلا گیا۔

جولیا کرسی پر پڑی کانپ رہی تھی اور تنویر زمین پر اونڈھا پڑا اس طرح ہاتھ پیر پھینک رہا تھا

جیسے اس کی ریڑھ کی ہڈی کی کوئی گرہ اپنی جگہ سے کھسک گئی ہو۔

وہ چند لمحوں اسی طرح ہاتھ پیر مہمکتا رہا پھر ساکت ہو گیا۔

”ارے.... کمک.... کیا.... تم نے اسے.... م.... مار ڈالا۔“ جولیا کانپتی ہوئی ہکلائی۔

”نہیں۔ صرف ایک ماہ کی چھٹی کی سفارش کی ہے۔ یہ تقریباً ایک یا ڈیڑھ گھنٹے بعد ہوش میں

آئے گا۔ صفر کو تیز بخار ہے اس کا بستر بھی اسی کے برابر لگوا دینا۔ پھر یہ اس سے پوچھ لے گا کہ تم

لوگوں کو یہاں کیوں جھونکا گیا ہے۔“

وہ اپنا کوٹ اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھا اور پھر پردہ اٹھا کر باہر نکلتے نکلتے رک گیا۔

”آج رات کو تم اسی خیمے کے سامنے باہر ناچو گی۔ چوہان اکارڈین بجائے گا اور تم دونوں پر

بہت زیادہ نشے کی سی کیفیت طاری ہو گی۔“ اس نے جولیا کی طرف مڑ کر کہا اور باہر چلا گیا۔

جولیا چند لمحوں کرسی پر بے حس و حرکت پڑی رہی پھر اٹھ کر تنویر کے پاس آئی جو بیہوش پڑا

گہری سانس لے رہا تھا۔

وہ کچھ دیر تک جھکی اسے دیکھتی اور ہلکی جھپکاتی رہی پھر پاگلوں کی طرح اپنے خیمے سے نکل

کر کیمپن خاور کے خیمے کی طرف بھاگی۔

خیمے میں خاور اور چوہان موجود تھے۔ جولیا کو اس حال میں دیکھ کر وہ بھی بوکھلا گئے۔

”تنویر بے ہوش ہو گیا ہے۔“ وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

”کیوں۔ کیسے۔“ دونوں نے یک وقت پوچھا۔

”بس باتیں کرتے.... کرتے.... گرا.... اور بیہوش ہو گیا۔“

”کہاں۔“

”میرے خیمے میں۔ اسے وہاں سے اٹھاؤ۔“

وہ دونوں اس کے ساتھ خیمے میں آئے اور پھر تیور کی بیہوشی کے اسباب موضوع بحث بن گئے۔ لیکن جو لیا نے انہیں صحیح بات نہیں بتائی۔ ہو سکتا ہے وہ تیور کو شرمندہ نہ کرنا چاہتی رہی ہو۔



جو لیا کے خیمے کے سامنے اچھی خاصی بھیڑ لگ گئی تھی۔ اکارڈین کی آواز رات کے سناٹے میں دور دور تک پھیل رہی تھی۔ چوہان واقعی بہت اچھا اکارڈین بجا رہا تھا اور جو لیا جھوم جھوم کر ناچ رہی تھی۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دونوں بہت زیادہ نشے میں ہوں۔ حالانکہ وہ ایک چاندنی رات تھی لیکن پھر بھی شکار یوں نے زیادہ لطف اندوز ہونے کے لئے مشعلیں روشن کر لی تھیں۔

کبھی کبھی چوہان اور جو لیا چیخ چیخ کر ایک دوسرے کو برا بھلا بھی کہنے لگتے۔ مفت کا تماشا تھا لوگ بے حد دلچسپی لے رہے تھے اور ان لوگوں کو بتا رہے تھے کہ ناچ کیسے شروع ہوا تھا جنہیں اس کا علم نہیں تھا۔ بہت کم لوگ جانتے تھے کہ پہلے دونوں میں بڑی لڑائی ہوئی تھی۔ غالباً ناچنے اور ساز بجانے کے متعلق کسی بحث پر بات بڑھ گئی تھی۔ دیکھنے والوں کے خیال کے مطابق دونوں نشے میں دھت تھے۔ بات بڑھی اور چوہان اکارڈین لایا اور جو لیا اسے برا بھلا کہتی ہوئی ناچنے لگی۔ بھیڑ بڑھتی گئی۔ شاید ہی کیمپ کا کوئی شکاری وہاں نہ پہنچا ہو عمران اور بلیک زیرو بھی قریب ہی قریب موجود تھے۔ عمران کے ہاتھ میں مشعل تھی اور بلیک زیرو میک اپ میں تھا۔ دفتنا بلیک زیرو کے آگے کھڑے ہوئے ایک شکاری نے پلٹ کر غصیلے لہجے میں کہا۔

”نہ سے ہو گئے ہو، اوپر چڑھے آرہے ہو۔“

”تم خود اندھے ہو۔ زبان سنبھال کر بات کرو۔“ بلیک زیرو بھی بگڑ گیا۔

”سٹ اپ“ شکاری چیخا اور بلیک زیرو نے اس کے تھپڑ رسید کر دیا بس پھر کیا تھا دونوں گئے۔ بلیک زیرو نے پہلے ہی جھٹکے میں اس کی قمیض پھاڑ دی۔ پھر دوسری بار اس کا ہاتھ اس کی

دائیں آستین میں پر پڑا۔ اور وہ شانے سے الگ ہو کر زمین پر آ رہی۔

عمران نے مشعل بلند کی اتنے میں اس شکاری کے کئی حمایتی بھی بیچ میں کود پڑے۔ لیکن اب بلیک زیرو وہاں کہاں تھا۔ وہ اتنی پھرتی اور چالاکی سے شکاریوں کے زرعے سے نکلا تھا کہ عمران بھی متحیر ہو گیا تھا۔

پھر وہ بھی اس بھیڑ سے دور ہٹا چلا گیا۔۔۔۔۔ کیونکہ اب وہاں ٹھہرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ وہ اس شکاری کے بازو پر توپ کی تصویر دیکھ ہی چکا تھا۔

یہ سارا بکھیر اسی لئے کیا گیا تھا۔ عمران کو اس شکاری پر شبہ تھا لہذا وہ اس کا داہنا بازو دیکھنا چاہتا تھا۔ اس وقت اس نے نہ صرف اس کا داہنا بازو دیکھ لیا بلکہ اس کے حمایتیوں سے واقف ہو گیا تھا۔ ایک طرف پٹا ہوا شکاری چیخ چیخاڑتا رہا اور دوسری طرف جو لیا جھوم جھوم کر ناچتی رہی۔ چوہان اکارڈین بجاتا ہوا چیخ چیخ کر کہتا رہا۔ ”اے شور مت مچاؤ۔ سنو میں کیسا بجا رہا ہوں۔ دیکھو وہ کیسا ناچ رہی ہے۔ خدا کے لئے فیصلہ کرو۔ کیا اس کے پیر اکارڈین کا ساتھ دے رہے ہیں۔ ہا ہا یہ اس رفتار سے نہیں ناچ سکتی۔ ہا ہا۔۔۔۔۔ ہو ہو۔۔۔۔۔ ہی ہی۔۔۔۔۔ نار نار۔۔۔۔۔ نار نار۔۔۔۔۔ نار۔۔۔۔۔ نار۔۔۔۔۔“



دوسری صبح روشنی بھی عمران سے الجھ پڑی۔ اسے یہ تو معلوم ہی تھا کہ رات وہ ڈرامہ کس لئے اسٹیج کیا گیا تھا۔ لیکن اس سے بے خبر تھی کہ تیور کی مرمت کیوں کی گئی تھی۔ اس سے پہلے اس نے کبھی عمران پر اتنی درندگی سوار نہیں دیکھی تھی۔ نہ وہ آج کل تفریحی گفتگو کرتا تھا اور نہ اس کے چہرے پر حماقت ہی طاری رہتی تھی۔ البتہ جب وہ خیمے سے باہر نکلتا تھا تب تو ضرور اس کے چہرے سے حماقت برسنے لگتی تھی اور دوسرے شکاری روشنی کو ایک اجسم کی محبوبہ یا بیوی سمجھ کر اس سے قریب ہونے کی کوشش کرتے تھے۔

”تمہیں بتانا پڑے گا کہ تم نے پیارے تیور کو کیوں مارا۔“ روشنی نے کہا۔

”پیارے تیور کو اگر میں بے کار نہ کر دیتا تو پچھلی رات اتنا شاندار ڈرامہ کبھی نہ ہو سکتا۔ وہ

جولیا کو کبھی اس طرح نہ تاپنے دیتا۔ شاید ایکس ٹو کی راہ میں بھی روڑے اٹکانے کی کوشش کرتا۔ تم نہیں جانتیں۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ جولیا پر بڑی طرح مرتا ہے۔ لیکن کسی طرح مر بھی نہیں چکتا۔“

”اگر وہ احکامات کی تعمیل نہیں کرتا تو اسے الگ کر دو۔“

”یہ ناممکن ہے۔ ناشاد اور کیپٹن جعفری ملٹری کی سیکرٹ سروس سے آئے تھے اور پھر وہیں واپس چلے گئے لیکن تنویر کو الگ کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ایکس ٹو کا راز افشاء ہو جائے۔ اس کی واپسی کسی دوسرے محکمہ میں نہ ہوگی اور پھر یوں بھی اسے میں علیحدہ نہیں کر سکتا کیونکہ وہ کام کا آدمی ہے۔ بات یہ ہے کہ جب میرا کام چل ہی رہا ہے تو پھر کسی قسم کی تبدیلی کی کیا ضرورت ہے جس حرکت سے میں اسے باز رکھنا چاہتا تھا اس سے وہ اچھی طرح باز رہا۔“

”مجھے یقین ہے کہ تم آہستہ آہستہ پاگل ہوتے جا رہے ہو۔“

عمران کچھ نہ بولا۔

روشی کہتی رہی ”میں نے معلوم کیا ہے تنویر سچ بچاٹھے بیٹھنے سے معذور ہے۔“

”وقتی اعصابی اختلال۔“ عمران آہستہ سے بولا۔ ”وہ ایک ہفتہ سے زیادہ اس حالت میں نہیں رہے گا۔“

دفعہاؤد کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اس کے کوٹ کی اندرونی جیب سے سیٹی کی آواز آئی تھی۔ یہ اس توپ نما ٹرانسمیٹر کا اشارہ تھا۔ اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر روشی کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور ٹرانسمیٹر جیب سے نکال کر کان سے لگالیا۔

آواز آ رہی تھی۔ ”ہیلو.... تھرٹی تھری.... تھرٹی تھری، اُور....“

عمران نے اُسے کان سے ہٹا کر منہ کے قریب لاتے ہوئے کھانسا شروع کر دیا پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”لیس.... تھرٹی تھری اسپیکنگ.... اُور....“

”تم اب کیسے ہو.... اُور....!“

”ابھی تک میں ٹھیک نہیں ہو سکا.... اُور....“ عمران نے جواب دیا۔

”کہیں سے کوئی اطلاع ملی ہے.... اُور....“

”ہاں.... اپنی نائن مطمئن ہے.... اُور....“

”اُور.... اینڈ آل....“

عمران نے ٹرانسمیٹر جیب میں ڈال لیا۔

روشی اسے چند لمحے گھورتی رہی پھر بولی۔ ”تم نے یہ تو شروع کر دیا ہے لیکن ان کے متعلق

تمہاری معلومات زیادہ نہیں ہیں۔“

”ہوں“ عمران کچھ سوچ رہا تھا۔

روشی نے کہا۔ ”تم نے پچھلی رات اس شکاری کا راز معلوم کر لیا.... اب کیا کرو گے۔“

”تمہاری اس سے شادی کروں گا۔“ عمران جھلا گیا۔

”تم اتنے چڑچڑے تو نہیں تھے۔“

”نہیں تھا تو مجھے اس سے کیا فائدہ تھا اور اگر اب ہو گیا ہوں تو اس سے کیا نقصان ہے۔“

”آہا۔“ روشی ہنس پڑی۔ ”عقل مند ہوتے جا رہے ہو۔“

عمران کچھ کہنے کے بجائے باہر چلا گیا۔ روشی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر وہ بھی خیمے سے نکل آئی۔ ابھی دھوپ اچھی طرح نہیں پھیلی تھی ویسے صبح ہی سے آسمان صاف نہیں تھا۔ اکثر سفید بادلوں کے جھنڈ کے جھنڈ سورج کے سامنے آجاتے اور دھوپ غائب ہو جاتی۔

رات کے ہنگامے کا اثر اب بھی فضا میں موجود تھا۔ پٹے ہوئے شکاری کے ساتھی جھگڑا کرنے والے کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے مگر اب وہ کہاں ملتا۔ اب اس کے چہرے پر ڈاڑھی کہاں تھی۔ ویسے وہ اب بھی خیمے میں موجود تھا اور کئی بار آسمان کا رنگ دیکھنے کے لئے باہر بھی نکلا تھا۔

روشی سے بھی ان میں سے ایک نے پوچھا۔ ”کیا آپ بھی کسی ڈاڑھی والے سے واقف ہیں۔“

”واہ“ روشی مسکرا کر بولی۔ ”ہزاروں سے واقف ہوں۔ خود میرے پایا بھی ڈاڑھی رکھتے تھے۔“

وہ لوگ ہنسنے لگے اور اسی آدمی نے کہا۔ ”میرا مطلب تھا کہ یہاں آپ نے کسی ڈاڑھی والے کو تو نہیں دیکھا۔“

”نہیں مجھے اب تک کوئی نہیں دکھائی دیا۔ کیوں؟“

”کیا آپ کو پچھلی رات والے ہنگامے کا علم نہیں۔“

”اوہ، اوہ.... تو کیا وہ کوئی ڈاڑھی والا تھا۔“

”جی ہاں۔“

”اور آپ اس کو اس وقت یہاں تلاش کر رہے ہیں۔“

”یقیناً کیونکہ ہمیں ابھی تک کوئی خیمہ خالی نہیں ملا۔“

”میرا خیال ہے کہ.... بعض خیموں میں کئی آدمی رہتے ہیں۔“

”جی ہاں۔“

”ہو سکتا ہے وہ کسی ایسے ہی خیمے سے تعلق رکھتا ہو اور اب چپ چاپ یہاں سے چلا گیا ہو۔“

ظاہر ہے کہ اس کے ساتھی آپ کو کچھ بتانے سے رہے۔ ارے واہ.... مگر اسے جانے کی کیا

ضرورت ہے کیا ڈاڑھی کے علاوہ کوئی اور بھی پہچان ہے آپ کے پاس۔“

”نہیں۔“

”تب تو آپ لوگ نشے میں معلوم ہوتے ہیں۔“ روشی اٹھلائی۔

”کیوں۔ کیوں۔“

”ارے۔ اس نے اپنی ڈاڑھی صاف کر دی ہوگی اور اس وقت نہایت اطمینان سے آپ کو

یقین دلارہا ہوگا کہ نہیں صاحب میری نظروں سے تو آج تک کوئی ڈاڑھی والا گزرا ہی نہیں۔“

وہ آدمی خفیف ہو گیا اور دوسرے ہنسنے لگے۔ حتیٰ کہ پٹنے والا بھی ہنس رہا تھا اور وہ پانچوں ہی

روشی میں بے حد دلچسپی لے رہے تھے۔

”ہو سکتا ہے۔“ روشی چمک کر بولی۔ ”وہ اس وقت آپ ہی میں موجود ہو اور اس نے ڈاڑھی

والے کو تلاش کرنے کے سلسلے میں اپنی خدمات پیش کی ہوں۔“

”جی نہیں۔ ہم ایک دوسرے کو عرصے سے جانتے ہیں۔ مگر آپ بہت ذہین معلوم ہوتی

ہیں۔“

”ارے نہیں۔“ روشی ہنسنے لگی۔

وہ ایک شاندار ایکٹریس تھی اور اس وقت کسی ایسی عورت کا رول ادا کر رہی تھی جسے مردوں

کے سامنے اپنے ذہن و جسم پر قابو نہ رہ جاتا ہو۔

”نہیں آپ بے حد ذہین ہیں۔ اور کیا۔“

”اوہ دیکھئے۔“ یک بیک روشی سنجیدہ ہو گئی۔ ”میرا شوہر آ رہا ہے وہ ایک احمق اور بدگمان

آدمی ہے۔ آپ محتاط رہیں تو بہتر ہے۔“

اس کے بعد وہ بلند آواز میں کہنے لگی۔ ”جی نہیں میں نے خیمے کے آس پاس تو کسی بھی

ڈاڑھی والے کو نہیں دیکھا۔“

عمران قریب پہنچ گیا تھا اور اس کے چہرے پر وہی قدیم حماقت اٹھیلیاں کرتی پھر رہی تھی۔

”کک.... کیا بات ہے۔“ اس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں روشی سے پوچھا۔

”کچھ نہیں ڈیئر۔“ روشی نے متحیرانہ آواز میں کہا۔ ”یہ لوگ اسی آدمی کی تلاش میں ہیں

جس نے پچھلی رات یہاں ہنگامہ کرایا تھا۔“

”اوہ.... مم.... مگر ہم کیا جانیں۔“

”مائی ڈیئر“ روشی آنکھیں نکال کر اور انگلی نچا کر بولی۔ ”ہر وقت فلسفیوں کی طرح نہ سوچا

کر۔ یہ شریف آدمی کب کہتے ہیں کہ وہ میرا ماموں یا تمہارا چچا تھا۔“

”پھر کیا بات ہے۔“ عمران نے ان لوگوں کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”کچھ نہیں یہ صرف اتنا پوچھ رہے تھے کہ میں نے اپنے خیمے کے آس پاس کوئی ڈاڑھی والا تو

نہیں دیکھا۔“

”دیکھا تھا تم نے؟“ عمران نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

”نہیں۔“

”بس تو پھر اب آپ لوگ جاییے۔“ عمران ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”انہوں نے نہیں دیکھا تھا۔“

”آپ نے تو نہیں دیکھا تھا۔“ ایک آدمی نے مسکرا کر پوچھا جس کی آنکھوں میں شرارت

ناچ رہی تھی۔

”میں کیوں بتاؤں۔“

”اوہ.... ڈیئر....“ روشی اسے چکار کر بولی۔ ”بتا دو اگر دیکھا ہو۔“

”نہیں دیکھا تھا۔“ عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”مگر میں یہ صرف تمہیں بتا رہا ہوں۔“

”نہیں جناب۔“ روشی ان لوگوں سے بولی۔ ”مجھے یقین ہے کہ انہوں نے نہ دیکھا ہوگا۔

ورنہ مجھے ضرور بتا دیتے۔“

وہ لوگ آگے بڑھ گئے اور روشی عمران کے پیچھے چلنے لگی۔ ایک جگہ اس نے مڑ کر دیکھا۔ وہ

لوگ بھی مڑ مڑ کر اسے دیکھ رہے تھے۔ روشنی ہنسی اور ان کے لئے ہاتھ ہلایا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سب کچھ عمران سے چھپا رہی ہو۔

”عمران خیمے کے قریب پہنچ کر اس کی طرف مڑا اور آہستہ سے بولا۔

”تم بہت اچھی جا رہی ہو۔ غالباً تم نے ان پر یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ میں نہ صرف تمہارا شوہر بلکہ بالکل آلو کا پٹھا بھی ہوں۔“

”تم اپنے متعلق بالکل صحیح رائے رکھتے ہو۔ مجھے یہ معلوم کر کے بے حد خوشی ہوئی۔“ روتی مسکرائی۔

”ہاں۔ لیکن تم اس بات کا خیال رکھنا کہ یہ کبھی گواہ کی حیثیت سے عدالت میں نہ پیش ہو سکیں گے۔“

”کیا مطلب۔“

”یہی کہ ممکن ہے کبھی تم قانونی حیثیت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگو کہ میں الو کا پٹھا تمہارا شوہر بھی ہوں۔“

”اوہ تو کیا میں نے انہیں یہ باور کرا کے غلطی کی ہے۔“

”نہیں تو.... مجھے ہمیشہ اس کا اعتراف ہی رہا ہے کہ تم ایک ذہین عورت ہو۔“

”اب مجھے کیا کرنا ہوگا۔“

”وہی جو تم کرنا چاہتی ہو۔“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”میں انہیں اپنے اعتماد میں لینا چاہتی ہوں۔“

”فی الحال اس سے زیادہ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔“ عمران سر ہلا کر بولا اور وہ دونوں خیمے کے اندر چلے گئے۔



تویر آنکھیں بند کئے بستر پر پڑا ہوا تھا۔ جولیانے اسے آواز دی اس کے ہاتھ میں کافی کی پیالی تھی۔ تویر نے آنکھیں کھول دیں۔

”اوہ شکریہ۔“ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی اور وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ بیٹھ تو گیا لیکن شاید کراہوں کا روکنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔

جولیانے اُسے کافی کی پیالی دی اور آہستہ سے بولی۔ ”میں نے انہیں اصل واقعہ نہیں بتایا تھا۔ یہ کہہ دیا تھا کہ تم گفتگو کرتے کرتے اچانک بیہوش ہو گئے تھے۔“

”مگر میں اسے چھپانا نہیں چاہتا۔“ تویر پھر مسکرایا۔ ”یہ محض اتفاق تھا کہ ایسا ہو گیا۔ ورنہ میں اس کی ہڈیاں چور کر دیتا۔ میں نے دراصل کسی چیز سے ٹھوکر کھائی تھی ورنہ اس کے فرشتے بھی میرا ہاتھ نہ پکڑ سکتے۔ خیر اب تم مجھے ٹھیک ہو لینے دو۔ پھر دیکھنا۔“

جولیا کچھ نہ بولی۔ صرف اس انداز میں سر ہلا دیا جیسے وہ خود بھی عمران کا برا انجام دیکھنے کی متنی ہو۔ ویسے حقیقت تو یہ تھی کہ وہ تویر کی بکواس سن کر دل ہی دل میں ہنس پڑی تھی۔

تویر خاموشی سے چائے پیتا رہا۔ پھر پیالی اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ”چھبلی رات کیا ہوا تھا۔ میں نے سنا ہے کہ عمران نے تمہیں ناچنے اور چوبان کو اکاڑ دین بجانے پر مجبور کیا تھا۔“

”تم نے غلط نہیں سنا۔“

”آخر یہ کیا بیہودگی ہے۔ اگر میں ٹھیک ہوتا تو کیا وہ ایسا کر سکتا تھا۔“

”میرا خیال ہے اس کی ذمہ داری براہ راست ایکس ٹوپر عائد ہوتی ہے۔“ جولیا کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ”ورنہ عمران اس کی جرأت ہر گز نہیں کر سکتا کہ مجھے اس طرح کسی کام پر مجبور کرے۔“

”ایکس ٹوٹا انصاف ضدی اور ناقابلِ اندیش ہے۔“ تویر نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”میں تو اسے کبھی برداشت نہ کروں گا کہ عمران ایک آفیسر کی حیثیت سے ہمارے سروں پر مسلط کیا جائے۔“

”یہ نہ کہو تویر کیا تم نے شکرال میں عمران کی برتری تسلیم نہیں کی تھی۔“

”اوہ۔ وہ اور بات تھی۔ ہمارے ساتھ مجبوری یہ تھی کہ ہم شکرال نہیں بول سکتے تھے۔ مگر نہیں ہم میں ایک ایسا نہیں تھا۔ صفدر مگر وہ سو فیصدی عمران کا آدمی تھا.... ویسے میں صرف اپنے لئے دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر مجھے شکرال بولنی آتی ہوتی تو یہ عمران صاحب بھیک مانگتے رہ جاتے۔“

جولیا کچھ نہ بولی۔ اسے دراصل تویر کی اس بکواس پر غصہ آ رہا تھا۔ لیکن اس نے اس وقت غصہ ظاہر کرنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ اب عمران کے متعلق گفتگو ہی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ تویر بھی



خاموش ہو گیا لیکن جیسے ہی جولیا نے اٹھنا چاہا اس نے کہا۔ ”بیٹھو۔ خدا کے لئے ذرا دیر اور بیٹھو۔ مجھے بتاؤ کہ کچھیلی رات والی حرکت کا مقصد کیا تھا۔“

”تویر۔ کیا تم مجھے صفدر کے متعلق کچھ بتا سکو گے کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور اس نے کیا چیز عمران کے حوالے کی ہے۔“

”میں نہیں جانتا۔“

”پھر تم مجھ سے وہ بات کیوں پوچھ رہے ہو جس کا مجھے علم نہیں ہے۔“

”میں نے کہا ممکن ہے اس نے تمہیں بتایا ہو۔“

”وہ کسی کو کچھ نہیں بتاتا۔“ جولیا نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ ”لیکن وہ عورت روشنی ہم سب سے زیادہ جانتی ہوگی۔“

”تم دیکھو نا خود ہمارا آفیسر ہی قوانین کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ آخر ایکس ٹو کسی ایسے آدمی کو اس قسم کے کام کیوں سونپتا ہے جس کا رویہ غیر ذمہ دارانہ ہو۔ کیا یہ ہمارے محکمے کے قوانین کے خلاف نہیں ہے کہ کوئی ایسا آدمی ہمارے رازوں میں شریک ہو جو ہم سے کسی قسم کا بھی تعلق نہ رکھتا ہو۔ میرا اشارہ اسی عورت کی طرف ہے۔“

”خیر اب تم آرام کرو۔“ جولیا مسکرائی۔ ”جتنا سوچو گے اتنا ہی تمہیں غصہ آئے گا اور یہ تم جانتے ہی ہو کہ خالی خولی غصے سے اپنی ہی صحت کو نقصان پہنچاتا ہے۔“

”کہہ لو۔ تم بھی مضحکہ اڑاؤ۔ لیکن تم بہت جلد سنو گی کہ میں نے عمران کو قتل کر دیا۔“

جولیا نے اس خیال پر کوئی تبصرہ کئے بغیر کافی کی پیالی اٹھائی اور خیمے سے نکل گئی۔



عمران نے رائفل کا نہ ہ سے لوٹائی اور باہر نکلنے ہی والا تھا کہ روشنی اسے روک کر بولی۔

”آخر اس معاملے کا اختتام کہاں اور کیسے ہو گا۔“

”کیا تم آج کل اس معاملے کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچ رہی۔“

”ہاں۔ آج کل میزے ذہن میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں رہتا۔“

”تب مجھے یقین ہے کہ تم کوئی بڑا کارنامہ انجام دے سکو گی۔“

”مگر تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔“

”دیکھو روشنی۔“ عمران ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ”میرا اندازہ ہے کہ یہ لوگ ملک میں زہر پھیلا رہے ہیں اور یہ کوئی بہت بڑی تنظیم ہے لہذا یا تو کوئی اعلیٰ پیمانہ پر اس کے خلاف قدم اٹھایا جائے یا پھر سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ اس تنظیم کے سربراہ پر ہاتھ ڈال دیا جائے اعلیٰ پیمانہ کے اقدام کا جہاں تک تعلق ہے وہ ملک اور ملک کی پُر امن فضا کے لئے سود مند ثابت نہ ہو گا۔ کیونکہ اعلیٰ پیمانہ پر کوئی کام شروع کرنے کا یہ مطلب ہے کہ عام آدمی کو بھی اس سازش کا علم ہو جائے لیکن اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہو سکتا۔ بیسویں صدی کے نصف کے بعد کا ذہن جھنجھلاہٹ کا شکار ہے۔ تم جانتی ہو کہ تخریب پسندی کی بنیاد جھنجھلاہٹ ہی پر ہوتی ہے اور جھنجھلاہٹ تخریب کاری کے لئے یہاں تلاش کرتی رہتی ہے اور تم یہ بھی جانتی ہو کہ غیر یقینی حالات نے آدمی کو مستقبل سے مایوس کر دیا ہے لہذا وہ ہر چمکدار چیز کے پیچھے دوڑنے لگتا ہے۔ خواہ وہ آگ ہی کیوں نہ ہو۔ اگر یہ تنظیم منظر عام پر آگئی تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جھلائے ہوئے ذہنوں کی ہمدردیاں حاصل کر لے، ظاہر ہے کہ دنیا کی ہر تنظیم اپنے جواز کے لئے بہترین قسم کے دلائل رکھتی ہے۔ اگر وہ دلائل ان جھلائے ہوئے ذہنوں نے تسلیم کر لئے تو جانتی ہو کیا ہو گا پھر یہ ہو گا روشنی کہ اس آگ کے لئے سات سمندر بھی ناکافی ہوں گے۔ لہذا میں اس سانپ کو بانی سے باہر نکلنے سے پہلے ہی کیوں نہ ختم کر دوں.... اور اسے ختم کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اس کے سر کو کچل دیا جائے۔ یعنی اس تنظیم کے سربراہ کی گردن دیوچ لی جائے۔“

”اوہ۔ عمران ڈیر۔“ روشنی تھیر آمیز مسرت کا اظہار کرتی ہوئی بولی۔ ”تم یہ سب کچھ بھی سوچ سکتے ہو۔“

”میں آج کل ہر وقت سنجیدہ رہتا ہوں روشنی۔ حقیقت میں بہت پریشان ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ زہر عام آدمیوں میں نہ پھیلنے پائے۔“

روشنی اُسے حیرت سے دیکھتی رہی اور عمران خیمے سے نکل آیا.... آج وہ شکار کے لئے چڑھائی پر جانا چاہتا تھا۔

کیمپ کے خاردار تاروں کے باہر اسے شکاریوں کا مجمع نظر آیا۔ عمران ان کی طرف تو۔

دیسے بغیر چلتا رہا۔

واپس نہ آؤں تو اسے بتا دیا جائے گا کہ تیرے گدھے شوہر نے کسی درندے کو کھالیا۔“

شکاری اس طرح خاموش کھڑا تھا جیسے خود اس سے کوئی جرم سرزد ہو گیا۔

پھر عمران آگے بڑھتا چلا گیا۔ بالکل اسی انداز میں جیسے کسی فلم کا ناکام عاشق محبوبہ کی بیوفائی کی تاب نہ لا کر افق کے پار چلے جانے کا عہد کر بیٹھا ہو۔

وہ چلتا رہا حتیٰ کہ کیمپ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ یہ راستہ جس پر وہ چل رہا تھا گھنی جھاڑیوں کے درمیان پیچ و خم کھاتا ہوا چڑھائی تک چلا گیا تھا۔ اچانک ایک جگہ عمران رک گیا۔ کیونکہ اس کے سامنے ایک کچم شخیم بوڑھا آدمی اس انداز میں دونوں ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا۔ جیسے اس کا راستہ روک رہا ہو۔ اس کے ٹخنوں سے کمر تک گیر وے رنگ کا ایک تہہ لپٹا ہوا تھا اور اوپر کا جسم برہنہ تھا۔ سفید گھنی ڈاڑھی سینے تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ عمر کے اعتبار سے حیرت انگیز طور پر تندرست تھا۔ آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں۔

”خدا کے لئے آگے نہ بڑھو۔“ اس نے لجاجت آمیز لہجے میں کہا۔ ”جانوروں پر رحم کرنا سیکھو۔ خدا تم پر رحم کرے گا۔“

”واقعی.....“ عمران خوش ہو کر بولا۔ اب وہ پھر احق نظر آنے لگا تھا۔

”ہاں۔“ بوڑھا بھی اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

”مگر میں تو جنگل میں خیر سگالی کے مشن پر آیا ہوں۔“ عمران نے تشویش کن لہجے میں کہا۔

”خیر سگالی کا مشن.....“

”جی ہاں۔ یہ رانفل کسی لگژری گز کو اپنی جماعت کی طرف سے تحفہ پیش کروں گا۔“

”آپ میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش کر رہے ہیں صاحب زادے۔“ بوڑھے نے نرم لہجے میں کہا۔ ”آپ میرے منہ پر تھوکتے۔ میرے جسم کو اپنے پیروں تلے کچلے لیکن میں آپ کو ادھر نہیں جانے دوں گا۔ وہ بے زبان جانور آپ کی بستی میں نہیں جاتے۔ وہ اپنی تفریح کے لئے آپ کا خون نہیں بہاتے۔“

”اسی لئے تو میں جانوروں کی اتنی عزت کرتا ہوں۔“

”لڑکے بہتر یہ ہے کہ میرا مذاق اڑانے کی بجائے میرے منہ پر تھوک دو۔“

”بڑے میاں کیا تمہیں آدمیوں پر رحم نہیں آتا۔“ عمران نے پوچھا۔

”اے..... مسٹر..... کیا نام ہے آپ کا۔“ عمران نے کسی کو پکارتے سنا اور غیر ارادی طور پر آواز کی طرف مڑ گیا۔

ایک شکاری ہاتھ ہلا کر اسے واپس آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ عمران رک گیا اور وہ شکاری خود ہی تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا۔

”آگے تارک بابا موجود ہے۔“ اس نے کہا۔

”تارک بابا.....“ عمران نے احقانہ انداز میں دہرایا۔ ”یہ کیا ہوتا ہے۔“

”اوہ..... وہ جانوروں کا بابا ہے۔“

”میں جانوروں کا خالو ہوں۔“ عمران نے غصیلی آواز میں کہا۔

شکاری ہنس پڑا۔ عمران نے اسے پہچان لیا تھا۔ یہ انہیں شکاریوں میں سے ایک تھا جو کچھ دیر پہلے ڈاڑھی والے کے متعلق روشنی سے پوچھ گچھ کر رہے تھے۔

”آپ خواہ مخواہ خفا ہو رہے ہیں۔“ اس نے کہا۔ ”وہ آپ کو آگے نہیں بڑھنے دے گا اور آپ کے قدموں پر گر پڑے گا..... دھاڑیں مار مار کر روئے گا۔“

”اچھا۔“ عمران نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

”وہ کہتا ہے کہ خدا نے تمہیں آدمی بنایا ہے۔ بے زبان جانوروں پر رحم کرو۔“

”ارے واہ۔“ عمران نے احقانہ انداز میں تہقہ لگایا۔ پھر سنجیدہ ہو کر آہستہ سے بولا۔ ”میں اس کے قدموں پر گر جاؤں گا اور دھاڑیں مار مار کر روؤں گا اور اس سے کہوں گا کہ میں ایک ایسی عورت کا شوہر ہوں جو مجھے بیوقوف سمجھتی ہے اس لئے مجھے جانور تو کیا خود آدمیوں کو بھی مار دینے کا حق حاصل ہے۔ کیا آپ وہی نہیں ہیں، جو ایک ڈاڑھی والے کو تلاش کر رہے تھے۔“

”جی ہاں۔ میں وہی ہوں۔“

”اور آپ نے محسوس کیا ہو گا کہ وہ مجھے کس طرح الو بنا رہی تھی۔“

”نہیں جناب..... میں نے تو.....!“

”آپ غلط کہہ رہے ہیں۔ آپ نے محسوس کیا تھا اور آپ مسکرا رہے تھے۔“ عمران نے

غصیلے لہجے میں کہا اور جانے کے لئے مڑ گیا۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ پھر مڑا اور شکاری سے بولا۔

”میں یہاں اپنی جان دینے آیا ہوں تاکہ اس عورت سے پیچھا چھوٹ جائے۔ اگر میں شام تک

”کیوں۔“

”دنیا میں بہترے آدمی۔ آدمیوں سے جانوروں کا سا برتاؤ کرتے ہیں تم انہیں چھوڑ کر جنگل میں کیوں آئے ہو۔“

”کچھ بھی ہو۔ میں آپ کو ہرگز نہ جانے دوں گا۔“ وہ عمران کے پیروں پر گرنا ہوا بولا۔ لیکن ٹھیک اسی وقت عمران نے ایک چیخ سنی جو اوپر سے آئی تھی.... چڑھائی سے جہاں دور تک سد بہار درخت بکھرے ہوئے تھے۔

”یہ کسی آدمی کی چیخ تھی....“ عمران نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔  
”ہاں تھی تو....“

”شاید کسی جانور نے اس پر حملہ کیا ہو۔“  
”ہو سکتا ہے۔“ بوڑھا آدمی زمین سے اٹھتا ہوا بولا۔  
”آئیے دیکھیں۔“

”ہاں.... ہاں.... مگر آپ کسی جانور پر رائل نہیں چلائیں گے۔“

عمران کچھ نہ بولا۔ وہ بوڑھے کو ایک طرف ہٹا کر آگے بڑھ گیا۔ چیخ پھر سنائی دی اور عمران آواز کی طرف دوڑنے لگا۔ اس نے کاندھے سے رائل اتار کر دوڑتے ہوئے دو ہوائی فائر بھی کئے۔ بوڑھا اس کے پیچھے دوڑتا ہوا چیخ رہا تھا۔ ”نہیں نہیں۔ تم فائر نہیں کرو گے۔“

عمران اس سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ اس نے اس کے متعلق یہی اندازہ لگایا تھا کہ وہ کوئی پڑھا لکھا چالاک آدمی ہے اور شہرت حاصل کرنے کے لئے اس قسم کی حرکتیں کر رہا ہے۔ ہو سکتا ہے آنے والے انتخاب میں امیدوار کی حیثیت سے کھڑا بھی ہو رہا ہو۔ اس نے اس سے پہلے بھی ایسے بہترے تارک اور مہاتما دیکھے تھے اور ان کے متعلق کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ لوگ محض شہرت حاصل کرنے کے لئے بہت وقت برباد کر دیتے ہیں اور ”خدمت“ کا موقع ان ”پیچاروں“ کو بہت کم ملتا ہے۔

وہ دوڑتا رہا اور پھر ایک جگہ اسے اس طرح رکنا پڑا کہ اس کے جسم کو جھکا سا لگا۔ وہ بہت مشاق آدمی تھا۔ ورنہ گر پڑنے میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔ یا پھر یہ بھی ممکن تھا کہ وہ کسی درخت کے تنے سے ٹکرا جاتا۔

اس سے تقریباً بیس گز کے فاصلے پر ایک آدمی پڑا ٹپ رہا تھا اور اس کے سینے سے خون کا فوارہ سا جھوٹ رہا تھا۔

عمران جھپٹ کر اس کے قریب پہنچا۔ زخمی کے ہونٹ انتہائی کرب کے عالم میں کھلتے اور بند ہوتے رہے۔ دفعتاً اس کے حلق سے ایک لرزادینے والی چیخ نکلی.... یہ تین الفاظ تھے جنہوں نے چیخ کی شکل اختیار کر لی تھی۔ عمران نے صاف سنا تھا اور ان الفاظ کو سمجھنے میں بھی غلطی نہیں کی تھی۔ زخمی نے چیخنے کے انداز میں ”رائی کا پر بت“ کہا تھا اور یہ اس کی آخری چیخ تھی کیونکہ اس کے بعد ہی اس کا جسم ساکت ہو گیا تھا۔

عمران نے بوڑھے کی طرف دیکھا جو آنکھیں پھاڑے لاش کی طرف دیکھ رہا تھا۔  
”یہ کون ظالم تھا۔“ بوڑھے نے آہستہ سے کہا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ پھر عمران نے اسے لاش پر گرتے ہوئے دیکھا۔ وہ اس کے منہ پر منہ مل کر کہہ رہا تھا۔ ”میرے بچے میرے لال تمہیں کس نے مارا.... اے خدا.... اے خدا.... آدمی پر رحم کر.... آدمی پر رحم کر میرے معبود۔ اسے انسانیت کی راہ سے نہ بھٹکنے دے۔“

عمران اسے چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ وہ مرنے والے کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ یہ وہی شکاری تھا پچھلی رات بلیک زیرو نے جس کی آستین پھاڑی تھی اور عمران نے مشعل کی روشنی میں جس کے بازو پر توپ کی تصویر دیکھی تھی۔ اس کے سینے پر کسی دھاردار چیز سے حملہ کیا گیا تھا عمران نے اس کے سینے پر دوزخم دیکھے تھے۔

وہ کافی دیر تک حملہ آور کو تلاش کرتا رہا۔ لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ وہ پھر لاش کی طرف واپس آیا بوڑھا دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے لاش کے قریب دوزانو بیٹھا ہوا تھا۔

اس ماحول میں وہ آج سے ہزاروں سال پہلے کا آدمی معلوم ہو رہا تھا۔ نیم عریاں گرائڈیل اور نولاد کے بازو رکھنے والا اس کی سفید ڈاڑھی سینے پر پھیلی ہوئی تھی۔

عمران نے قریب جا کر آہستہ سے اس کا شانہ جھوا بوڑھے نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں کچھ اور زیادہ سرخ ہو گئی تھیں۔

”کیا یہ آپ کا کوئی عزیز تھا۔“ عمران نے پوچھا۔

”کیا تم میرے عزیز نہیں ہو۔“ بوڑھے نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”کیا آپ پہلے سے اسے جانتے ہیں۔“

”میں ازل ہی سے سب کو جانتا ہوں۔ فرشتوں نے خدا سے میرے متعلق کہا تھا کہ یہ زمین پر بڑا فتنہ فساد برپا کرے گا اور خود میں نے بھی یہی محسوس کیا تھا۔“

”دیکھو بڑے میاں یہ ایک آدمی کی لاش ہے کسی جانور کی نہیں اس لئے اگر تم اپنا فلسفہ دوسرے وقت کے لئے اٹھا رکھو تو بہتر ہے۔“

”یہ میری لاش ہے۔ یہ تمہاری لاش ہے یہ ساری دنیا کی لاش ہے۔ میرے خدا میں کیا کروں۔ میں کیا کروں میرے مالک تو نے مجھے سڑے ہوئے کچھڑے بنایا تھا لیکن میں غرور سے تن گیا تو نے مجھے زمین پر پھینکا تھا مگر میں ہر وقت آسمان پر رہتا ہوں۔ میرے معبود میں کیا کروں۔“

”تم یہ کرو بڑے میاں کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ ابھی تھوڑی دیر بعد جھرگ ناری چوکی کا ہیڈ کانسٹیبل آئے گا اور تم آسمان سے نیچے اتر آؤ گے۔ لہذا اگر پہلے ہی اتر آؤ تو کیا حرج ہے۔ ہم دونوں کی مٹی پلید ہونے والی ہے اس لئے تمہیں سڑے ہوئے کچھڑا بھی مزہ آجائے گا۔“

”کیا مطلب۔ میں نہیں سمجھا۔“ بوڑھے نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

”یہ لاش صرف میں نے اور تم نے دیکھی ہے۔ لہذا پولیس والے ہم دونوں ہی میں سے کسی ایک کو پھانسنے کی کوشش کریں گے۔“

”تو کیا ہوگا.... اس سے کیا ہوگا.... کیا ساری دنیا کے آدمی پھنس جائیں گے۔ اگر ہم دونوں پھانسی پا جائیں تو کیا زندگی ختم ہو جائے گی۔“

”زندگی ختم ہو یا نہ ہو مگر میری نالائق بیوی ضرور بیوہ ہو جائے گی اور میں یہی چاہتا ہوں۔ اچھا اب تم ہی بتاؤ کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔“

”مجھ پر اس قتل کا الزام عائد کرو۔“ بوڑھے نے سنجیدگی سے کہا۔ ”اگر میں تمہیں راہ میں نہ روکتا تو شاید یہ بچ بچا بھی جاتا۔ اب میں جا رہا ہوں۔ خود ہی چوکی والوں کو بلا کر لاؤں گا۔ ان سے کہوں گا کہ مجھ کو گرفتار کر لو۔ اگر تم اس جھجھٹ سے بچنا چاہتے ہو تو میں تمہارا نام بھی نہ لوں۔“

”مجھے اس زحمت سے بچالو۔ پیارے بابا۔“ عمران نے گھٹکھیا کر کہا۔

”بچالوں گا۔ صاف بچالوں گا۔ خواہ خود پھانسی کے تختے پر پہنچ جاؤں۔“ بوڑھے نے کہا اور اچھل کر ڈھلان میں دوڑتا چلا گیا۔ اس عمر میں اس کے پھر تپتے پن اور تیز رفتاری پر عمران

نش کر رہا تھا۔

اس کے نظروں سے ادھمیل ہوتے ہی عمران لاش پر جھک پڑا اور بڑی تیزی سے اس کی جامہ تلاشی لے رہا تھا۔



بوڑھے نے عمران کا نام نہیں لیا تھا۔ لیکن عمران پولیس کی تفتیش سے بچ نہ سکا۔ کیونکہ بہتروں نے عمران کو چڑھائی کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ ہو سکتا ہے اسی وقت کچھ اور شکاری بھی چڑھائی پر رہے ہوں۔ لیکن ان کا نام نہیں آنے پایا۔ خود مقتول کے متعلق اس کے ساتھیوں کو بھی علم نہیں تھا کہ وہ اس وقت جنگل میں موجود ہے۔ بوڑھا خود ہی چوکی کے ہیڈ کانسٹیبل کو جائے واردات پر لایا تھا اور اس نے بیان دیا تھا کہ وہ خود ہی اس کے قتل کا ذمہ دار ہے اگر وہ شکاریوں کو جنگل میں جانے سے نہ روکتا تو شاید وہ آدمی جو اکیلا پڑ گیا تھا اس طرح قتل نہ ہوتا۔

عمران نے محسوس کیا کہ پولیس والے نہ تو اس کے بیان کی تردید کر رہے ہیں اور نہ اس سے جرح کر رہے ہیں اور نہ اسے بولنے سے روکتے ہی ہیں۔ بس وہ سن رہے تھے اس کی باتیں۔ بالکل اسی انداز میں جیسے وہ اس کے مقابلے میں بالکل حقیر ہوں۔ بعد میں عمران کو معلوم ہوا کہ اس علاقے کے لوگ اس کا بے حد احترام کرتے ہیں اور اس سے خائف بھی ہیں۔

مزید چھان بین کرنے پر عمران کو معلوم ہوا کہ وہ بہت مشہور آدمی ہے۔ سرکاری حلقوں میں وہ تیاگی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور منجھے ہوئے سیاست دانوں میں اس کا شمار تھا۔ لیکن اب اسے سیاست سے دلچسپی نہیں رہ گئی تھی بلکہ سماج سدھار کے سلسلے میں اکثر اس کا تذکرہ اخبارات میں آتا رہتا تھا۔

جب تک دوسروں نے عمران کے متعلق یہ نہیں بتایا کہ وہ بھی چڑھائی پر گیا تھا بوڑھے نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ مگر جب اس کا نام آ ہی گیا تو اس نے پولیس والوں کو بتایا کہ جب وہ عمران کو چڑھائی پر جانے سے روک رہا تھا تو اس نے دو چیچیں سنی تھیں۔ چوکی کے ہیڈ کانسٹیبل نے عمران کا بیان بھی لیا۔ عمران نے اپنا نام میک فلکنس لکھوایا۔

”شاباش.... تمہارے جسم میں اچھا خون ہے اور اچھی روح ہے ایک خاص ہدایت سنو اور اسے اپنے حلقے کے لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کرو۔ پہچان کے لئے صرف پاسورڈ کافی ہیں۔ بازو کے نشانات مشتبہ ہو گئے ہیں۔ اُور....“

”ہدایت کا اعلان کر دیا جائے گا.... اُور....“

”اُور اینڈ آل۔“ دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ گفتگو ختم ہو گیا۔

عمران نے فوراً ہی اپنا ٹرانسمیٹر نکالا اور جولیا کو مخاطب کیا۔

”لیس سر“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”صفدر اب کیسا ہے۔“

”ٹھیک ہے جناب۔ اب وہ پھر کہتا ہے کہ میں کام کرنے کے قابل ہوں اس لئے بے کار نہیں بیٹھنا چاہتا۔“

”اچھا تو اسے عمران کے پاس بھیج دو۔“

”بہت بہتر۔ لیکن عمران یہاں کیا کر رہا ہے۔“

”جو کچھ بھی کر رہا ہے بہتر کر رہا ہے۔ مجھے علم ہے کہ تمہیں پچھلی رات ناچنا بہت ناگوار گزرا تھا لیکن وہ بہت ضروری تھا۔“

”کیا ہمیں اس کا مقصد نہیں معلوم ہو سکے گا۔“

”ابھی نہیں۔“

عمران نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔ روشنی اسے تشویش کن نظروں سے دیکھتی رہی۔

”ہاں“ ٹرانسمیٹر کو صندوق میں رکھ کر اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”وہ شکاری محض اس لئے مار ڈالا گیا کہ پچھلی رات کے ہنگامے میں اس کی آستین پھاڑا لی گئی تھی اور اس کے بازو پر توپ کی تصویر دکھ لی گئی تھی اس تنظیم کے کسی آدمی کو شبہ ہو گیا ہے کہ کوئی توپ کے نشانات کے متعلق چھان بین کر رہا ہے۔“

”اوہ“ روشنی کچھ سوچنے لگی پھر بولی۔ ”کیا اسے بوڑھے آدمی نے نہیں روکا تھا۔“

”ہو سکتا ہے کہ وہ بوڑھے کے وہاں پہنچنے سے قبل ہی چڑھائی پر پہنچ گیا ہو۔“

”حاموش رہو شاید صفدر آ رہا ہے۔“

مقتول شکاری کے ان ساتھیوں نے جو پچھلی رات اس کے حمایتی بن گئے تھے بتایا کہ وہ اسے زیادہ دنوں سے نہیں جانتے تھے ان کی ملاقات جھرگ نار ہی میں ہوئی تھی اور وہ اس کے گہرے دوست بن گئے تھے۔

ظاہر ہے ان کے اس بیان پر عمران کی رگ تجسس پھڑکنے لگی ہوگی اور وہ اس فکر میں پڑ گیا ہوگا کہ کسی طرح ان چاروں آدمیوں کے بھی بازو دیکھے جائیں۔

شام سے پہلے پولیس والوں سے چھکارا نہ مل سکا۔

اور پھر جب عمران خیمے میں واپس گیا تو روشنی نے بتایا کہ توپ نمائرا نسیمیٹر سے کئی بار سیٹی کی

آواز آچکی ہے۔

”انہیں شبہ ہو گیا ہے۔ روشنی۔“ عمران نے کہا۔ ”اگر یہ بات نہ ہوتی وہ شکاری کیوں مارا جاتا اور شاید وہ اسی تصویر کی وجہ سے مارا گیا ہے جس کے دیکھنے کے لئے بلیک زیرو نے اس کی قمیض پھاڑی تھی۔“

”وہ بوڑھا کون تھا۔“ روشنی نے پوچھا۔

عمران نے اسے بوڑھے کے متعلق بتاتے ہوئے کہا۔ ”وہ عجیب و غریب شخصیت کا مالک ہے۔ میں اس سے پہلے صرف اس کا نام سنتا رہا ہوں۔“

”میں نے بھی سنا ہے کہ وہ اکثر شکاریوں کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور انہیں شکار کے لئے نہیں جانے دیتا.... لیکن وہ شکاری کیوں مار ڈالا گیا۔“

”کسی دن تم بھی اسی طرح مار ڈالی جاؤ گی۔“ عمران اداس ہو کر بولا۔ ”وہ لوگ جو مجھے برا بھلا

کہتے ہیں اسی طرح مار ڈالے جاتے ہیں۔“

دفعتاً ایک گوشے میں رکھی ہوئی باسکٹ سے سیٹی کی آواز آئی اور وہ اسی طرف چھپا۔

ٹرانسمیٹر نکال کر اس نے کہا۔ ”تھرٹی تھری گن تھرٹی تھری پلیز اُور۔“

پھر اس نے توپ کا دہانہ کان سے لگایا۔ آواز آئی۔ ”گن تھرٹی تھری تم کیسے ہو.... اُور....“

”میں نہیں جانتا کہ کتنی دیر کی بے ہوشی کے بعد اٹھا ہوں.... اُور۔“

”کیا تم سمجھتے ہو کہ تم وہاں زیادہ دنوں تک نہیں ٹھہر سکو گے اُور۔“

”میں یہیں مرجانا پسند کروں گا اُور....“

”کیا میں اندر آسکتا ہوں۔“ باہر سے آواز آئی۔

”ضرور.... ضرور....“ عمران بولا اور روشی کو اشارہ کیا کہ وہ باہر چلی جائے۔

صفدر پردہ اٹھا کر اندر آیا اور روشی باہر چلی گئی۔

”بیٹھے مسٹر صفدر۔“ عمران نے بید کی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ ”اب آپ اچھے ہیں میرا

خیال ہے کہ اب میں آپ کی بعض خواہشات پوری کر سکوں گا۔ ایکس ٹو کا خیال ہے کہ آپ اس

کی پارٹی میں سب سے زیادہ کار آمد آدمی ہیں۔“

صفدر کچھ نہ بولا۔ وہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہا ہے۔

”سب سے پہلے تو آپ یہ بتائیے کہ آپ نے اس آدمی کی لاش کا کیا کیا تھا۔“

”میں نے اسے ایک چھوٹے سے غار میں دفن کر دیا تھا۔“

”گڈ۔ ہاں تو اب سنئے وہ ننھی سی توپ دراصل ایک مخصوص قسم کا ٹرانسمیٹر ہے۔“

”اوہ۔“

عمران اسے اس کے متعلق بتانے لگا اور اسے اچھی طرح سمجھا دیا کہ اس ٹرانسمیٹر کو کس

طرح استعمال کیا جاسکتا ہے۔

”اب میں چاہتا ہوں کہ آپ پھر وہیں واپس جائیں۔“ اس نے کہا۔

”آپ کو گن تھرٹی تھرٹی تھری کارول ادا کرنا ہے جو پیغامات آپ کو اس ننھے سے ٹرانسمیٹر پر

موصول ہوں انہیں مجھ تک پہنچا دیجئے۔ میرے ٹرانسمیٹر کا نمبر تھری سکس ہے اور آپ اپنے

ٹرانسمیٹر کا نمبر مجھے نوٹ کرادیجئے۔“

”تھری تھری۔“ صفدر بولا۔

”ٹھیک آپ کو ایک بیمار آدمی کارول ادا کرنا ہے مسٹر صفدر.... یعنی اس وقت آپ کا بیمار

ہونا لازمی ہے۔ جب آپ اس توپ نما ٹرانسمیٹر پر کسی سے گفتگو کرنے لگیں کچھ کھائے.... کچھ

کرائے.... آواز بھرائی ہوئی سی ہونی چاہئے تاکہ شناخت نہ کی جاسکے۔“

”میں سب سمجھ رہا ہوں۔“ صفدر سر ہلا کر بولا۔

”آپ کو خوف تو معلوم نہیں ہوتا مسٹر صفدر۔“

”ہرگز نہیں۔ کیا اب آپ میری توہین کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔“ صفدر کے ہونٹوں پر

خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی۔

”بس مسٹر صفدر.... جب آپ کو واپس بلانا مقصود ہوگا تو آپ کو ٹرانسمیٹر پر اطلاع دیں،

جائے گی.... اور وہاں۔ جب بھی آپ کسی قسم کا خطرہ محسوس کریں مجھے فوراً اطلاع دیں۔ آپ کی

مدد کی جائے گی۔ اس کا ذمہ ایکس ٹو نے لیا ہے۔“

تھوڑی دیر بعد صفدر چلا گیا اور عمران نے اپنا ٹرانسمیٹر نکالا۔ توپ نما ٹرانسمیٹر وہ صفدر کے

حوالے کر چکا تھا اپنے ٹرانسمیٹر پر اس نے کیپٹن خاور کو متوجہ کیا۔

”یس سر۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”صفدر کہیں جانے کا ارادہ رکھتا ہے اس پر نظر رکھو۔“

”کیا اسے روک دوں جناب۔“

”نہیں۔ اس کا تعاقب کرو مگر اس طرح کہ اسے علم نہ ہونے پائے۔ تم اپنی ضروریات کا

مختصر سامان بھی ساتھ لے لینا۔ ممکن ہے صفدر کا سفر طویل ہو جائے۔“

”بہت بہتر جناب۔“

”جہاں بھی وہ قیام کرے اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر تم بھی اپنے لئے کوئی مناسب جگہ

تلاش کر لینا۔“

”بہت بہتر جناب ایسا ہی ہوگا۔“

”بس“ عمران نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔ روشی اس کے قریب ہی کھڑی سن رہی تھی۔ اس نے

کہا۔ ”آخر اس سے کیا فائدہ۔ صفدر پر یہ بات کیوں نہ ظاہر ہو کہ وہاں اس کا کوئی مددگار بھی

موجود ہے۔“

عمران مسکرایا۔ مسکراتا ہی رہا اور پھر بولا۔ ”تم جانتی ہو کہ ایکس ٹو عمران ہے۔ اس لئے

ناممکن ہے کہ عمران سے حماقتیں سرزد نہ ہوں۔“

”مگر آج کل تو تم بے حد سنجیدہ نظر آ رہے ہو۔“

”نگر نہ کرو۔ یہ بھی ایک طرح کی حماقت ہی ہے۔ تمہیں نہیں معلوم کہ میں اس طرح اپنی

محنت تباہ کر رہا ہوں.... اگر میں ایک دن سنجیدہ رہتا ہوں تو دوسرے دن میرا وزن کم از کم تین

پونڈ ضرور گھٹ جاتا ہے۔“

”مجھے خاور اور صفدر والی حماقت کا مقصد بتاؤ۔“

”کیوں نہ میں تمہیں اپنی اور تمہاری حماقت کا مقصد بتاؤں۔“

”چلو یہی بتا دو۔“ روشی مسکرائی۔

”میری اور تمہاری حماقت کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہاری شکل دیکھ کر بور ہوتا ہوں۔“

”تم جاؤ جہنم میں.... میں ابھی اور اسی وقت یہاں سے واپس جاؤں گی۔“ روشی جھلا گئی۔

”اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں تمہاری شکل یاد کر کے بور ہوتا ہوں گا۔“

”خود بڑے حسین ہیں۔“ روشی براسمانہ بنا کر جلے بھنے لہجے میں بولی۔

”کاش میں نے اپنے حسن سے فائدہ اٹھایا ہوتا۔“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”یقین

مانو اگر مجھے اس کا موقع ملا ہوتا تو اس وقت، ڈیڑھ درجن باپوں کا بچہ ہوتا.... اررر.... ہپ

یعنی.... بچوں کا باپ ہوتا۔“

”بکواس مت کرو۔ تم خود کو نہ جانے کیا سمجھنے لگے ہو۔“ روشی نے کہا اور خیمے سے نکل گئی۔

اس نے یہاں کئی دوست بنا لئے تھے۔



جولیا اپنے خیمے میں تنہا تھی۔ عمران نے پردہ ہٹایا اور اس سے اجازت طلب کئے بغیر اندر

داخل ہو گیا۔ جولیا اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا ارادہ تھا کہ اب عمران سے ملاقات ہونے پر اس

کی اچھی طرح خبر لے گی۔ لیکن نہ جانے کیوں اس کی شکل دیکھتے ہی سارا غصہ کافور ہو گیا۔ ہو سکتا

ہے کہ وہ عمران سے کئی باتیں اگلوانے کے چکر میں رہی ہو۔ اسی لئے بد مزاجی کا مظاہرہ کرنا

مناسب نہ سمجھا ہو۔

”کل کے بعد اب دکھائی دیئے ہو۔“ اس نے مسکرا کر شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

عمران اس طرح پلٹ کر پیچھے دیکھنے لگا جیسے جولیا نے یہ بات کسی دوسرے سے کہی ہو۔ پھر

متحیرانہ انداز میں بولا۔ ”مجھے تو کوئی بھی نظر نہیں آیا۔“

”کون؟ کیا کہہ رہے ہو۔“

”تم نے یہ بات کس سے کہی تھی۔“

”تم سے۔“

”مجھ سے“ عمران اپنے سینے پر دھپکے ہاتھ کا انگوٹھا مارتا ہوا بولا۔ ”اگر تم نے یہ بات مجھ سے

کہی ہے تو....“

”تم ہمیشہ فضول باتیں چھیڑ دیتے ہو اور کام کی باتیں رہ جاتی ہیں۔“

”اچھا تو آج نہ رہ جائیں کام کی باتیں۔“ عمران سر ہلا کر بولا اور ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

”سب سے پہلے تو یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے کچھلی رات پریشان کیوں کیا تھا۔“

”میں نے کیا پریشان کیا تھا۔“

”تم بہت اچھا ناچ رہی تھیں۔ لیکن چوہان بالکل کسی گدھے کی طرح اکارڈین بجا رہا تھا۔“

”یہ ناچ کیوں ہوا تھا۔“

”دیکھنے کے لئے مس فٹزر وائر۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ لوگ کتنے محظوظ ہو رہے تھے۔“

”تمہیں کیا حق تھا کہ مجھے اس طرح ذلیل کرو۔“ جولیا کو غصہ آ گیا۔

”تم کتنا اچھا ناچتی ہو۔“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”اگر ایکس ٹو کا خیال نہ ہوتا تو تمہیں دیکھتی۔“

”ہائیں۔ تو کیا ابھی تک تم نے میری طرف سے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔“

”تم نے تنویر کو کیوں مارا تھا۔ اس کی حالت اچھی نہیں ہے۔ کیا ایکس ٹو تمہیں اس کے لئے

معاف کر دے گا۔“

”نہ معاف کرے گا تو اسے بھی مار دوں گا۔“

”تنویر تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔“

”تو پہلے ہی کب اس نے مجھے زندہ چھوڑا ہے۔“

”تم نہیں بتاؤ گے۔“

”کیا۔“

”یہاں ہم لوگوں کی آمد کا مقصد۔“

”میں تو چاند میں شہد لگا کر چائے آیا ہوں۔“

”کیا مطلب۔“

”ہنی مون کا مطلب پوچھتی ہو۔“ عمران اسی انداز میں سر جھکائے ہوئے بڑبڑایا۔

”اوہ۔ تو تم نے شادی کر لی روشی سے۔“

”کیا؟“ عمران یک بیک اچھل پڑا۔ وہ جولیا کو غصیلی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں نہیں جانتا تھا کہ تم میرے دوستوں کی دشمن ہو۔“

”کیا بات ہوئی۔“

”بات یہ ہوئی کہ جس لڑکی سے میری شادی ہونے والی ہو اس کے لئے یہی بہتر ہو گا کہ اسے کسی چھوٹے سے صندوق میں بند کر کے اس کا دم گھٹ جانے کا انتظار کیا جائے.... پھر اگر تم میرے کسی دوست کے لئے یہ سوچو تو میں کیا سمجھوں گا۔“

”تم سے خدا ہی سمجھے گا۔“ جولیا دانت پیس کر بولی۔ ”تم مجھے بور کرنے کیوں چلے آتے ہو۔“

”میں تو تمہیں یہ بتانے آیا تھا کہ تم واقعی بہت اچھانا چتی ہو۔ میں کسی موقع پر تمہیں رات

بھر نچاؤں گا۔“

”میں تمہیں گولی مار دوں گی۔“

”تم جانتی ہی ہو کہ گولیوں سے بچنے کا آرٹ مجھے آتا ہے۔“

”جاؤ۔ خدا کے لئے مجھے بور نہ کرو۔ اگر تم اسی طرح ایکس ٹو کے لئے کام کرتے رہے تو میں

بہت جلد استعفیٰ دے دوں گی۔“

”پھر کیا میں تم سے ملنا چھوڑ دوں گا۔ تم جانتی ہو جب تم سے نہیں ملتا تو میری کیا حالت

ہوتی ہے۔“

”کیا حالت ہوتی ہے؟“ جولیا نے پراشتیاق لہجے میں پوچھا۔ یک بیک اس کے چہرے سے

جھلاہٹ کے آثار بالکل غائب ہو گئے تھے۔

”میں بے حد خوش رہتا ہوں۔“ عمران بے حد خوش ہو کر بولا۔

اور جولیا کے چہرے پر پہلے تو خفت کی زردی نظر آئی اور پھر وہ بہت زیادہ جھلا گئی۔

”بس اب جاؤ.... یہاں سے.... نکلو....“

”ایکس ٹو کی خواہش ہے کہ تم مجھے کبھی کبھی خود کو بور کرنے کی اجازت دے دیا کرو۔“



”ختم کرو۔“ جولیا ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”جنگل میں جو لاش ملی تھی اس کے پاس تم موجود تھے کیا قصہ ہے۔“

”قصہ! بہت دیر بعد تمہیں یاد آیا۔ یہ حال ہے کار کردگی کا۔“ یک بیک عمران کا موڈ بالکل بدل گیا۔

”کار کردگی۔ جہنم میں گنی کار کردگی۔ ہمیں علم کس بات کا ہوتا ہے۔ ہم کیا جانیں کہ کب کیا ہوتا ہے اور کسی واقعے کا ہماری ذات سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔“

”اب میں تم سے کہتا ہوں کہ مرنے والے کے ساتھیوں کا پتہ لگاؤ ان کی تعداد اس یکپ میں کتنی ہے۔“

”میں کیسے پتہ لگاؤں گی۔“

”جیسے باتیں بناتی ہو۔ کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ تم لوگ یہاں شکار کھیلنے کے لئے بھیجے گئے تھے۔“

”یقیناً جب تک ہمیں حالات کا علم نہ ہو ہم یہی سمجھیں گے۔“

”اتنا ہی علم کافی ہے کہ میں تمہیں یہ کام سونپ رہا ہوں کہ تم مرنے والے کے ساتھیوں کا

پتہ لگاؤ۔“

جولیا کچھ نہ بولی۔ عمران اٹھتا ہوا بولا۔ ”بس میں یہ کہنے آیا تھا مجھے کل نوبے تک رپورٹ

چاہئے۔“

”مگر ان لوگوں کو تو تم جانتے ہی ہو گے جن کے ساتھ وہ رہتا تھا ان پانچ آدمیوں نے اپنا

بیان پولیس کو دیا ہے۔“

”یہ ضروری نہیں ہے کہ صرف وہی پانچ ہوں۔“ عمران نے کہا اور خیسے سے نکل آیا۔



آخر کار وہ ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے گرد بھیڑ اکٹھا ہو گئی تھی اور وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

اچانک وہ داہنا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”تم سب جانوروں کا خون بہا کر خوش ہوتے ہو۔ مگر میں تمہیں اطلاع دیتا ہوں کہ ایک دن تمہارا بھی خون اسی طرح بہے گا۔ تم جانوروں کی طرح ذبح کر ڈالے جاؤ گے۔ میں ایک بہت بڑے خطرے کی بوسونگھ رہا ہوں۔ فضا میں بارود کے دھوکے کی مہک میں ابھی سے محسوس کر رہا ہوں حالانکہ خطرہ ابھی کچھ دور ہے۔“

”کیا یہ تیسری جنگ کی پیش گوئی ہے بابا۔“ کسی نے پوچھا۔

”نہیں یہ اس جنگ کی خبر ہے جب بیٹا باپ کو مارے گا۔۔۔۔۔ باپ بیٹے کی ٹانگیں چیر کر پھینک دے گا۔ بھائی بھائی کا گلا گھونٹے گا۔۔۔۔۔ اور سنو گے؟“

”یہ کون سی جنگ ہو گی بابا۔“ پھر کسی نے پوچھا۔

”یہ جنگ نہیں ہو گی۔ خدا کا قہر ہو گا۔ یہ بھی کوئی جنگ ہوئی کہ ایک جسم سے تعلق رکھنے والے دو ہاتھ ایک دوسرے کو نوچ کر رکھ دیں۔ کیا یہ خدا کا قہر نہیں ہو گا۔ اگر تم اپنا سارا جسم اپنے ہی دانتوں سے لہو لہان کر ڈالو۔“

دفعتاً مجمع سے ایک چیخ بلند ہوئی اور لوگ اچھل اچھل کر منتشر ہونے لگے۔ لیکن بات صرف اتنی سی تھی کہ ایک احمق نے اپنے ہی دانتوں سے اپنی کلائی لہو لہان کر لی تھی اور اب اس طرح منہ بنائے کھڑا تھا جیسے اس کی حماقت کا کوئی جواب ہی نہ ہو۔ جو لوگ اسے پہچانتے تھے بے ساختہ ہنس پڑے۔

ٹھیک اسی وقت ایک یوریشین عورت چیختی ہوئی مجمع میں داخل ہوئی اور زخمی آدمی کی کلائی پکڑ کر اور زیادہ چیخنے لگی۔۔۔۔۔ وہ بوڑھے کو بُرا بھلا کہہ رہی تھی۔

”تمہارے جسم میں کوئی خبیث روح ہے، بوڑھے تم نے اس پر جادو کر دیا ہے۔ تم قاتل ہو۔ تم لوگوں کو مجبور کرتے ہو کہ وہ خود ہی اپنی گردنیں کاٹ ڈالیں۔“

بوڑھا چند لمحے حیرت سے منہ پھاڑے اسے گھورتا رہا پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”تم سچ کہتی ہو میری بچی میں انتہائی گنہگار آدمی ہوں کہ میرے جسم میں کسی خبیث روح کا شبہ ہونے لگے۔ میں بہت گنہگار ہوں، میری بچی۔۔۔۔۔ ہاں میں نے قانون کے محافظوں سے کہا تھا کہ میں ہی

اس بد نصیب کا قاتل ہوں۔ لیکن انہوں نے مجھے گرفتار نہیں کیا۔“

”خاموش! اے واہیات عورت۔“ اس احمق آدمی نے کہا جس نے اپنی کلائی زخمی کر لی تھی۔

”اگر تم نے بابا کی شان میں کوئی نازیبا کلمہ اپنی زبان سے نکالا تو میں اس وقت۔۔۔ کیا کروں گا؟“

وہ اس طرح خاموش ہو کر سوچنے لگا جیسے کچ بچ اسے یاد نہ آ رہا ہو کہ اسے اس وقت کیا کرنا تھا۔

”کیا تم دونوں“ بوڑھا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”شوہر اور بیوی ہو۔“

”ہاں۔“ احمق شکاری سر ہلا کر بولا۔ ”یہ میری شوہر ہے اور میں اس کا بیوی ہوں۔“

دوسرے لوگ ہنس پڑے اور عورت دانت پیسنے لگی۔

وہ احمق آدمی کا گریبان پکڑ کر جھٹکا دیتی ہوئی بولی۔ ”چلو یہاں سے۔۔۔۔۔ ہٹو۔۔۔۔۔ تمہارا دماغ

بالکل خراب ہو گیا ہے۔“

بوڑھا انہیں جاتے دیکھتا رہا۔ دوسرے شکاری بے تحاشہ ہنس رہے تھے۔ اس بھیڑ میں جو لیا

بھی تھی۔ لیفٹیننٹ صدیقی، چوہان اور سارجنٹ نعمانی بھی تھے۔ ان کے منہ حیرت سے کھلے ہوئے

تھے۔ عمران اور روشی کی یہ مشترکہ حماقت کسی کی بھی سمجھ میں نہ آ سکی۔ کچھ دیر بعد بوڑھے نے

کہا۔ ”ہٹ جاؤ، میرے بچو۔۔۔۔۔ مجھے راستہ دو۔۔۔۔۔ لیکن میرے پیچھے کوئی بھی نہ آئے۔“

لوگ ہٹ گئے۔ بوڑھا آگے بڑھا۔ وہ اسی طرف جا رہا تھا جدھر عمران اور روشی کا رخ تھا۔

بعض لوگوں نے بوڑھے کے پیچھے جانا چاہا مگر دوسروں نے روک دیا۔

روشی اور عمران خیمے میں داخل ہو چکے تھے۔ بوڑھے نے باہر سے بلند آواز میں کہا۔ ”میری

بچی تم مجھے خبیث کہہ سکتی ہو۔۔۔۔۔ لیکن میرے بچے کی توہین نہیں کر سکتیں۔“

”ارے جاؤ۔۔۔۔۔ اپنا راستہ دیکھو۔“ اندر سے روشی کی آواز آئی۔ ”میں ان کا قیہ کر کے ڈال

دوں گی۔۔۔۔۔ دیکھتی ہوں میرا کوئی کیا بگاڑ لیتا ہے۔“

”میں تمہارا اطمینان بنا کر کھا جاؤں گا۔ تم قیہ کر کے دیکھو تو۔“ عمران کی خوفزدہ سی آواز

آئی۔ ”میرے پیارے بابا۔۔۔۔۔ اندر آ جاؤ۔۔۔۔۔ ورنہ یہ عورت مجھے قتل پر مجبور کر دے گی۔“

”تمہارے شوہر کی اجازت سے میں اندر آ رہا ہوں میری بچی!“ بوڑھے نے کہا اور خیمے میں

داخل ہو گیا۔ عمران ایک کرسی پر پڑا ہانپ رہا تھا اور روشی اس انداز میں کھڑی ہوئی تھی جیسے اس

سے پہلے بھی دو چار طمانچے جھاڑ چکی ہو۔

”تم کون ہوتے ہو دوسروں کے معاملات میں دخل انداز ہونے والے۔“ روشی بوڑھے پر

بٹ پڑی۔

”تم دوسرے نہیں اپنے ہی ہو۔ تم دونوں میرے بچے ہو۔ مجھے تم دونوں سے ہمدردی اور محبت ہے اور اگر تم ایسا نہیں سمجھتیں میری بچی.... تو مجھ پر پتھر چلاؤ اتنے پتھر مارو کہ میں یہیں ہلاک ہو جاؤں۔“

”ذرا مار کر تو دیکھیے.... میں اس کا آلیٹ....!“

”نہیں میرے بچے۔“ بوڑھا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”تم مت بولو۔“

”نہیں اسے بھی بولنے دو اور تم بھی بولو....“ روشی آنکھیں نکال کر بولی۔

”میں تم سے صرف یہ کہنے آیا ہوں میری بچی کہ تم میں مشرق کا بھی خون ہے اس لئے اپنے اجداد کی روحوں کو شرمندہ نہ کرو تمہارا تعلق اس مشرق سے ہے جہاں عورتیں اپنے شوہروں کو پوجتی ہیں۔“

”تم سیدھے بیٹھ جاؤ۔ میں تمہاری پوجا کروں گی۔“ روشی عمران کو گھونہ دکھا کر بولی۔

”بابا میں اپنی پوجا کرنا نہیں چاہتا۔“ عمران رو دینے والی آواز میں بولا۔

”تم اور بابا دونوں جہنم میں جاؤ۔“ روشی نے چیخ کر کہا اور خیمے سے باہر چلی گئی۔

عمران بیٹھا بسور تار ہا اور بوڑھا سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا رہا۔ اس کا سر سینے پر جھکا ہوا تھا۔ چوڑے چپکے بازوؤں کی مچھلیاں کچھ اور ابھر آئی تھیں۔

”بابا“ عمران بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”ابھی تم باہر کیا کہہ رہے تھے۔ جسے سن کر میرا دماغ

قابو میں نہ رہا اور میں نے۔“

عمران نے بوڑھے کو اپنی زخمی کلائی دکھاتے ہوئے اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

”میں تمہارے سینے میں ایک درد مند دل دیکھتا ہوں بچے.... میں جو کچھ بھی کہہ رہا تھا غلط نہیں کہہ رہا تھا۔ ایک بہت بڑا فتنہ سر اٹھانے والا ہے۔ میں بہت کچھ دیکھ رہا ہوں۔ لیکن لوگ مجھے پاگل سمجھتے ہیں۔ کبھی ملک میں بہت بڑے بڑے سیاست دان میری باتیں بہت غور سے سنتے تھے لیکن آج وہ مجھے اس قابل نہیں سمجھتے کہ مجھ سے گفتگو بھی کریں میں اگر کسی کو یقین بھی دلانا چاہتا ہوں کہ ملک کی فضا مکدر ہونے والی ہے تو وہ مجھے قہقہوں میں اڑا دیں گے۔ لیکن میری

آنکھیں نہ جانے کیا کیا دیکھ رہی ہیں۔

”کیا دیکھ رہی ہیں بابا۔ مجھے بھی بتاؤ۔“

”بتانے سے فائدہ۔“ بوڑھا ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”تم بھی میری طرح اپنا سر پیٹتے پھرو گے اور کوئی تمہاری باتوں پر یقین نہیں کرے گا۔“

”ہو سکتا ہے میں سر پیٹنے کی بجائے کوئی ٹھوس کام کر سکوں، چیونٹی کو بھی حقیر نہ سمجھنا

چاہئے بابا۔“

”بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ تم کبھی احمق معلوم ہوتے ہو اور کبھی عقلمند۔“ بوڑھا اس کی

آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”اچھا یہ بتاؤ تمہیں اس مرنے والے کی آخری چیخ یاد ہے۔“

”ہاں شاید یاد ہے۔“

”اس نے کیا کہا تھا۔“

”شاید۔ ملائی کا شربت کہا تھا۔“

”نہیں رائی کا پر بت کہا تھا۔“

”ہو سکتا ہے یہی کہا ہو۔“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔ ”مجھے شربت ہی یاد ہے میرے دادا جب

مرنے لگے تھے تو انہوں نے سگترے کا شربت مانگا تھا۔ اسی لئے میں نے کہا شاید اس نے بھی کسی

قسم کا شربت ہی مانگا ہو۔ ملائی کا شربت۔“

عمران خاموش ہو کر منہ چلانے لگا۔ جیسے سچ مچ ملائی کے شربت کی لذت محسوس کر رہا ہو۔

بوڑھا چند لمحوں سے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”بھلا تم کیا کر سکو گے۔ تمہارا حافظہ بھی

درست نہیں ہے۔“

”میں شربت کو پر بت تسلیم کر لوں تو میرا حافظہ درست ہے۔ ورنہ نہیں ہے۔“ عمران نے

ندامت کر کہا۔ ”لیکن کیا آپ بتائیں گے مرتے وقت پر بت چبانے کی خواہش ہوتی ہے یا شربت

پینے کی۔“

”اس نے رائی کا پر بت کہا تھا۔“

”رائی....“ عمران نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا اور پھر ہنس پڑا۔ ”واہ رائی کا پر بت....“

بھلا کیا بات ہوئی۔ ہو سکتا ہے اس نے رائی کی وہ ہنسی مانگی ہو۔“

”چلو.... میں چلا جاؤں گا تمہارے ساتھ۔“

”تہا....؟“ بوڑھے نے پوچھا۔

”نہیں۔“ عمران آہستہ سے رازدارانہ لہجے میں بولا۔ ”اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے چلوں گا

اور اسے وہیں کہیں مار کر ڈال دیں گے۔ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوگی۔“

”بیکار باتیں نہ کرو۔ تم اپنے دوستوں کو بھی لے چلو۔ ہو سکتا ہے وہاں کوئی خطرناک صورت

بھی پیدا ہو جائے۔ مثلاً ان لوگوں سے مدد بھیڑ ہو جائے جو وہاں اسلحہ لے کر آتے ہیں۔“

”اچھی بات ہے میں اپنے دوستوں کو بھی لے چلوں گا۔“

”لیکن ایسے ہی آدمیوں کو جن پر تمہیں پورا اعتماد ہو۔“

”تم اس کی فکر نہ کرو۔“ عمران نے کہا۔

روانگی رات پر ٹھہری۔ بوڑھے نے کہا تھا کہ اس کام کے لئے رات ہی مناسب ہوگی۔



صفدر غار سے باہر نکلا۔ چاروں طرف چاندنی بکھری ہوئی تھی اور ہوا بڑی خوشگوار تھی۔ اس نے دو تین گہری گہری سانسیں لیں اور ایک پتھر پر بیٹھ کر سگریٹ سلگانے لگا۔.... غار کے اندر وہ گھٹن سی محسوس کرتا تھا لیکن دن کو وہ غار سے باہر نہیں نکلتا تھا۔ ابھی تو کھانے پینے کا مسئلہ بھی آسان ہی تھا کیونکہ وہ اپنے ساتھ مچھلی اور گوشت کے بند ڈبے لایا تھا۔ مچھلی بار اس نے یہاں ایک ماہ گزارا تھا۔ اس لئے اچھی طرح جانتا تھا کہ ان ڈبوں کے ختم ہو جانے پر بھی کھانے کا مسئلہ کچھ ایسا زیادہ مشکل نہ ہوگا۔ کیونکہ نالے کے جنوب والے جنگل میں ایسے پرندے بکثرت ملتے ہیں جن کا گوشت لذیذ بھی ہوتا ہے اور زود ہضم بھی۔

لیکن وہ توپ نما ٹرانسمیٹر اس کے لئے دہال جان ہو گیا۔ وہ بعض اوقات سوچنے لگتا کہ کہیں اس کی زبان سے کوئی غلط بات نہ نکل جائے۔ آج ہی وہ تین بار گفتگو کرتے وقت ہچکچایا تھا اور اسے یقین نہیں تھا کہ اس نے دوسری طرف سے بولنے والے کے سوالات کے صحیح جوابات دیئے تھے۔ چاندنی بڑی خوشگوار تھی لیکن صفدر کا ذہن اس سے بے پرواہ اپنی موجودہ مہم کے متعلق

”اس نے رائی کا پر بت کہا تھا۔“ بوڑھے نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا پھر مضطربانہ

انداز میں خیمے کے دروازے تک گیا اور باہر جھانک کر پھر واپس آگیا۔

”میں نے سوچا ممکن ہے کوئی ہماری باتیں سن رہا ہو۔“ اس نے کہا۔ چند لمحے معنی خیز انداز

میں عمران کو گھورتا رہا پھر بولا۔ ”میرے بچے تم خود کو بیوقوف ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہو۔

لیکن حقیقت یہ نہیں ہے میری روح جو دوسری روحوں کو اچھی طرح پہچانتی ہے یہی کہہ رہی ہے

کہ تم بہت ذہین ہو اور تمہارے اعصاب فولاد کا جواب ہیں۔“

”ہو سکتا ہے۔“ عمران نے لاپرواہی سے کہا۔

”اور میری روح اچھی طرح جانتی ہے کہ تم اس سلسلے میں میری مدد کرو گے۔ میں چاہتا

ہوں کہ کسی طرح یہ خطرہ ٹل جائے۔“

”میں مدد کروں گا۔ مگر خطرے سے بھی تو آگاہ کرو۔“

”چڑھائی پر“ وہ آہستہ سے بولا۔ ”میں نے ایک جگہ اسلحہ کا ڈھیر دیکھا ہے اور وہ سب کا سب

ساخت کے اعتبار سے غیر ملکی ہے.... میں عرصہ سے دیکھ رہا ہوں کبھی غار بالکل خالی پڑا رہتا ہے

اور کبھی وہاں رانقلوں مختلف قسم کی گنوں اور بموں کے ڈھیر نظر آتے ہیں۔ میں نے اکثر راتوں کو

چھپ کر ان پر اسرار آدمیوں کو دیکھا ہے، جو اس غار کو کبھی ان چیزوں سے بھر دیتے ہیں اور کبھی

خالی کر دیتے ہیں۔“

”آپ نے پولیس کو اطلاع کیوں نہیں دی۔“

”میں نے کئی بار کوشش کی ہے لیکن وہ مجھے پاگل سمجھتے ہیں ان میں اتنی ہمت کہاں ہے کہ

میرے ساتھ چڑھائی پر جا سکیں۔“

”کیوں!“

”ان کا خیال ہے کہ بُری روحمیں میرے قبضے میں ہیں اور میں ان لوگوں کو چڑھائی پر لے

جا کر ان کی جھینٹ چڑھا دوں گا۔“

”کیا یہ میں نہیں سوچ سکتا۔“

”نہیں۔ میری روح تمہارے اندر جھانک رہی ہے۔ وہاں اسے ضعیف الاعتقادی کی ہلکی سی

جھلک بھی نظر نہیں آتی۔“

سوچ رہا تھا۔ پتہ نہیں اس کا اختتام کہاں اور کس طرح ہو۔ اسے پورے حالات سے آگاہی بھی نہیں تھی۔

دفعۃً وہ چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اس نے کسی قسم کی آواز سنی تھی۔ لیکن قبل اس کے وہ سنبھلتا اسے اپنے چاروں طرف چار رائفلیں نظر آئیں۔ ظاہر ہے کہ وہ رائفلیں آسمان سے نہیں ٹپکی تھیں بلکہ وہ چار آدمی ہی تھے جنہوں نے ان کا رخ اس کی طرف کر رکھا تھا۔

”پر بت“ وہ چاروں بیک وقت بولے۔

”گن تھرٹی تھری۔“ صفدر نے بے ساختہ کہا۔ لیکن اس کے جواب میں اس نے چار قہقہے سنے اور لفظ پر بت پھر دہرایا گیا۔ صفدر نے پھر وہی گن تھرٹی تھری کہا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں چار رائفلیں اس کے جسم سے آگئیں۔

”تم کون ہو۔“ ایک نے گرج کر پوچھا۔

”گن تھرٹی تھری۔“

”یہ کیا بلا ہے۔“

لیکن صفدر نے اس سوال کا جواب نہیں دیا اس کے دونوں ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔ اسے اتنا موقع بھی تو نہیں ملا تھا کہ وہ جیب سے اپنا ریو اور ہی نکال لیتا۔

”اسے غار کے اندر لے چلو۔“ ایک نے کہا۔

صفدر کے جسم پر رائفلیں کی تالوں کا دباؤ بڑھ گیا۔ اسے غار کی طرف دھکیلا جا رہا تھا۔ وہ ایک بے جگر آدمی تھا۔ مگر اس وقت ہاتھ پیر ہلانے کا یہی مطلب ہو تا کہ اس کا جسم چھلنی ہو جائے۔ وہ چپ چاپ غار میں چلا آیا۔ وہ سوچ رہا تھا کاش مرنے سے پہلے وہ ایکس ٹو کو اس نئی افتاد کی اطلاع دے سکتا۔ ورنہ ہو سکتا تھا کہ دھوکے میں رہ کر اس کا کام بگڑ جاتا۔

صفدر کو زمین پر گرادیا گیا۔ ایک رائفلیں کی نال اس کے سینے پر رکھ دی گئی اور دو آدمیوں نے اس کی جامہ تلاشی لی۔ اس کی جیب سے ایک ریو اور توپ نما ٹرانسمیٹر برآمد ہوئے۔

”تھرٹی تھری کہاں ہے۔“ ایک نے پوچھا۔

”میں تھرٹی تھری ہوں۔“ صفدر بھی اسی انداز میں غرایا۔ ”اب یہ مذاق ختم کرو۔ ورنہ نتیجے

کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔“

”پر بت“ اسی آدمی نے کہا۔

صفدر کچھ نہ بولا اور وہ لوگ پھر ہنسنے لگے۔ لیکن ایک آدمی جو دوسروں سے زیادہ خونخوار معلوم ہوتا تھا غرایا۔ ”تمہیں یہاں کس نے بھیجا ہے۔“

”جس نے تم جیسے محقوں کو ایسی خدمات سپرد کی ہیں جنہیں تم انجام نہ دے سکو۔“ صفدر جھٹلے ہوئے لہجے میں بولا۔

”اسے مار ڈالنا چاہئے۔“ ایک آدمی نے مشورہ دیا۔ ”اس سے کچھ اگلا لینا بہت مشکل کام ہوگا۔ وقت نہ برباد کرو۔ ہو سکتا ہے یہ تہانہ ہو۔“

”یارو کہیں تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا ہے۔“ صفدر نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

”تم ہمیں یو قوف نہیں بنا سکتے۔ اب اسی پر تمہاری زندگی اور موت کا انحصار ہے کہ ہمیں سب کچھ بتادو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔“

”تم سب نشے میں معلوم ہوتے ہو۔“ صفدر پاگلوں کی طرح چیخنے لگا۔ ”پاگل ہو گئے ہو جاؤ، یہاں سے... نکلو... یہاں سے... تم... دشمن ہو... غدار ہو... حکومت سے مل گئے ہو۔“ دفعۃً پشت سے آواز آئی۔ ”تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔ اگر کسی نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو یہیں ڈھیر ہوگا۔“

وہ سب سنائے میں آگئے اور صفدر نے آہستہ سے اپنے سینے پر رکھی ہوئی رائفلیں کی نال ایک طرف ہٹادی۔

”کیا تم نے نہیں سنا۔ اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔ رائفلیں زمین پر ڈال دو۔“ پھر کہا گیا۔

ان پر نارنج کی روشنی پڑ رہی تھی۔ اس باز صفدر نے بولنے والے کی آواز صاف پہچان لی۔ یہ کیپٹن خاور کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

صفدر نے اپنے قریب کھڑے ہوئے آدمی کے ہولسٹر سے ریو اور نکال لیا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھادیئے تھے۔ صفدر نے بڑی پھرتی سے ان کی جامہ تلاشی لی اور ان کی جیبوں سے مختلف قسم کی چیزیں نکال کر ایک طرف ڈھیر کر دیں۔ ایک کی جیب سے ویسا ہی توپ نما ٹرانسمیٹر بھی برآمد ہوا جیسا صفدر کے پاس تھا۔

کیپٹن خاور نے اپنی پشت پر بندھے ہوئے تھیلے سے ریشم کی ڈور کا لچھا نکالا اور پھر وہ ایک ایک

کر کے انہیں باندھنے ہی جا رہا تھا کہ غار کے دہانے کے قریب ہی قدموں کی آوازیں آئیں۔

یہاں ایک مومی شمع تھی جس کی روشنی اتنے بڑے غار کے لئے ناکافی تھی۔ آوازیں قریب آ رہی تھیں۔ صفدر جھپٹ کر غار کے دہانے کی طرف آیا۔ لیکن بہت دیر ہو چکی تھی۔ آنے والے کئی تھے اور شاید انہوں نے سچویشن کو بھی سمجھ لیا تھا۔ کیونکہ دوسرے ہی لمحے میں ان میں سے ایک نے خاور پر فار جھونک دیا۔ مگر خاور محفوظ رہا۔ کیونکہ اس نے انہیں دیکھتے ہی پوزیشن لینے کی کوشش کی تھی۔ ادھر صفدر نے دو فار کئے دو جینیں غار میں گونجیں اور پھر وہ بھی اچھل کر اسی پتھر کے پیچھے پہنچ گیا جس کے پیچھے خاور نے پوزیشن لی تھی۔

خاور کی گولی مومی شمع پر پڑی اور غار میں اندھیرا ہو گیا اور اس اندھیرے میں فاروں کی آوازیں گونجتی رہیں۔

”خاور نکل چلو یہاں سے۔“ صفدر آہستہ سے بولا۔

”دہانے کی طرف جانا خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔“ خاور نے کہا۔

”دوسرا راستہ۔“

”وہ ٹھیک ہے۔“

”میرا کوٹ پکڑ لو.... اور چپ چاپ میرے پیچھے چلے آؤ۔“ صفدر نے کہا۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ ٹٹولتا ہوا آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا اور خاور اس کے کوٹ کا دامن پکڑے ہوئے تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد انہیں ٹھنڈی ہوا کا جھونکا نصیب ہوا۔ باہر پہلے ہی کی طرح چاندنی بکھری ہوئی تھی لیکن جیسے ہی انہوں نے دہانے سے سر ابھار کئی گولیاں سنسناتی ہوئی ان پر سے گزر گئیں۔

”نکلو۔“ خاور جلدی سے بولا۔ ”ورنہ چوہوں کی طرح مار لئے جائیں گے۔“

خاور سب سے پہلے اوپر آیا۔ مگر وہ چٹان سے چپکا ہوا تھا۔ پھر صفدر نے بھی اس کی تقلید کی۔ کچھ دیر پہلے کی چاندنی اب صفدر کو بے حد گراں گزر رہی تھی کیونکہ اب یہی چاندنی ان کی موت کا سبب بھی بن سکتی تھی۔

چٹان پر لیٹ جانے کی وجہ سے وہ ایک دوسری چٹان کی اوٹ میں ہو گئے تھے ویسے اب انہیں فاروں کے ساتھ ہی ساتھ دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں بھی سنائی دینے لگی تھیں۔ دفعتاً

خاور چٹان کا سراپا تمام کر دوسری طرف لٹک گیا۔ صفدر نے نیچے دیکھا کچلی چٹان پر کود جانا مشکل کام نہیں تھا اس طرح وہ کم از کم وقتی طور پر محفوظ رہ سکتے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے خاور نیچے کود گیا پھر صفدر نے بھی دیر نہیں لگائی۔

بائیں جانب ڈھلان تھی اور وہ راستہ کچھ ایسا تھا کہ وہ اس پر دوڑ بھی سکتے تھے۔

خاور نیچے اترتا چلا گیا۔ فاروں کی آوازیں وہ اب بھی سن رہے تھے لیکن وہ سب کچھ دہشت زدہ کرنے کے لئے تھا۔ اگر انہوں نے ان دونوں کو دیکھ لیا ہوتا تو ایک آدھ گولی ادھر بھی آتی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ وہ راستہ طے کرتے رہے۔ جو انہیں نامعلوم گہرائی کی طرف لے جا رہا تھا۔ اکثر انہیں یقین ہو جاتا کہ اب وہ کسی سطح زمین پر کچھ دیر ٹھہر سکیں گے۔ لیکن جب وہ اس سطح جگہ کے قریب پہنچتے تو وہ محض نظر کا دھوکہ ثابت ہوتی اور انہیں اپنا سفر جاری رکھنا پڑتا۔ فاروں کی آوازیں گواہ بھی آرہی تھیں لیکن ان کا فاصلہ یہاں سے بہت زیادہ معلوم ہوتا تھا۔

کچھ دیر بعد انہوں نے پانی بہنے کی آواز سنی۔

”اوہ....“ صفدر نے کہا۔ ”ہم تو نالے کے قریب آ نکلے۔ اوپر یہ ایک چٹان کی دراڑ میں غائب ہو جاتا ہے اور شاید اسی نالے کا سلسلہ جھرگ نار تک پھیلا ہوا ہے۔“

خاور کچھ نہ بولا۔ پھر نالے کے قریب ہی انہیں بیٹھنے کی جگہ میسر ہو سکی۔ یہیں سے جنوب کی طرف نالے کے کنارے کنارے دور تک سطح زمین کا سلسلہ پھیلتا چلا گیا تھا۔ وہ کچھ دیر کے لئے وہاں رکے اور پھر جنوب کی طرف چل پڑے۔



بوڑھا سب سے آگے تھا۔ اس کے پیچھے عمران چل رہا تھا۔ پھر چوہان صدیقی اور نعمانی تھے۔ لیکن ان سب کے پیچھے ایک اور آدمی بھی تھا جس کی موجودگی کا علم عمران کے سوا اور کسی کو نہیں تھا۔ یہ چھٹا آدمی بلیک زیرو تھا۔ جو عمران کی ہدایت کے مطابق یقینہ لوگوں کی لائسنس میں ان کے پیچھے چل رہا تھا۔

روشنی اور جو لیا اپنے اپنے خیموں میں رہ گئی تھیں اور تنویر مکمل طور پر آرام کر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد عمران بوڑھے کے برابر چلنے لگا۔ جنگل سائیں سائیں کر رہا تھا اور زمینیں.... شاخوں سے چھن کر آنے والی چاندنی کی وجہ سے چتکبری ہو رہی تھی۔

عمران نے جیب سے سگریٹ کیس نکالا۔

”تم سگریٹ پیو گے بابا۔“ اس نے بوڑھے سے پوچھا۔

”ہاں.... لاؤ.... اگر سگریٹ پینا ہے تو یہیں بی لو۔ آگے بہت احتیاط سے چلنا ہوگا۔“

عمران نے سگریٹ کیس اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے ایک سگریٹ لے کر ہونٹوں میں دبایا۔ لیکن پھر گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ عمران کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا پستول چمک رہا تھا۔ اس نے اس کا ٹریگر دبایا اور اس کے سوراخ سے آگ کی زبان نکل پڑی۔

”اوہ لا حول ولا قوۃ....!“ بوڑھا ہنسنے لگا۔ ”یہ سگریٹ لائٹر ہے۔ تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔“

اس نے سگریٹ پستول کی نال سے نکلتی ہوئی آگ سے سلگایا اور وہ پھر چلنے لگے۔

عمران نے اپنے تینوں ہاتھوں کو بھی سگریٹ پیش کئے تھے اور انہیں اس پر حیرت ہوئی تھی کیونکہ انہوں نے عمران کو کبھی سگریٹ پیتے نہیں دیکھا تھا۔

وہ اوپر چڑھتے رہے کبھی کبھی کوئی آلو چیخ اٹھتا اور اس کے ساتھ ہی دور سے مختلف قسم کی آوازیں آتیں۔

کچھ دیر بعد بوڑھا بولا۔ ”بس اب احتیاط کی ضرورت ہے۔ سگریٹ وغیرہ بچھا دو اور جھک کر چلو تو زیادہ بہتر ہے۔ ہم بائیں جانب مڑیں گے اگر جھک کر نہ چلے تو نیچے سے دیکھ لئے جانے؛ امکان ہے۔ یہاں سے کمپ صاف دکھائی دے گا۔“

”مجھے تو نہیں دکھائی دیتا۔“ عمران آنکھیں پھاڑتا ہوا بولا۔

”ابھی نہیں۔ جب ہم اُدھر مڑ کر کچھ دور چلیں گے تو یقین طور پر دکھائی دے گا۔“

”اوہ تو کیا تمہارا خیال ہے کہ اس کمپ میں بھی ان لوگوں کے آدمی موجود ہوں گے۔“

”کیوں؟“ بوڑھا غصیلی آواز میں بولا۔ ”میں شام کو اتنی دیر تک جھک نہیں مارتا رہا تھا۔“

بات تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آئی.... میرا خیال ہے.... کہ وہ آدمی جو آج قتل کیا گیا۔ انہیں لوگوں میں سے تھا جو غیر ملکی اسلحہ کی نقل و حرکت کے ذمہ دار ہیں۔“

”آخر کس بناء پر۔“

”اس بناء پر کہ اس نے رائی کا پر بت کہا تھا۔“

”وہ ٹھانڈی چٹنی بھی کہہ سکتا تھا.... کیونکہ مر رہا تھا.... پھر.... خیر.... وہ رائی کا پر بت ہی سہی لیکن اس کا مطلب کیا ہوا۔“

”اس کا مطلب! میں نہیں جانتا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ مگر یہ محاورہ صرف انہیں لوگوں میں رائج ہے جب ایک آدمی اپنے گروہ کے کسی دوسرے آدمی سے ملتا ہے تو ”پر بت“ کہتا ہے اور دوسرا شاید جواب میں ”رائی کا پر بت“ کہتا ہے۔“

”تم نے کہاں سنا تھا۔“ عمران نے پوچھا۔

”میں ایک بار اسی غار کے قریب چھپا ہوا تھا کہ کچھ لوگ بڑے بڑے صندوق اٹھائے ہوئے وہاں آئے۔ غار سے ایک آدمی نکلا اور اس نے انہیں للکارا.... یہ للکار ”پر بت... پر بت“ کے علاوہ اور کچھ نہیں تھی جواب میں اس آدمی نے ”رائی کا پر بت“ کہا تھا، جو آنے والوں کے آگے چل رہا تھا۔“

”اوہ.... تو یہ پر بت اور رائی کا پر بت پاسور ڈز ہی ہو سکتے ہیں۔“ عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”بہت اچھے۔“ بوڑھا خاموش ہو کر بولا۔ ”میں نے غلط تو نہیں کہا تھا کہ تم جو کچھ نظر آتے ہو حقیقتاً وہ نہیں ہو۔“

”ٹھہرو۔ مگر تم اس وقت کیا کرو گے.... فرض کرو.... ہم نے انہیں دیکھ بھی لیا تو....!“

”میں تمہیں دکھا کر سبکدوش ہو جاؤں گا۔ پھر تمہارا جو دل چاہے کرنا میں یہ بھی پسند نہیں کروں گا کہ اس معاملے میں کبھی میرا نام بھی لیا جائے۔ ان سیاست دانوں اور بڑے آدمیوں کا دل نہ توڑنا جو مجھے اب کسی قابل نہیں سمجھتے۔ انہیں یہ نہ معلوم ہونے پائے کہ اس بہت بڑے خطرے کی یو میں نے سونگھی تھی۔ مجھے ان کی نظروں میں سنی اور خطی ہی رہنے دینا۔ میں نے اپنا کبھی نام نہیں چاہا مجھے ہمیشہ کام کی دھن رہی ہے.... چلو۔ اب وقت برباد نہ کرو۔ ہو سکتا ہے کہ یہ میری زندگی کی آخری دوڑ ہو اور آخری دوڑ کے لئے اب تک زندہ رکھا گیا ہوں.... چلو.... اب دیر نہ کرو۔“

بوڑھا آگے بڑھ گیا وہ لوگ اس کے پیچھے چلتے رہے۔ کچھ دور چلنے کے بعد انہوں نے بوڑھے کو جھکے دیکھا اور ان سبھوں نے بھی اس کی تقلید کی۔

کافی دور تک انہیں اسی طرح جھک کر چلنا پڑا۔ ان کے دونوں جانب اونچی اونچی جھاڑیاں تھیں۔ ایک جگہ بوڑھے نے ٹھہر کر رکنے کا اشارہ کیا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ وہ لوگ بھی بیٹھ گئے۔ بوڑھا گھٹنوں کے بل چلتا ہوا عمران کے قریب آیا اور آہستہ سے بولا۔ ”ہم اس غار سے بہت قریب ہیں اپنی رانقلیں تیار رکھو۔ ہو سکتا ہے.... بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ خون کی ندیاں بھی بہ سکتی ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بالکل سناٹا ہو، لیکن تمہیں ہر خطرے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔“

”ہم ہر طرح تیار ہیں۔ اگر اس کی نوبت آئی تو تم دیکھ ہی لو گے۔ میں دنیا میں اپنی بیوی کے علاوہ اور کسی سے نہیں ڈرتا۔“

بوڑھا کچھ نہ بولا۔ وہ پھر چل پڑے۔ کچھ دور تک تو وہ اسی طرح جھکے ہوئے چلتے رہے پھر بوڑھے کو سیدھا کھڑے ہوتے دیکھ کر انہوں نے بھی اپنی پوزیشن تبدیل کر لی۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ ایک ایسی جگہ کھڑے تھے جہاں چاروں طرف قد آدم جھاڑیوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے درمیان میں تھوڑی سی جگہ خاص طور پر صاف کی گئی ہو۔

”بالکل تیار رہو۔“ بوڑھے نے آہستہ سے کہا۔ ”اپنی رانقلیں شانوں سے اتار لو۔“

سب سے پہلے عمران نے اپنی رانقل ہاتھ میں لی اور پھر اس کے ساتھیوں نے بھی یہی کیا۔

”آؤ“ بوڑھا ایک طرف جھاڑیوں میں گھس پڑا۔ وہ بڑی پھرتی سے جھاڑیاں ہٹاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ جھاڑیاں کانٹوں دار نہیں تھیں اس لئے وہ نہایت آسانی سے چلتے رہے۔ لیکن جھاڑیوں کی سرسراہٹ سے فضا گونج رہی تھی۔

”کافی شور ہو رہا ہے۔“ عمران آہستہ سے بولا۔

”پرواہ نہ کرو۔ اگر ان میں سے کوئی اس طرف موجود ہوگا تو یہ سرسراہٹ سن کر“

”پریت“ ہی کہے گا اور ہمارے پاس اس کا جواب موجود ہے۔“ بوڑھے نے اطمینان دلایا۔

وہ بڑھتے رہے لیکن ”پریت“ یا ”رائی کا پریت“ کی نوبت نہیں آئی۔

بوڑھا پھر ایک جگہ رک گیا۔ یہ حقیقت کسی غار کا دہانہ تھا۔ لیکن اس کے آس پاس کانٹوں دار جھاڑیاں تھیں اور اس کی ظاہری حالت سے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ اس سے لوگوں کی آمد و رفت رہتی ہو۔

بوڑھا بے خطر اندر گھس پڑا۔ اس نے عمران سے کہا تھا کہ وہ نارنج روشن کرے۔ کچھ دور چلتے پر عمران نے محسوس کیا کہ وہ تو ایک اچھی خاصی سرنگ تھی بوڑھے کا قد ان سھوں سے ٹکتا ہوا تھا۔ اس لئے اسے قدرے جھک کر چلنا پڑا تھا۔ دوسرے لوگ بھی اگر بنیوں کے بل کھڑے ہونے کی کوشش کرتے تو ان کے سر یقینی طور پر پتھروں سے ٹکراتے۔ بناوٹ کے اعتبار سے یہ سرنگ قدرتی ہی معلوم ہوتی تھی۔

ایک جگہ انہیں سرخ روشنی کا دائرہ سا نظر آیا۔ شاید یہ اس سرنگ کا اختتام ہو۔ بوڑھے نے رک کر دوسری طرف جھانکا اور پھر پلٹ آیا۔

”بہت آہستگی سے آؤ۔“ اس نے عمران سے کہا۔ ”دو آدمی وہاں سو رہے ہیں۔“

پھر وہ آگے بڑھ گیا۔ دو تین قدم چلتے کے بعد عمران بھی اس کے برابر ہی تھا۔

یہ جگہ بہت کشادہ تھی اور یہاں تین بہت بڑی مشعلوں کی سرخ روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ درمیان میں لاتعداد رانقلوں کا ایک ڈھیر نظر آ رہا تھا اور اس کے قریب ہی دو آدمی پڑے سو رہے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس ڈھیر کے پاس جا پہنچے۔

لیکن اچانک.... عمران کے ساتھیوں کے اوسان خطا ہو گئے کیونکہ انہوں نے خود کو دس بارہ آدمیوں کے نرغے میں دیکھا جن کی رانقلیں ان کی جانب اٹھی ہوئی تھیں اور یہ لوگ ان بڑے پتھروں کی اوٹ سے نکلے تھے جو رانقلوں کے ڈھیر کے چاروں طرف بکھرے پڑے تھے۔

”اپنی رانقلیں زمین پر ڈال دو۔“ ایک آدمی نے گونجیلی آواز میں کہا۔

سب سے پہلے عمران کی رانقل زمین پر گری اور پھر اسکے ساتھیوں نے بھی اس کی تقلید کی۔

”اب کیا ہو گا بابا۔“ عمران نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

لیکن بابا کے ہونٹوں پر ایک بڑی زہریلی سی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ وہ فلمی شہنشاہوں کی شان سے چلتا ہوا رانقلوں کے ڈھیر پر آ بیٹھا۔

”میرے بچے“ اس نے اپنا دہانہ ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”بابا اب تمہیں یہی مشورہ دے گا کہ اپنی کہانی سناؤ۔“

پھر اس نے ان دونوں آدمیوں کو مخاطب کر کے کہا جو چند لمحات پہلے وہیں پڑے سو رہے تھے۔ ”ان کے رویہ اور بھی لے لو۔“

ہوں کہ تم بہت خطرناک آدمی ہو۔ علی عمران.... محکمہ سراغ رسانی کے ڈائریکٹر جنرل مسٹر رحمان کے لڑکے۔ جس کی شہرت میں نے بہت سنی ہے۔ تم اس وقت سے توپ کی تصویروں کے پیچھے ہو جب دارالحکومت میں ایک ٹرک الٹ گیا تھا جس سے رانقلیں برآمد ہوئی تھیں اور حادثے میں کام آنے والے ڈرائیور کے بازو پر توپ کی تصویر ملی تھی۔ تم اس تنظیم کے سرغنہ کے چکر میں تھے۔ سنو! ننھے بچے میں ہوں اس تنظیم کا سرغنہ.... میں وہ انقلاب لاؤں گا کہ موجودہ سیاست دانوں کے دانت کھٹے ہو جائیں گے۔ میں ان کتوں کو دکھا دوں گا کہ میں کیا ہوں۔ جنہوں نے مجھے ایک خالی ڈبہ سمجھ کر کباڑ خانے میں پھینک دیا تھا۔“

”مگر میں....“ عمران اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں بیڑ کا بیرل سمجھ کر سر پر اٹھائے پھروں گا۔“

”تم اب یہیں دفن ہو جاؤ گے۔“ بوڑھے نے مسکرا کر کہا۔ ”مگر نہیں۔ میں تمہاری لاشیں یہاں چھوڑ کر بھاگتا ہوا پولیس چوکی تک جاؤں گا اور انہیں اطلاع دوں گا کہ میں نے چڑھائی پر چار لاشیں اور دیکھی ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ میں اکثر چڑھائی پر بھی راتیں گزارتا ہوں اور یہ تو تم دیکھ ہی چکے ہو کہ وہ مجھے کیا سمجھتے ہیں۔ عیار قسم کے سیاست دانوں اور لیڈروں نے ضرور مجھے عضو معطل بنادیا ہے لیکن عام آدمی کی نظر میں میری کتنی وقعت ہے۔ تم دیکھ ہی چکے ہو۔“

دفعۃً پھر ایک آدمی بھاگتا ہوا اندر آیا اور اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

”دو آدمی مر گئے۔“

”کیا.... کون.... دو آدمی؟“ بوڑھا چونک کر بولا۔

”وہ جو مشین گنوں پر بیٹھے تھے۔“

”کیسے مر گئے۔“

”پتہ نہیں وہ آدمی کہاں چھپا بیٹھا ہے۔ غالباً وہ سائیلنسر لگی ہوئی رائفل سے فائر کر رہا ہے۔ فائر کی آواز نہیں سنائی دیتی۔“

”تم سب احمق ہو گئے ہو.... اسے تلاش کرو۔“ بوڑھا دباؤا۔

اور چار آدمی وہاں سے چلے گئے۔ اب صرف آٹھ رہ گئے تھے اور ان کی رانقلیں عمران اور اس کے ساتھیوں کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

یہ کام بھی آنا فانا ہو گیا۔ عمران کا پستول نما سگریٹ لائیٹر بھی لے لیا گیا۔

”کیا میں سگریٹ پیش کروں بابا۔“ عمران نے سگریٹ کیس کھولتے ہوئے کہا۔ ”میں آپ کا مشکور ہوں گا اگر آپ میرا لائٹر مجھے واپس دلوا دیں۔ ریوالور تو انہوں نے لے ہی لیا۔ انہیں میری طرف سے اپنے اسلحہ فٹڈ میں جمع کر لیجئے تاکہ میں خدا کو منہ دکھانے کے قابل رہ سکوں۔“

”میں تمہاری صلاحیتوں کا معترف ہوں بچے تم لومڑی کی طرح چالاک اور شیر کی طرح نڈر ہو۔ اس کا سگارا لائٹر واپس کر دیا جائے۔“

لائٹر عمران کو واپس مل گیا۔ اس نے ایک سگریٹ خود پی اور اپنے ساتھیوں کی طرف بھی سگریٹ کیس بڑھایا لیکن سمجھوں نے انکار کر دیا کیونکہ اس وقت وہ عمران پر بری طرح تاؤ کھا رہے تھے۔

عمران نے اپنا سگریٹ سلگا کر لائٹر جیب میں ڈال لیا اور اب وہ نہایت اطمینان سے دھوئیں کے بادل منتشر کرتا ہوا بوڑھے کو نیم باز آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

دفعۃً ایک آدمی نے سرنگ سے اس غار میں آکر کہا۔ ”ایک آدمی اور بھی تھا جس نے یہاں داخل ہونے کی کوشش کی تھی۔ لیکن ہم اسے نہ پکڑ سکے وہ نکل گیا۔“

”پرواہ مت کرو۔“ بوڑھے کی آواز گونجی ”سرنگ کے دہانے پر دو مشین گنیں رکھ دو اور جو کوئی بھی اندر آنے کی کوشش کرے اسے بے دریغ بھرتے چلے جاؤ۔“

پھر عمران کی طرف دیکھ کر غرایا۔ ”کیا تمہارا کوئی اور بھی آدمی تمہارے پیچھے آ رہا تھا۔“

”نہیں تو۔“ عمران نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔ ”ہم تو چار ہی آئے تھے۔“

اور پھر اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ کر بولا۔ ”اے! تم لوگ گھبرا مات یہ سب بھوت ہیں۔

میں انہیں چنگی بجاتے ہوا کروں گا۔ مجھے بھی بڑے بڑے منتزیا ہیں۔ میں نے سنا تھا کہ یہ بوڑھا لوگوں کو جنگل میں لے جا کر اپنی تابع بدروحوں کے حوالے کر دیتا ہے لہذا میں نے کہا کہ اسے آلو

بنانا چاہئے اور اب میں اس وقت اسے آلو بنا رہا ہوں۔“

”تم مجھے آلو بنا سکتے ہو بیٹا۔“ بوڑھے نے نرم لہجے میں کہا۔ ”تمہارا یہ ساتھی پچھلی رات اکارڈین بجا رہا تھا اور وہ عورت ناچ رہی تھی تمہارے کسی آدمی نے اس شکاری کی آستین پھاڑ دی۔ محض یہ دیکھنے کے لئے کہ اس کے بازو پر توپ کی تصویر ہے یا نہیں۔ میں تمہیں اچھی طرح پہچانتا



”تو تم اس لئے یہاں انقلاب لانا چاہتے ہو کہ یہاں کے لیڈروں نے تمہیں نظر انداز کر دیا ہے۔“

عمران نے بوڑھے سے پوچھا۔

”ہاں.... میں انہیں بتانا چاہتا ہوں کہ ایک خالی ڈبہ کیا کر سکتا ہے۔“

”اور اس انقلاب کے لئے تم ایک بیرونی طاقت سے مدد لے رہے ہو۔“

”یقیناً.... مجھے فخر ہے کہ میں اس بڑی طاقت کو بھی الو بنانے میں کامیاب ہو گیا ہوں....“

خالی ڈبہ.... ہاہا.... موجودہ وزیراعظم نے ایک بار مجھے خالی ڈبہ کہا تھا۔“

”اس لئے تم ملک میں ایک غیر ملکی نوعیت کا انقلاب لانا چاہتے ہو۔“

”تم کیا کہنا چاہتے ہو۔“ بوڑھے نے مسکرا کر پوچھا۔

”میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم کتے ہو۔ بلکہ کتا بھی تم سے برتر ہے کیونکہ وہ اس گھر کا بدخواہ نہیں

ہوتا جس میں رہتا ہے۔ چاہے اس گھر کا کوئی فرد اس پر دن رات پتھر ہی کیوں نہ برساتا رہتا ہو۔“

”خاموش رہو۔“ بوڑھا غرایا۔ ”میں تمہاری زبان کھینچا لوں گا۔“

عمران کچھ نہ بولا۔ وہ آہستہ آہستہ بوڑھے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

”ٹھہرو۔“ ایک آدمی نے گرج کر کہا۔

”نہیں آنے دو.... میں دیکھوں گا کہ یہ کیا کرتا ہے۔“ بوڑھے نے ہنس کر کہا۔

عمران اس کے قریب جا کر رک گیا اور جیب سے سگریٹ کیس نکال کر ایک سگریٹ خود لیا

اور سگریٹ کیس بوڑھے کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

”ایک سگریٹ اور لو بابا یہ میرا آخری دوستانہ تحفہ ہو گا۔ اس کے بعد تو تم میری لاش نیچے

لے جاؤ گے۔“

”نہیں یہ ضروری بھی نہیں کہ میں تمہیں مار ہی ڈالوں۔ مگر وہ آدمی کون ہے جس نے

میرے دو آدمیوں کو مار ڈالا ہے۔“ بوڑھے نے ہاتھ کے اشارے سے سگریٹ لینے سے انکار

کرتے ہوئے کہا۔

”یقیناً کرو۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔“ عمران نے کہا اور لائٹر سے سگریٹ سلگانے لگا۔

پھر بوڑھا اس کے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا ہی تھا کہ عمران بجلی کی سی سرعت کے

ساتھ اس کے پیچھے پہنچ کر اس کی پشت سے پستول نکالا سٹر لگاتا ہوا بولا۔ ”اپنے آدمیوں سے کہو کہ رانفلین پھینک دیں ورنہ میں تمہیں گولی مار دوں گا۔ یقیناً نہ ہو تو یہ دیکھو۔“

بس ایک پل کے لئے لائٹر بوڑھے کی پشت سے ہٹا اور اس کا ایک آدمی منہ کے بل نیچے

گر پڑا۔ جس کی چیخ سے پورا غار جھنجھٹا اٹھا۔ لائٹر سے نکلی ہوئی گولی اس کی پیشانی پر پڑی تھی۔ فائر

کی آواز بھی سنی گئی تھی۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی میں ہوا کہ بوڑھا اس سے لائٹر نہ چھین سکا۔ اب

وہ پھر اس کی پشت سے جا لگا تھا۔

”میں اس بوڑھے کو بھی اسی طرح مار ڈالوں گا۔“ عمران نے اس کے آدمیوں کو لاکار۔

”ورنہ تم لوگ اپنی رانفلین پھینک کر اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔ اے بوڑھے تم بھی ان سے کہو کہ یہ

رانفلین پھینک دیں۔ ورنہ میں سچ جج تمہیں مار ڈالوں گا۔ رانفلوں کے اس ڈھیر کے قریب تمہاری

لاش خود ہی سب کچھ کہہ دے گی اور میں پولیس کو رپورٹ دینے سے بھی بچ جاؤں گا۔“

”تم لوگ رانفلین پھینک کر اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔“ بوڑھے نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

انہوں نے اس کے کہنے پر عمل کیا اور اپنے ہاتھ اٹھادیے۔ دفعتاً لیفٹیننٹ چوہان نے کہا۔

”عمران زندہ باو“

ٹھیک اس وقت ایک آدمی بھاگتا ہوا اندر آیا اور پھر ایک دلدوز جج کے ساتھ سرنگ کے

دہانے کے قریب ہی ڈھیر ہو گیا۔ اس کی پشت سے خون کا فوارہ جاری تھا۔

سرنگ سے آواز آئی۔ ”وہاں میری مدد کی ضرورت تو نہیں ہے۔“

”نہیں۔“ عمران نے جواب دیا۔ ”یہاں سب ٹھیک ہے۔ مگر باہر خیال رکھنا ضروری ہے۔“

عمران کے ساتھیوں نے محسوس کیا کہ وہ ایکس ٹو ہی کی آواز تھی اور عمران نے دل ہی دل میں

تعریف کی تھی کہ بلیک زبرداس وقت بھی ایکس ٹو کی آواز کی نقل اتارنے میں کامیاب رہا تھا۔

”چوہان تم ان کی رانفلین اٹھا کر ایک طرف ڈال دو۔“ عمران بولا ”اور یہ بھی دیکھو کہ ان

کے پاس ریوالور تو نہیں ہیں۔“

”میں ملک کی نجات کا باعث بننے والا تھا۔ تم یہ تو سوچو۔“ بوڑھا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”میں بھی بڑی دیر سے یہی سوچ رہا ہوں کہ اب ملک کی نجات ہو جائے گی۔“ عمران نے

خنگ لہجے میں جواب دیا۔

کی بجائے فوجیوں کا کیمپ بن گیا تھا اور عمران کی حیثیت اس فاتح کی سی تھی جس نے تنہا اکاڈھائی ہو۔ ایکس ٹو اور اس کے ساتھی پس منظر میں چلے گئے تھے۔ یہ صرف عمران اور اس کے نامعلوم ساتھیوں کا کارنامہ تھا۔ عمران نے بحیثیت ایکس ٹو ٹرانسمیٹر پر جولیا کو سمجھا دیا تھا کہ اگر اس موقع پر یہ کامیابی عمران ہی کے سر نہ منڈھی گئی تو ایکس ٹو اور اس کے ساتھی منظر عام پر آجائیں گے۔ یہاں جنگل میں وہ سائل میسر نہیں تھے، جو ایکس ٹو کی پردہ پوشی کر سکتے۔

عمران نے فوج اور پولیس کے حکام کو بیان دیا کہ وہ عرصہ سے ان لوگوں کی فکر میں تھا اور تجسس کی وجہ وہی تصویر مینی تھی جو بعض مرنے والوں کے بازوؤں پر پائی گئی تھی۔ آخر کار وہ اس گروہ کے سرغنہ کو پانے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

بوڑھا بہت زیادہ زخمی ہو گیا تھا لہذا اسے فوجیوں کی نگرانی میں ہوائی اڈہ کے ہسپتال میں بھجوا دیا گیا تھا۔ مگر شام ہوتے بھوتے اس کی موت کی خبر آگئی۔

اسی شام کو جولیا اور دوسرے ماتحت عمران کے خیمے میں اکٹھا ہوئے۔ صدر اور خاور بھی وہاں اپنی کہانیوں سمیت پہنچ ہی گئے تھے یہ اور بات ہے کہ ان کی حیثیت تنھکے ہوئے گدھوں سے زیادہ نہ رہی ہو۔

عمران جولیا سے کہہ رہا تھا۔ ”تمہیں کیوں بچنے پر مجبور کیا تھا۔ یہ ایکس ٹو کا حکم تھا وہ دراصل ایک شکاری کی آستین پھاڑ کر اس کے بازو پر توپ کی تصویر دیکھنا چاہتا تھا۔“

”لیکن آستین پھاڑی کس نے تھی۔“ جولیا نے پوچھا۔

”خود ایکس ٹو نے۔“

”نہیں“ جولیا کے لہجے میں حیرت تھی۔

”اور کمال تو یہ ہے۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”کہ میں اس کے قریب ہونے کے باوجود بھی اس کی شکل نہ دیکھ سکا۔ کتنا پھر تیرا ہے؟ کام کیا اور یہ جاوہ جاغائب.... یہ تو اس شکاری کے ساتھیوں سے معلوم ہوا تھا کہ وہ کوئی ڈاڑھی والا تھا۔ اب پتہ نہیں وہ سچ ڈاڑھی رکھتا ہے یا میک اپ میں تھا۔“

”کیا تمہیں یقین تھا کہ بوڑھا تمہیں دھوکا دے کر وہاں لے جا رہا ہے۔“ جولیا نے پوچھا۔

”ہرگز نہیں۔ میں یہی سمجھتا تھا کہ وہ ایک اچھا راہبر ثابت ہو گا۔ لیکن ایکس ٹو مطمئن نہیں

تھا تم نے دیکھا کہ کس طرح اپنے لئے کام کرنے والوں کی حفاظت کرتا ہے۔“

دفعتاً بوڑھا منہ کے بل زمین پر گر پڑا اور گرتے ہی ایسی دولتی جھاڑی کہ عمران سنبھلنے سے بلے ہی اچھل کر رائفلوں کے ڈھیر پر جا پڑا۔ ادھر بوڑھے کے ساتھی چوہان، صدیقی اور نعمانی پر ٹپ پڑے۔ ان تینوں کو اپنے ریوالور سنبھالنے کی بھی مہلت نہ مل سکی۔ لیکن وہ تینوں بھی ترین قسم کے مکاباز تھے۔

ادھر عمران اور بوڑھے میں رائفلیں چل رہی تھیں رائفلیں لائٹوں کی طرح استعمال ورہی تھیں۔ بوڑھا عمران سے قدم میں اونچا تھا اس لئے بار بار اس کی کوشش ہوتی تھی کسی طرح ایک ہی ضرب میں عمران کا سر پاش پاش کر دے۔ لیکن عمران نے اس کا موقع نہیں دیا تھا۔ یا تو وہ اس کا وار خالی دیتا یا رائفل ہی پر روک لیتا۔ ویسے یہ حقیقت تھی کہ وہ بوڑھے کی غیر معمولی قوت کا معترف ہو گیا تھا۔ جب بھی اس کا وار رائفل پر روکتا اس کے ہاتھ جھنجھٹا اٹھتے۔ وہ جھنجھٹا گیا تھا کیونکہ بوڑھا پھر تیرا بھی بہت تھا۔ ابھی تک عمران بھی اس کے جسم پر چوٹ مارنے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ جھنجھٹا ہٹ کے عالم میں اس کے ہاتھ کچھ اور زیادہ تیزی سے چلنے لگے۔

ایک بار جو اس نے مونڈھا بنا کر پالٹ مارا تو بوڑھا بھی دھوکا کھا گیا۔ جیسے ہی عمران کی رائفل اس کی پنڈلی پر پڑی وہ کسی تناور درخت کی طرح ڈھیر ہو گیا اور پھر دوبارہ اٹھنا تو ناممکن ہی تھا۔ کیونکہ اب عمران اسے سنبھلنے کا موقع کہاں دے سکتا تھا۔

سر پر پڑنے والی دو ہی ضربوں نے اسے ساکت کر دیا تھا۔

دوسری طرف اس کے آٹھوں آدمی عمران کے ساتھیوں پر پلے پڑ رہے تھے۔ عمران وہی رائفل سنبھالتے ہوئے ان پر ٹوٹ پڑا اور ذرا ہی سی دیر میں صرف صدیقی چوہان اور نعمانی کھڑے رہ گئے۔

وہ تینوں حیرت سے کبھی عمران کو دیکھتے اور کبھی.... زخمیوں کو۔ ”یار واقعی تم.... پتہ نہیں کیا ہو۔“ چوہان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔



دوسری دوپہر جھرگ نار کے لئے ایک تاریخی دوپہر تھی۔ کیونکہ وہ اب شکاریوں کے کیمپ

## عمران سیریز نمبر 24

# پاگل کتے

”وہ عظیم ہے۔“ چوہان ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اور پھر اس کے بعد تم ہی ہو سکتے ہو اگر تمہارے پاس وہ حیرت انگیز پستول نہ ہوتا تو اس وقت ہماری لاشیں چوکی میں پڑی ہوتیں۔“

”میں ایسے دو ایک شعبہ سے ہر وقت جیب میں ڈالے رکھتا ہوں۔“

”اچھا جولی۔ تو یہ کو میری طرف سے بہت سناپیار پہنچانا اور کہہ دینا اگر وہ اتفاق سے بیمار نہ ہو گیا ہو تا تو یہ کام اتنی آسانی اور جلدی سے نہ بنتا۔ ٹانا۔۔۔ اب میں آرام کروں گا۔“

ان کے جانے کے بعد روشی نے پوچھا۔ ”اگر تم بوڑھے کے متعلق دھوکے ہی میں تھے تو تم نے اپنے پیچھے بلیک زیرو کو کیوں لگایا تھا۔“

”ہائیں! تم زندہ رہ گئی ہو۔ میرا بھیجا چاٹنے کے لئے۔“

”بتاؤ۔۔۔“ روشی آنکھیں نکال کر بولی۔

”اچھا۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”یقین کرو کہ میں دھوکہ کھا گیا تھا۔ پہلے تو مجھے اس بوڑھے پر شبہ ہوا تھا مگر جب اس نے رائفلوں کے ڈھیروں، پر بت اور رائی کے پر بت کا تذکرہ چھیڑا تو میں یہی سمجھا کہ وہ ان لوگوں کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے۔ لیکن اگر وہ ان میں سے ہوتا تو ان باتوں کا تذکرہ کرتا۔ بلیک زیرو کو تو اس لئے پیچھے آنے کی ہدایت کی تھی کہ کہیں مقتول شکاری کے ساتھی ہمارا تعاقب نہ شروع کر دیں۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ اس کے نئے دوستوں میں سے نہیں تھے بلکہ اسی تنظیم سے تعلق رکھتے تھے۔ ورنہ اس طرح اچانک غائب کیوں ہو جاتے۔ صبح سے انہیں کیمپ میں کسی نے نہیں دیکھا۔“

”مگر تم بھوت۔ اس کے باوجود بھی ان لوگوں پر چھا گئے۔“ روشی اسے پیار بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔

”ارے باپ رے۔۔۔ ہپ۔“ عمران تھوک نکل کر بولا۔ ”یہ تم مجھے کیسے دیکھ رہی ہو آئی۔۔۔ اگر ڈیڈی نے دیکھ لیا تو دونوں کو گولی مار دیں گے۔“

”کینے گدھے۔“ روشی نے جھلا کر درمیان میں رکھی ہوئی میز عمران پر دھکیل دی اور وہ میز

سیت زمین پر آ رہا۔

”اس سے تو یہی بہتر ہے۔۔۔“ عمران اٹھنے کی کوشش کرتا ہوا بسور کر بولا۔

﴿ختم شد﴾

(مکمل ناول)

## پیشرس



عمران کی چوبیسویں حماقت ملاحظہ فرمائیے۔ لیکن پھر وہی دشواری آپڑی ہے کہ کہانی کے متعلق اپنے قلم سے کیا لکھوں اگر آپ کو پسند آئے۔ اچھی سمجھئے نہ پسند آئے تو میں اسے اچھی باور کرانے پر بھی زور نہیں دوں گا۔ ویسے مجھے اس کا اندازہ بخوبی ہے کہ جو کہانیاں رواروی میں لکھ دیتا ہوں وہ آپ کو عموماً پسند آتی ہیں اور جن پر واقعی محنت کرتا ہوں ان میں آپ ضرور پنچشائے نکالتے ہیں.... مگر اس کا اعتراف آپ کو بھی ہے کہ میں اپنی ہر نئی کہانی میں نیا انداز پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ لہذا یہ کہانی بھی آپ ایسی ہی پائیں گے۔

ابن صفحہ

سردیوں کی ایک تاریک رات تھی۔ شہر میں کھر کی ہلکی سی چادر محیط تھی اور جگمگاتی ہوئی سڑکوں پر چلنے والوں کی زیادتی نہیں تھی ابھی صرف نو ہی بجے تھے، لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے رات ڈھل گئی ہو.... صدر کے فٹ پاتھ پر اس وقت تل رکھنے کی بھی جگہ نہیں ہوتی تھی۔ قریب قریب ویران ہو چکے تھے۔ آج سردی اتنی ہی شدید تھی۔

ایریل نائٹ کلب کے سامنے والے فٹ پاتھ پر تو گویا قبرستان کا سناٹا تھا۔ ورنہ اس وقت تو یہاں زندگی ہی زندگی نظر آتی تھی۔ مگر ایریل نائٹ کلب اس وقت ایسے موسم میں بھی آباد تھا اور ابھی تک اکاؤنٹ گارڈیاں اس کی کپاؤنڈ میں داخل ہوتی نظر آ جاتی تھیں۔

مگر عمران کی کار کا کیا کام۔ اسے نائٹ کلبوں کی تفریحات سے دلچسپی نہیں تھی۔ یہ اور بات ہے کہ وہ شہر کے کئی اچھے نائٹ کلبوں کا باقاعدہ طور پر ممبر رہا ہو۔

کار سیدھی اسی طرف چلی گئی جہاں کاریں پارک کی جاتی تھیں۔ عمران نیچے اترا.... اس کے جسم پر اوور کوٹ تھا اور فلٹ ہیٹ کا گوشہ پیشانی پر جھکا ہوا تھا۔

کلوک روم میں آکر اس نے اوور کوٹ اتارا اور فلٹ ہیٹ کھونٹی پر ڈال دی۔ کلوک روم کا محافظ اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ وہ عمران کو پہچانتا تھا۔ حالانکہ عمران روزانہ کے آنے والوں میں سے نہیں تھا۔ مگر اس کے بے جوڑ لباس کی وجہ سے لوگ عموماً اسے یاد ہی رکھتے تھے.... کلوک

میں جلدی کر رہا ہے۔

کافی ختم کر کے وہ تھوڑی دیر بعد بیٹھا جاز سنتا رہا پھر اس انداز سے اٹھا جیسے کوئی بات یاد آگئی ہو۔ اس نے کاؤنٹر پر ہی کافی کی قیمت ادا کی اور تیزی سے چلتا ہوا کلوک روم میں آیا۔

محافظ نے اسے اوور کوٹ پہننے میں مدد دی۔

”آج بہت جلد تشریف لے جا رہے ہیں جناب۔“ اس نے بڑے ادب سے کہا۔

”ہاں میں اپنا پرس گوڈن بار کے کاؤنٹر پر بھول آیا ہوں۔“

”اوہ“

لیکن قبل اس کے کہ وہ اظہار ہمدردی کے طور پر کچھ سنتا عمران باہر آچکا تھا وہ اتنی جلدی میں تھا کہ ایک آدمی سے ٹکراتے ٹکراتے بچ گیا۔ وہ بھی ٹھیک اسی وقت کلوک روم میں داخل ہوا تھا جب عمران نے باہر جانے کے لئے سپانا بھرا تھا۔

لیکن شاید اس آنے والے نے عمران کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ ورنہ دونوں میں یہیں مہا بھارت ہو جاتی۔ کیونکہ یہ آنے والا محکمہ سرانصرسانی کا سپرنٹنڈنٹ کیپٹن فیاض تھا۔

عمران نے کار اشارت کی اور اسے تیز رفتاری سے اگلے چوراہے کے ٹیلی فون بوتھ تک لایا۔ چوراہے پر اب ٹریفک کانسٹیبل بھی موجود نہیں تھا ورنہ وہ اسے غلط جگہ پر کار روکنے کے سلسلہ میں ضرور ٹوکتا۔ مگر عمران جلدی میں تھا وہ کار سے اتر کر ٹیلی فون بوتھ میں گھس گیا۔

پھر دوسرے ہی لمحے میں وہ بلیک زیرو کے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔

دوسری طرف سے جواب ملنے پر اس نے کہا۔ ”بلیک زیرو! ایریل نائٹ کلب میں کیپٹن فیاض پر نظر رکھنی ہے۔ فوراً پہنچ جاؤ۔“

”بہت بہتر جناب۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ ٹپ ٹپ کے علاوہ اور کسی نائٹ کلب میں نہیں جاتا۔“

”جی ہاں! وہ اکثر ٹپ ٹپ ہی میں نظر آئے ہیں۔“

”اچھی بات ہے۔ اب میں صبح تم سے رپورٹ لوں گا۔“

عمران سلسلہ منقطع کر کے باہر آیا اور پھر اس کی کار اسی رفتار سے دوڑنے لگی۔ سردی مزاج پوچھ رہی تھی۔ اسٹیرنگ پر ہاتھ جسے ہوئے سے معلوم ہو رہے تھے۔

روم کے محافظ نے اس پر نظر پڑتے ہی اسے پہچان لیا تھا اور اسے توقع تھی کہ اوور کوٹ کے نیچے سے کوئی مضحکہ خیز قسم کا لباس ظاہر ہو کر وقتی تفریح کا باعث بنے گا مگر ایسا نہیں ہو سکا اور اسی پر اسے حیرت ہوئی تھی۔ کیونکہ عمران آج باقاعدہ لباس میں تھا لیکن چہرے پر حماقت آج بھی نظر آرہی تھی۔ کلوک روم کے محافظ نے بالکل اسی انداز میں ٹھنڈی سانس لی جیسے اسے عمران کو ڈھنگ کے لباس میں دیکھ کر صدمہ پہنچا ہو۔

آج عمران نے اس کی طرف دیکھ کر اپنے سر کو جنبش بھی نہیں دی تھی۔ وہ وہاں سے سیدھا ڈائینگ ہال میں چلا آیا۔ یہاں آرکسٹرانج رہا تھا۔... اور میزیں زیادہ تر آباد تھیں۔... عمران ایک خالی میز پر بیٹھ گیا۔

اسے دیکھ کر ایک ویٹر میز کی طرف چل پڑا تھا۔ جیسے ہی وہ قریب آیا عمران نے آہستہ سے کہا۔ ”شوگر میبل“ اور پھر قدرے اونچی آواز میں بولا۔ ”سردی بہت شدید ہے، میزے لئے انگاروں کا شربت لاؤ۔“

”انگاروں کا شربت“ ویٹر نے حیرت سے دہرایا۔

”شوگر میبل“ عمران نے پھر آہستہ سے کہا۔ ”کیا تم بہرے ہو۔“

”بہت بہتر جناب“ ویٹر مودبانہ انداز میں جھکا اور ایک باسلیقہ ویٹر کی طرح رخصت ہو گیا۔ عمران احقانہ انداز میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ پہلی بار کسی بڑی تفریح گاہ میں داخل ہوا ہو۔

کچھ دیر بعد ویٹر کافی کی ٹرے اٹھائے ہوئے واپس آیا۔... ٹرے میز پر رکھ دی گئی اور ویٹر چلا گیا۔ عمران نے سب سے پہلے شکر کا برتن کھسکایا اس کے نیچے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ موجود تھا۔ اس نے اسے جوں کا توں رہنے دیا اور پیالی میں شکر ڈالنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کافی کے گھونٹ لیتا ہوا شکر دانی سے برآمد ہونے والی تحریر پڑھ رہا تھا۔

”اس کی شکل دیکھنے میں ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی۔ وہ ہمیشہ رات ہی کو اپنے کمرے سے نکلتا ہے اس کے اوور کوٹ کے کالر اٹھے ہوئے ہوتے ہیں اور فلت ہیٹ جھکالی جاتی ہے۔ وہ کبھی ڈائینگ ہال میں نہیں دیکھا گیا۔ میں کوشش کر رہی ہوں کہ اسے دیکھ سکوں۔“

عمران نے کاغذ کو جیب میں ڈال لیا۔ اس کے بعد باسانی اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ کافی پینے

کچھ دیر بعد کار پھر رکی۔ لیکن یہ ایک تاریک سی گلی تھی۔ عمران نے اپنا اور کوٹ اُتار کر کار میں ڈال دیا۔ صرف اور کوٹ ہی نہیں بلکہ کوٹ اور فلت ہیٹ بھی اُتار دی۔ اب جسم کے اوپر صرف ایک پتلون قمیض اور ٹائی رہ گئے۔ ٹائی کی گرہ اس نے ڈھیلی کر دی اور بال الجھا کر پیشانی پر گرا دیئے پھر کار سے اُتر آیا۔

اب وہ ایک گھٹیا قسم کا لفنگا نظر آ رہا تھا۔ اس نے کار کے دروازے مقفل کر دیئے اور گلی سے باہر نکل آیا۔.... سردی کی شدت بدستور قائم تھی۔ البتہ کھراب کم ہو گئی تھی۔

عمران کے قدم ایک گھٹیا سے شراب خانے کی طرف اٹھ رہے تھے۔ وہ کسی جھک کے بغیر شراب خانے میں داخل ہو گیا۔ بھدے اور بے ہنگم قہقہے اس کے استقبال کے لئے اٹھے۔ وہ یہی سمجھتا تھا قہقہے اسی کے لئے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت تھی کہ کوئی اس کی طرف متوجہ تک نہیں ہوا تھا۔

وہ ایک میز پر جم گیا۔ اس کی حالت سے یہی معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی بساط سے زیادہ پی گیا ہو۔ پلکیں جھکی آرہی تھیں اور آنکھیں بالکل سرخ تھیں اور وہ بیٹھے بیٹھے ہچکولے سے لے رہا تھا۔ دفعتاً ایک بھدے سے آدمی نے اس کی میز پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”کیا چاہئے“

”ہی ہی ہی ہی!“ عمران اس کے چہرے کے سامنے انگلی نچا کر ہنسا۔ ”وہ چاہئے..... لاؤ.....“

”وہی۔ جو کہیں نہیں ملتی..... کہیں نہیں پیارے..... تم میرے بڑے بھائی ہو۔ اچھا ہو کہ نہیں؟..... لاؤ وہی لاؤ جو کہیں نہیں ملتی۔“

”ارے کھسکو..... یہاں اسکاچ و سکاچ نہیں ملے گی۔ رم لاؤں.....“

”اے ہماری تو بین کرتا ہے..... رم پیئیں گے ہم.....“

دفعتاً ایک شرابی شاید نشے کی جھونک میں عمران پر آگرا۔ میز اٹھنے لگتی پئی۔ پھر وہ اور عمران ایک دوسرے سے لپٹ پڑے۔

جو آدمی عمران کا آرڈر لینے آیا تھا دونوں کو الگ کرانے لگا۔ لیکن ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ صرف قہقہے لگا رہے تھے۔ ان میں سے ایک بھی نہیں اٹھا۔

ویسے شراب خانے کے دو ملازم غنڈے آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ غالباً وہ

اس گھات میں تھے کہ ان دونوں شریوں کو اٹھا کر باہر فٹ پاتھ پر پھینک دیں۔ یہاں دنگا فساد کرنے والوں کے ساتھ یہی برتاؤ کیا جاتا تھا۔

لیکن ان کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی دونوں الگ ہو گئے تھے۔

”نکل جاؤ.....!“ ان میں سے ایک نے دونوں کی گردنیں دبوچتے ہوئے کہا۔

عمران بدستور نشے میں جھوم رہا تھا۔ اس نے بے بسی سے کہا، ”جاتے ہیں یار اب کبھی ایسی بڑی جگہ نہیں آئیں گے۔“ وہ اپنی گردن چھڑا کر فٹ پاتھ پر اتر آیا لیکن دوسرا شرابی ان غنڈوں سے الجھ پڑا تھا۔

عمران کچھ دور تک شریوں ہی کی طرح جھوم جھوم کر چلتا رہا پھر اس نے ایک گلی میں مڑ کر اپنی رفتار تیز کر دی۔

گلی پار کر کے وہ دوسری طرف آیا۔ ویسے وہ اس گلی سے گزرتے وقت مڑ مڑ کے پیچھے ضرور دیکھتا رہا تھا کہ کہیں تعاقب تو نہیں ہو رہا۔

دوسری سڑک پر پہنچ کر وہ ایک بجلی کے کھمبے کے نیچے رک گیا اور اپنی منھی کھولی اس میں ایک مڑا مڑا سا کاغذ تھا اس نے بڑی تیزی سے کاغذ کو پھیلا دیا اور اس کی تحریر کو پڑھنے لگا۔

”وہ اس وقت شراب خانے کے اوپر والے فلیٹ میں موجود ہے۔ آج میں اس کی شکل دیکھنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ لیکن آنکھیں نہیں دیکھ سکا کیونکہ آنکھوں پر مرکری پالش والے شیشوں کی عینک تھی۔ اس کے چہرے پر کنگ جارج ففٹھ ٹائپ کی سیاہ ڈاڑھی ہے شراب خانے کے اوپر والے فلیٹ میں پندرہ دن قبل ایک بوڑھی عورت مسز پارسن رہتی تھی وہ اسے خالی کر کے چلی گئی تھی۔ اب ایک ہفتہ سے پھر اس میں یہ پراسرار کرایہ دار آگیا ہے وہ عموماً رات اسی فلیٹ میں گزارتا ہے اور دن بھر غائب رہتا ہے۔“

عمران نے پرچے کو جیب میں ڈال لیا اور اسی گلی کی طرف چل پڑا جہاں اپنی کار چھوڑی تھی۔ اس کی رفتار تیز تھی اور وہ اپنے بال پیشانی سے ہٹا کر پیچھے کی طرف الٹا جا رہا تھا۔ کار کے قریب پہنچ کر اس نے سب سے پہلے باقاعدہ طور پر بالوں پر کنگھا کیا اور کوٹ نکال کر پہنا۔ ٹائی کی گرہ درست کی۔

اسے پھر اسی شراب خانے کی طرف جانا تھا جہاں کچھ دیر پہلے ایک شرابی اس سے الجھ پڑا تھا۔ شاید وہ اسی کا کوئی آدمی تھا جس نے اس طرح اسے ایک اہم اطلاع دی تھی۔



دفعتا عمران کتوں کی طرح بھونکنے لگا اور کیپٹن فیاض نے برا سامنہ بنا کر اسکی اس بدنمائی پر سلواتیں سنائیں لیکن عمران بھونکتا ہی رہا۔ یہ سلسلہ تو اس وقت ختم ہوا جب سلیمان چائے کی ٹرے لایا۔ چائے کے دوران میں عمران کچھ نہ بولا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ کچھ دنوں پہلے کسی بات پر دونوں میں جھگڑا ہو گیا تھا لہذا بول چال بھی باقی نہیں رہی تھی ویسے یہ اور بات ہے کہ راہ چلتے کہیں ملاقات ہو جانے پر عمران نے اسے چھیڑنے کی کوشش ضرور کی ہو۔

”میں یہ کہنے آیا ہوں کہ تم جلد از جلد فلیٹ خالی کر دو۔ میرے ایک عزیز کو ضرورت ہے۔“ فیاض نے چائے ختم کر کے ہونٹوں کو رومال سے خشک کرتے ہوئے کہا۔

”تمہارے ایک عزیز کو کس چیز کی ضرورت ہے۔“ عمران نے تھرا آمیز لہجے میں پوچھا۔

”فلیٹ کی۔ تم نے مجھ سے یہ فلیٹ کچھ دنوں کے وعدہ پر لیا تھا۔“

”اب تک کچھ ہی دنوں کے وعدہ پر میں اس فلیٹ نظر آ رہا ہوں۔“

”بس اب اسے خالی کر دو۔“

”مگر ابھی کچھ دن پورے کہاں ہوئے ہیں۔“

”وہ تو کبھی پورے نہ ہوں گے۔“ فیاض کو غصہ آ گیا۔

”تب پھر مجبوری ہے۔“ عمران سر ہلا کر غناک لہجے میں بولا۔ ”اللہ کی مرضی میں کس کو دخل ہے۔“

”عمران میں بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔“

”اگر اچھی طرح پیش آؤ تو کیا حرج ہے۔“

”میں رحمان صاحب سے اجازت لے چکا ہوں۔“

”کس بات کی۔“

”یہی کہ جس طرح تمہیں یہاں سے نکال سکوں نکال دوں۔“

”قرب قیامت کی دلیل ہے۔“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”باپ پیدا ہوتے ہی

لوگوں کی برابری کرنے لگیں گے۔“

وہ کار میں بیٹھ گیا اور کار پھر گلی سے سڑک پر نکل آئی لیکن اب عمران کے چہرے پر مونچھوں کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ ویسے یہ مونچھیں ایسی تھیں کہ قریب سے دیکھنے والے ان کے نقلی ہونے کا اندازہ بآسانی لگا سکتے تھے اور عمران بھی اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا تھا کہ شراب خانے کے اندر بیٹھنے والے اسے دور ہی سے دیکھ کر پہچان نہ سکیں۔

اس کی اس خواہش کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا تھا کہ بالائی منزل کے زینوں پر قدم رکھتے ہی اس نے مونچھیں نکال کر جیب میں ڈال لی تھیں۔

کار اس نے شراب خانے کے سامنے ہی کھڑی کی تھی اور اب زینے طے کرنا ہوا اور جارہا تھا۔ یہاں ایک لائن میں پانچ یا چھ فلیٹ تھے اور ان کے سامنے ایک طویل بالکنی تھی۔ وہ ٹھیک شراب خانے کے اوپر والے فلیٹ کے سامنے رکا۔

دروازہ بند تھا۔ عمران نے اچھتی سی نظر چاروں طرف ڈالی اور آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دینے لگا۔ پتہ نہیں کیوں اسے ایسا محسوس ہوا جیسے دستک کی آواز پر اندر سناٹا چھا گیا ہو۔ حالانکہ پہلے بھی اس نے اندر کسی قسم کی آواز نہیں محسوس کی تھی یہ تو اس کی چھٹی حس تھی جس نے اندر ایک سے زیادہ آدمیوں کی موجودگی کا یقین دلایا تھا۔

کچھ دیر بعد اندر سے قدموں کی آواز آئی اور دروازہ کھل گیا۔ عمران کے سامنے ایک طویل قامت آدمی کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر سیاہ اور نکلی ڈاڑھی تھی اور آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک تھی۔ ”اوہ... کیا مسز پارسن موجود ہیں۔“ عمران نے ایسے لہجے میں پوچھا جیسے اسے وہاں اس ڈاڑھی والے کو دیکھ کر حیرت ہوئی ہو۔

”جی نہیں“ بہت شرافت سے جواب دیا گیا۔ ”وہ پتہ نہیں کب یہ فلیٹ خالی کر چکی ہیں۔ میں نیا کرایہ دار ہوں۔“

”تب تو.... میں تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔“ عمران نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

”کوئی بات نہیں“ ڈاڑھی والے نے کہا اور دروازہ ایک زوردار آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔

عمران اپنا داہنا گال کھجاتا ہوا زینوں کی طرف واپس لوٹا۔ اس بار اس نے مونچھیں لگانے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی کیونکہ اس کی پشت شراب خانے کی طرف تھی۔

کار فرائے بھرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

”میں تمہیں صرف تین دن کا نوٹس دے رہا ہوں۔“

”میں ایسی باتوں کا نوٹس ہی نہیں لیتا۔ کیا فائدہ اپنا دل خراب کرنے سے۔“

”تمہیں خالی کرنا پڑے گا۔“ فیاض میز پر گھونسنہ مارتا ہوا بولا۔

”تم اپنا اصل مقصد بیان کرو اور میز پر اتنے زور سے گھونسنہ نہ مارو کہ تمہارے گھونسنے کو کوئی

نقصان پہنچ جائے۔“

”آغا! تو تم سمجھتے ہو کہ میں کسی معاملے میں تمہاری مدد کا خواہاں ہوں۔“

”حالات ایسے ہی ہیں کہ میں سمجھنے پر مجبور ہوں۔“

”کیسے حالات۔“

”کیا میں پھر کتے کی طرح بھوکنا شروع کر دوں؟“

”اوہ۔“ فیاض اسے معنی خیز نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔ ”کیا مطلب۔“

”مطلب اسی عورت سے پوچھو، جو تمہیں پچھلی رات رو رو کر پور کر رہی تھی۔“

”تم کیا جانو۔“ فیاض کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

”تم کسی بند کمرے میں نہیں تھے بلکہ ایریل نائٹ کلب میں تھے۔“

”مگر تم تو کہیں نہیں نظر آئے تھے۔“

”میرا ایسی واہیات جگہوں پر کیا کام۔“ عمران نے کہا۔

”کسی کی ٹوہ میں رہنا بڑی بات ہے۔“

”آہ۔ یہ جملہ اس آدمی کی زبان سے سن رہا ہوں، جو دوسروں کی ٹوہ میں رہنے والوں کا

سپر نٹنڈنٹ ہے۔ فیاض کہیں تمہیں گھاس تو نہیں کھا گئی۔“

”وہ ایک مظلوم عورت تھی۔“

”اور شراب کے نشے میں کتوں کی طرح بھونک رہی تھی۔“

”وہ پہلے ہی سے پے ہوئے تھی.... میں نے نہیں پلائی تھی۔“

”تم کیا پلاؤ گے مکھوس کنجی.... ارر کنجوس مکھی چوس۔ مگر تم اسے مظلوم کیوں کہہ رہے

ہو۔ ہو سکتا ہے اس کی داستان محض نشے کی جھونک رہی ہو۔“

”نہیں مجھے علم ہے کہ.... شہاب فکری کو کسی پاگل کتے نے کاٹ لیا ہے.... اور وہ پاگل

ہو گیا ہے۔“

”شہاب فکری سے اس عورت کا کیا تعلق ہے۔“

”وہ اس کی دوست ہے۔“

”اور تمہیں محکمہ سرانجامی کے سپرنٹنڈنٹ کی حیثیت سے جانتی ہے۔“

”ہاں۔ ہم پرانے شناسا ہیں۔“

”تو تمہیں اس عورت نے وہ داستان کیوں سنائی تھی۔“

”ارے بس ختم کرو۔“ فیاض ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں یہاں اس لئے نہیں آیا تھا۔ تم بتاؤ کہ

فلیٹ کب خالی کر رہے ہو۔“

”تم ایک بہت بڑی مصیبت میں پھنسنے والے ہو فیاض۔ اس لئے اگر مجھ سے جھگڑا نہ کرو تو

بہتر ہے۔“

”تم اس کی پرواہ مت کرو۔ مصیبت میں پھنسنے کے باوجود بھی میں تم سے فلیٹ خالی کرا کے

رہوں گا۔“

”تمہارے فرشتے بھی نہیں خالی کرا سکتے۔ تم جیسے لوگوں کے لئے میں قانون کا منہ بھی

نہیں دیکھوں گا۔“

”میں سچ کہتا ہوں ہمیشہ رحمان صاحب کا خیال مجھے باز رہتا ہے۔ ورنہ تم اس شہر میں نہ

دکھائی دو۔“

”اور مجھے تمہاری بیوی کی بیوگی کا خیال کھانے کو دوڑتا ہے۔“

”میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ تم تین دن کے بعد اس فلیٹ میں نظر نہ آؤ گے۔“

”اسی صورت میں جب تم دیکھنے ہی سے معذور ہو جاؤ۔“

”اچھی بات ہے۔“ فیاض اٹھتا ہوا بولا۔ ”تم دیکھ ہی لو گے۔“

”نہیں میں اپنی آنکھیں بند کر لوں گا۔“

فیاض پیر پٹختا ہوا چلا گیا۔

عمران کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی کچھ دیر بعد اٹھ کر وہ دوسرے کمرے میں آیا

جہاں پرائیویٹ فون تھا۔ اس نے بلیک زیرو کے نمبر ڈائل کئے دوسری طرف سے جواب ملنے



میں دیر نہیں لگی۔

”ایکس ٹو۔“ اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

”لیس سر“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”پچھلی رات ایریل میں جو لڑکی کیپٹن فیاض کے ساتھ تھی اس کے متعلق مزید اطلاعات

درکار ہیں۔“

”سب سے اہم اطلاع تو یہ ہے جناب کہ وہ نشے میں قطعی نہیں تھی۔“

”مگر تم اپنے بیان کی تردید کر رہے ہو۔“

”جی ہاں! پچھلی رات اس نے یہی ظاہر کیا تھا کہ وہ نشے میں ہے لیکن وہ شراب پیتی ہی نہیں ہے۔“

”یہ کیسے کہا جاسکتا ہے۔“

”میں نے اس کے قریبی دوستوں سے معلوم کیا ہے۔“

”خیر.... اور کچھ۔“

”پاگل کتوں کا تذکرہ اس کا محبوب مشغلہ ہے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”وہ جہاں بھی بیٹھتی ہے پاگل کتوں کا تذکرہ ضرور چھیڑتی ہے۔“

”تذکرے کا مقصد کیا ہوتا ہے؟“

”شہاب فکری کی حالت پر افسوس ظاہر کرنا.... اس کے لئے رونا اور سسکیاں لینا۔“

”تو وہ شہاب کی محبوبہ ہے۔“

”میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اس کی محبوبہ ہے یا وہ اس کا محبوب ہے۔“

”کتوں کے تذکرے کے سلسلے میں اور کیا کہتی ہے۔“

”اے اس پر حیرت ہے کہ شہاب فکری سمیت اب تک چار سیاسی لیڈر پاگل کتوں کا شکار ہو چکے ہیں اور وہ سیاسی لیڈر ایک ہی پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔ پارٹی بھی وہ ہے جو اس بار یقینی

طور پر برسر اقتدار پارٹی کو انتخابات میں شکست دے دے گی۔“

”گڈ....“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”عالم پچھلی رات وہ فیاض کو بھی یہی سمجھانے کی کوشش

کر رہی تھی۔“

”جی ہاں۔ مگر فیاض صاحب اس کے مافی الضمیر سے واقف نہیں ہو سکے کیونکہ وہ خود کو نشے

میں پوز کر رہی تھی۔“

”خیر ان چاروں لیڈروں کے بارے میں کیا خبر ہے۔“

”ان کا ذہنی توازن اب بھی ٹھیک نہیں ہو سکا۔“

”اس کے علاوہ پاگل کتوں کے بارے میں اور کوئی رپورٹ۔“

”نہیں جناب۔ مگر میرا خیال ہے کہ شہر میں اس قسم کی اور بھی وارداتیں ہوئی ہوں گی

چونکہ وہ مشہور سیاسی لیڈر ہیں اس لئے ان کا معاملہ شہرت پا گیا۔“

”تمہارا خیال درست بھی ہو سکتا ہے۔ اچھا اس سلسلے میں کوئی ایسا کیس تلاش کرو جو کسی عام

آدمی کا ہو۔“

”میں کوشش کروں گا جناب۔“

”نہیں.... ٹھہرو۔ سب سے پہلے میں یہ چاہتا ہوں کہ آج فیاض کے قدم ایریل میں نہ

جننے پائیں۔“

”میں کوشش کروں گا جناب۔“

”بلکہ وہ ایریل تک پہنچنے ہی نہ پائے تو بہتر ہے۔“

”یہ نسبتاً آسان ہو گا جناب۔“

”مجھے یقین ہے۔“ عمران نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس کے بعد پھر وہ نشست کے کمرے میں واپس آ گیا۔

لیکن دس منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ نشست کے کمرے والے فون کی گھنٹی بجی۔

”ہیلو“ عمران ریسپور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں دھاڑا۔

”آہستہ بولو کہیں لائن نہ خراب ہو جائے۔“ دوسری طرف سے کیپٹن فیاض کی آواز آئی۔

”تمہاری بلا سے تم کون ہو۔“

”فیاض۔“

”کیا ہے۔“

”میں تمہیں ایک ماہ کی مہلت دے سکتا ہوں۔“

”مگر میں کل ہی فلیٹ خالی کر رہا ہوں۔“ عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔  
 ”اتنی جلدی بھی نہیں ہے۔“

”کچھ بھی ہو میں نہیں دیکھ سکتا کہ تمہارے عزیز سڑکوں پر ڈیرے ڈالے پھریں۔“  
 ”میں پھر آ رہا ہوں زبانی گفتگو کرونگا۔“ فیاض نے کہا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔  
 عمران کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی اور وہ آرام کرسی میں گر کر چیونگم کا پیکٹ  
 پھاڑنے لگا۔

فیاض نے وہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگائی۔ شاید اس نے کہیں قریب سے ہی فون کیا تھا۔  
 عمران لا پرواہی سے آرام کرسی میں پڑا رہا۔  
 ”ہام“ فیاض بیٹھتا ہوا مسکرایا۔ ”تم بڑے خدا ترس بن رہے ہو۔ آج کل۔ یعنی یہ فلیٹ کل  
 ہی خالی کر دو گے۔“  
 ”پپ“

فیاض ہنسنے لگا لیکن اس ہنسی میں کھوکھلا پن تھا۔  
 ”میں جانتا ہوں کہ تم یہ فلیٹ کیوں خالی کرانا چاہتے ہو۔“ عمران نے کہا۔  
 ”کیا جانتے ہو۔“  
 ”یہی کہ شہاب فکری کی محبوسہ.... مجذوبہ.... کیا کہتے ہیں اسے....“  
 ”کچھ بھی کہتے ہوں۔ لیکن اس نے جو کچھ بھی کہا ہے قابل غور ہے۔“ فیاض بول پڑا۔  
 ”لیکن فیاض صاحب وہ نشے میں نہیں تھی۔“ عمران بولا۔  
 ”کیا بات کرتے ہو۔ اس کے منہ سے بو آرہی تھی۔“

”خیر چلو تسلیم کر لیا لیکن وہ تم نے کیا چاہتی ہے۔ روکیوں رہی تھی۔“  
 ”بات یہ ہے کہ وہ شہاب کو بے حد چاہتی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ان سب حرکتوں کے ذمہ  
 دار وہ ممالک ہیں جو موجودہ برسر اقتدار پارٹی ہی کو برسر اقتدار دیکھنا چاہتے ہیں۔“  
 ”یعنی ان پاگل کتوں کا تعلق برسر اقتدار پارٹی سے ہے۔“ عمران نے کہا۔

”غالباً وہ مجھے یہی باور کرانا چاہتی تھی۔ مگر ساتھ ہی وہ یہ بھی کہہ رہی تھی کہ اس قسم کی  
 کوئی سازش کسی دیسی آدمی کے بس کا روگ نہیں ہے۔ اس میں کسی بیرونی ہی طاقت کا ہاتھ

ہو سکتا ہے۔ مگر تم خود سوچو کیا وہ پاگل کتے صرف سیاسی لیڈروں ہی کو پہچانتے ہیں۔“  
 ”کیا ان چاروں کے علاوہ ابھی تک اور کوئی کیس رجسٹر نہیں ہوا....“  
 ”میرے علم میں تو نہیں ہوا۔“ فیاض بولا۔

”کیا تم نے معلوم کرنے کی کوشش کی تھی۔“ عمران نے پوچھا۔  
 ”ہاں کیوں نہیں۔ میرے آدمی خصوصیت سے اس فکر میں ہیں۔“  
 ”اچھا تمہارا کیا نظریہ ہے۔“

”میں یہ سوچتا ہوں کہ.... اس میں صداقت بھی ہو سکتی ہے.... تم اسے اتفاق کیسے کہو گے۔  
 ایک نہیں بلکہ چار لیڈران پاگل کتوں کے شکار ہوئے ہیں اور چاروں ایک ہی پارٹی سے تعلق  
 رکھتے ہیں اور پارٹی بھی وہ ہے جو آنے والے انتخابات میں سو فیصدی کامیابی حاصل کرے گی۔“  
 ”آہا تو میں بس یہ سمجھ لوں کہ اب تم برسر اقتدار پارٹی کے خلاف تحقیقات شروع کر دو گے۔“  
 ”بب.... بات.... تو سنو۔“ فیاض ہکلا یا۔ ”مطلب یہ ہے کہ میں اس سلسلے میں تمہارا خیال  
 معلوم کرنا چاہتا ہوں اور یہ تو اب مجھے معلوم ہی ہو گیا ہے کہ تم پہلے ہی سے اس کے چکر میں تھے۔“  
 عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور دردناک آواز میں بولا۔ ”تم غلط سمجھے ہو.... مجھے آج یہ  
 معلوم کر کے بے حد صدمہ ہوا ہے کہ وہ لڑکی جس سے مجھے وہ ہو گئی تھی.... دراصل فہاب  
 شکری.... ار.... شہاب فکری سے وہ کرتی ہے۔“  
 ”تم گدھے ہو تمہیں کسی سے وہ ہو ہی نہیں سکتی۔ تمہارے سینے میں ویسا دل نہیں ہے۔“  
 فیاض ہنسنے لگا۔

”خیر.... سو پر فیاض۔ میں تم سے صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم کیا چاہتے ہو۔“  
 ”مجھے بتاؤ کہ میں اس سلسلے میں کیا کروں۔“  
 ”صبر کرو۔“ عمران نے پھر ٹھنڈی سانس لی اور آہستہ سے بولا۔ ”فرض کرو یہ حقیقت بھی  
 ہوتی تو سب سے پہلے تمہیں برسر اقتدار پارٹی کے خلاف تفتیش کرنی پڑتی۔“  
 ”سنو تو سہی۔“ فیاض نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کا تعلق برسر اقتدار  
 پارٹی سے نہ ہو۔“  
 ”پھر۔“

”میں تہینہ ہی کے خیال سے متفق ہوں۔“ فیاض نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”یعنی ہو سکتا ہے کہ کوئی بیرونی طاقت اس کی ذمہ دار ہو۔ وہ اس پارٹی کا اقتدار پسند نہ کرتی ہو۔“

”اونہہ ختم بھی کرو۔ ابھی تم نے کیا نام لیا تھا۔ ہائے مجھے تو اس فلبدن کا نام ہی نہیں معلوم تھا۔“

”فلبدن۔“ فیاض اسے گھورتا ہوا بڑبڑایا۔ ”تم کیا بک رہے ہو۔“

”اوہو.... تو کچھ اور کہتے ہوں گے۔“ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میری تو نیندیں حلال

ہو گئیں۔ ارے نام بتاؤ اس کا۔“

”تہینہ۔“

”آہا.... کیا نام ہے.... بھنے ہوئے قیے کا مزہ آگیا۔“ عمران کسی نذیدے بچے کی طرح منہ

چلانے لگا۔

”تم نہیں بتاؤ گے مجھے۔“

”کیا بتاؤں۔ ڈیر سوپر فضا۔“

”مجھے اس سلسلے میں کیا کرنا چاہئے۔“

”فی الحال تم اسے ایک چٹپٹی سی غزل لکھ بھیجو اور انتظار کرو کہ وہ کیا جواب دیتی ہے۔ اگر وہ

لکھ دے کہ جناب بھائی صاحب سب خیریت ہے تو سو فیصدی اسے اپنی بھی خیریت سمجھو۔“

”فضول بکواس مت کرو۔ مجھے اس لڑکی پر رحم آتا ہے۔“

”مگر اپنی بیوی پر رحم نہیں آتا.... آہا.... لیکن اب وہ لڑکی کہاں رہی ہے۔ اگر تم لڑکیوں

کے والدین پر رحم کیا کرو سو پر فیاض تو خدا بھی خوش ہو گا۔“

”تمہاری ایسی کی تہی۔“ فیاض جھلا کر اٹھ گیا۔

”کیا اب پھر فلیٹ خالی کرنا پڑے گا۔“ عمران نے بے بسی سے پوچھا۔

”نہیں اب شاید تمہیں یہ شہر ہی چھوڑنا پڑے۔ تم سرکاری کاموں میں خارج ہوتے ہو۔“

”مجھے علم نہیں تھا کہ تم بچیلی رات سرکاری موڈ میں تھے اور وہ سرکار کے لئے رو رہی

تھی.... اچھا سو پر فیاض.... نا نا....“

”میں نہیں جاؤں گا۔“ فیاض پھر بیٹھ گیا۔

”میں جانتا ہوں کہ اب مجھے اس فلیٹ میں ایک یتیم خانہ قائم کرنا پڑے گا۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”میں تمہارے خلاف تہینہ سے ایک رپورٹ درج کرا دوں گا۔“

”وہ رپورٹ کیا ہوگی۔ سو پر فیاض۔“

”یہی کہ تم اس کا تعاقب کرتے ہو۔“

”ارے مر گیا۔“ عمران خوفزدہ سی آواز میں بولا۔

”اور پھر تم سے پوچھوں گا کہ آج کل کن ہواؤں میں رہتے ہو۔“

”نہیں خدا کے لئے ایسا نہ کرنا۔“

”دفترا دروازے پر کسی نے دستک دی اور عمران سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔“

”آجاؤ۔“ اس نے بلند آواز میں کہا۔

دروازہ کھلا اور فیاض ہکا بکا رہ گیا۔ آنے والی ایک دراز قد اور صحت مند لڑکی تھی۔ اس کے

بال بھورے اور گھونگریا لے تھے لیکن انہیں سمیٹ کر باندھا نہیں گیا تھا بلکہ وہ اس کے شانوں پر

بکھرے ہوئے تھے۔ لڑکی بھی فیاض کو دیکھ کر متحیر نظر آنے لگی تھی۔

”اوہ.... کیپٹن....“ لڑکی کے ہونٹوں پر ایک جھجکتی ہوئی مسکراہٹ تھی۔

”تم یہاں کیسے“ فیاض اٹھتا ہوا بولا۔

عمران احقانہ انداز میں کبھی فیاض کی طرف دیکھنے لگتا تھا اور کبھی لڑکی کی طرف۔

”مجھے اطلاع ملی تھی“ لڑکی اپنے نچلے ہونٹ پر زبان پھیر کر بولی۔ ”کہ آپ یہاں ہیں۔“

پھر اس کی نظر عمران پر پڑی اور وہ ٹپٹا گئی۔ عمران کا منہ کھلا ہوا تھا وہ ایک بار ہنسنے کے سے

انداز میں پھیلا اور پھر سکڑ گیا۔ اس وقت وہ سر تاپا حماقت بنا ہوا تھا۔

”اوہو.... تو آؤ چلیں۔“ فیاض لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ عمران

خاموش بیٹھا رہا۔ لڑکی مڑ مڑ کر اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔



اسی رات کو ایریل نائٹ کلب کی تیرہویں میز پر عمران تھوڑی دیر کے لئے رکا اور پھر آگے

بڑھ گیا۔ میز خالی تھی اور اس پر ریڈریشن کارڈ پڑا ہوا تھا۔ بلیک زیرو کی بہم پہنچائی ہوئی اطلاع کے

مطابق یہ میز تہینہ کے لئے مخصوص تھی۔ بچیلی رات بھی اس نے اسے اسی میز پر دیکھا تھا۔

گا کہ میں بھولا نہیں ہوں۔ ان کا قرض ادا کر دوں گا۔ بات یہ ہے.... محترمہ.... ارر....“  
”مجھے تمہینہ کہتے ہیں۔“ لڑکی بولی۔

”اوہ.... اچھا جی ہاں.... دیکھئے! بات دراصل یہ ہے کہ بزنس میں گھانا ہو گیا.... آج کل  
سرسوں کا بھاؤ گر رہا ہے.... میں نے سوچا تھا کہ شکر قد....“  
تمہینہ ہنسنے لگی اور ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”بس عمران صاحب مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ آپ لیڈی  
تویر کا قرض ادا کریں یا نہ کریں مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں میں تو ایک التجا لے کر آئی تھی۔“  
”اوہ تو اس وقت ہے آپ کے پاس۔“

”کیا۔“

”التجا۔“

وہ پھر مسکرائی اور بولی۔ ”میری مدد کیجئے مسٹر عمران.... میں بے حد پریشان ہوں اور  
ٹھہریے مگر آپ پورٹ کیا پیس گے۔ پھر میں آپ کے لئے کیا منگواؤں۔“  
”ساڑھے نو بجے کے بعد صرف ٹھنڈا پانی پیتا ہوں۔“ عمران نے کہا۔  
”خیر۔ آپ نہیں پیتے اور میں نے بھی حال ہی میں شروع کی ہے۔ میں کیا کروں بولنے۔  
جب الجھنیں حد سے زیادہ بڑھ جائیں تو آدمی کیا کرے۔ پھر شراب ہی تو سہارا دیتی ہے۔“  
”جی ہاں۔ اسی صورت میں جب ہمدردی قرص پوینہ دیتا نہ ہو۔“  
”میں نہیں سمجھی۔“

”بڑھتی ہوئی الجھنیں عموماً معدے کی خرابی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔“

”کاش آپ کو حالات کا علم ہوتا۔“ وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

”کیسے حالات مس تمہینہ....“

”تمہینہ جناب۔“ وہ پھر ہنس پڑی۔

”معاف کیجئے گا مجھے نام یاد نہیں رہتے۔“

”کیا آپ کو علم ہے کہ استقلال پارٹی کے چار لیڈر پاگل ہو گئے ہیں۔“

”چار پاگل.... لیڈر ہو گئے ہیں۔“ عمران نے حیرت سے کہا۔

”مسٹر عمران۔ خدا کے لئے میری بات سنجیدگی سے سن لیجئے۔ لیڈی تویر کا خیال ہے کہ

عمران ایک ایسی میز پر بیٹھ گیا جو کسی کے لئے مخصوص نہیں تھی۔ اسے تمہینہ کی آمد کا انتظار  
تھا۔ تمہینہ جسے وہ اپنی دانست میں صرف تیرہ نمبر کی میز کے توسط سے پہچان سکتا۔

اسے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ کیونکہ ٹھیک ساڑھے نو بجے ایک لڑکی تیرہ نمبر کی  
میز پر نظر آئی۔ مگر وہ عمران کے لئے اجنبی بھی نہیں تھی۔ وہ تو وہی لڑکی تھی جو آج ہی فیاض کی  
موجودگی میں اس کے فلیٹ میں آئی تھی اور جسے فیاض اپنے ساتھ لے کر بڑی بدحواسی کے عالم  
میں وہاں سے رخصت ہوا تھا۔ عمران نے میز پر رکھا ہوا گلہ ان اپنے چہرے کے سامنے کھکا لیا۔  
لڑکی کے چہرے پر فکر مندی کے آثار تھے۔ وہ تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھی رہی پھر اس نے ایک  
ویٹر کو اشارے سے بلا کر کچھ کہا۔ ویٹر مؤدبانہ انداز میں سر ہلا کر چلا گیا۔

لڑکی کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی اور اس کی آنکھیں بند تھیں۔

کچھ دیر بعد ویٹر پورٹ کی ایک بوتل اور چھوٹا سا گلاس ٹرے میں رکھ لایا۔

بہترے لوگ اسے گھور رہے تھے۔ مگر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یہاں کسی سے بھی اس کی  
شناسائی نہ ہو۔ اگر یہاں اس کے جاننے والے بھی موجود ہوتے تو وہ اپنی میز پر تنہا نہ ہوتی۔  
عمران اس وقت اپنی میز سے اٹھا جب وہ پورٹ کا گلاس ختم کر کے اپنے ہونٹ رومال سے  
خشک کر رہی تھی۔

وہ سیدھا اس کی میز کی طرف چلا گیا۔ پہلے تو تمہینہ اسے دیکھ کر جھجک پڑی مگر پھر بڑے  
دلاویز انداز میں مسکرائی۔

”میرا خیال ہے کہ میں نے آج ہی آپ کو دیکھا تھا۔“ اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔  
”تشریف رکھئے جناب۔“

عمران بیٹھ گیا۔

”کیا آپ ہی مسٹر عمران ہیں۔“ تمہینہ نے پوچھا۔

”جی ہاں....“ عمران نے کہا اور اس انداز میں اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے  
لگا جیسے وہ اس لڑکی سے بے حد مرعوب ہو گیا ہو۔

”مجھے لیڈی تویر نے آپ کے پاس بھیجا تھا۔“

”اف.... فوہ.... لیڈی تویر۔“ عمران کچھ اور زیادہ بدحواس ہو کر بولا۔ ”ان سے کہہ دیجئے

صرف آپ ہی میری مدد کر سکتے ہیں۔“

عمران کچھ نہ بولا۔ وہ اب بڑی لاپرواہی سے دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔ تمینہ نے پھر کہا۔  
”لیڈی تویر نے یہ بھی بتایا تھا کہ آپ بہت مشکل سے قابو میں آئیں گے۔“  
”لیڈی تویر نے غلط نہیں کہا تھا۔ کیا میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ آپ شہاب فکری کو کب سے جانتی ہیں۔“

”میرے خدا“ تمینہ اچھل پڑی۔ پھر آہستہ سے بولی۔ ”کیا کیپٹن فیاض نے آپ کو بتایا تھا۔“  
”جی نہیں کیپٹن فیاض بھی اپنا قرض ہی وصول کرنے آیا تھا۔“  
”پھر آپ نے یہ سوال مجھ سے کیسے کیا۔“

”کیونکہ میں بارہا آپ کو شہاب فکری کے ساتھ دیکھ چکا ہوں اور مجھے اس کا بھی علم ہے کہ آج کل کسی پاگل کتے نے اسے سچ مچ لیڈر بنادیا ہے۔“  
”اوہ.... اتنی بے دردی سے اس ٹریجڈی کا تذکرہ نہ کیجئے، مسٹر عمران۔“

”اچھا۔“ عمران نے بڑی سعادت مندی ظاہر کی۔  
”کیپٹن فیاض یہ کام کیوں نہیں کر سکیں گے۔ کیا آپ مجھے اس کی وجہ بتا سکتے ہیں۔“ تمینہ نے پوچھا اور دوسرا گلاس لبریز کرنے لگی۔

”وجہ آپ مجھ سے بہتر سمجھ سکتی ہیں۔“  
”نہیں آپ کا خیال معلوم کرنا چاہتی ہوں۔“

”میرا خیال یہ ہے کہ آپ خواہ مخواہ اپنا وقت برباد کر رہی ہیں۔ یہ چاروں حادثات اتفاقہ بھی ہو سکتے ہیں۔“

”اتفاقہ.... ہر گز نہیں۔ میں آپ سے متفق نہیں ہوں۔ ایک ہی پارٹی کے چار لیڈر اور لیڈر بھی کیسے جن پر پارٹی کے استحکام کا دار و مدار تھا.... کیا آپ اس سے انکار کر سکتے ہیں کہ اس بار یہی پارٹی برسر اقتدار آئے گی۔“  
”ہو سکتا ہے کہ ایسا ہی ہو.... پھر۔“

”کیا بہترین لیڈروں سے محروم ہو جانے پر یہ پارٹی الیکشن کے زمانے تک زندہ رہ سکے گی۔“  
”نہیں۔“

”آپ ہی بتائیے کہ میں انہیں اتفاقہ حادثات کیسے سمجھ لوں۔“  
”سمجھئے.... لیکن ابھی تک آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ میں نے پوچھا تھا کہ آپ شہاب فکری کو کب سے جانتی ہیں۔“  
”سالہا سال سے، ہم دونوں کلاس فیورہ چکے ہیں۔ اوہ مسٹر عمران کیا اتنی چھوٹی عمر میں اتنی ترقی حیرت انگیز نہیں ہے۔ وہ ملک کا سب سے کمسن لیڈر ہے۔“  
”یقیناً ہے۔“

”پھر بتائیے۔ میں کیا کروں۔“  
”اچھا میں کوشش کروں گا کہ وہ ایک سال کے اندر ہی اندر بوڑھا ہو جائے اور کوئی خدمت؟“  
تمینہ پھر ہنسنے لگی مگر انداز رد دینے کا ساتھ۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں بہت زیادہ پریشان ہوں۔ گفتگو کرتے وقت اظہار خیال کے لئے الفاظ کا انتخاب میرے لئے مشکل ہو جاتا ہے۔“  
”کیا شہاب شروع ہی سے اس پارٹی کے لئے کام کرتا رہا ہے۔“ عمران نے پوچھا۔  
”نہیں۔ اس نے اب تک کئی پارٹیاں بدلی ہیں۔ دیکھئے نا مسٹر عمران آگے بڑھنے کے لئے یہی کرنا پڑتا ہے۔ ایک آدھ بار اس سے اندازے کی غلطی بھی ہوئی ہے ورنہ وہ اس وقت وزیر ہوتا۔“  
”یعنی.... وہ موجودہ برسر اقتدار پارٹی کا ایک رکن ہوتا۔“  
”غالباً۔“

”لیکن اندازے کی غلطی اسے استقلال پارٹی کی طرف لے آئی۔“  
”جی ہاں۔“

”اور جب استقلال پارٹی کے آگے بڑھنے کے امکانات پیدا ہوئے تو پاگل کتوں کی بن آئی۔“  
تمینہ نے صرف سر ہلادیا۔ وہ تیسرا گلاس بھر رہی تھی۔  
”اچھا تو پھر آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں۔“ عمران نے پوچھا۔  
”برسر اقتدار پارٹی کے ان افراد کے خلاف تفتیش کیجئے، جو یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔“  
”اگر تفتیش ہو بھی گئی تو آپ کیا بنا گاڑ لیں گی۔“

”میں اپنے سینے میں چھرا گھونپ لوں گی۔ اس سازش کے خلاف پوری قوم کو بھڑکاؤں گی۔“  
”چھرا گھونپ لینے سے پہلے یا بعد!“

”میرا مصحک نہ اڑائیے۔ میں صرف اتنا چاہتی ہوں کہ مطمئن ہو جاؤں۔“  
 ”بس مطمئن ہو جائیے کہ یہ برسر اقتدار پارٹی ہی کے کچھ افراد کی حرکت ہے۔“  
 ”آپ کو یقین ہے؟“

”میں سنی ہوئی باتوں پر یقین نہیں کرتا۔“

”میں کہتی ہوں یہ سب کچھ جہنم میں جائے لیکن شہاب کی ذہنی حالت ٹھیک ہو جائے۔ مجھے اس کے سیاسی کیریئر سے ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں ہے۔“  
 ”کیا میں کوئی ڈاکٹر ہوں کہ اس کی ذہنی حالت ٹھیک کر سکوں گا۔“  
 ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا چاہتی ہوں۔“  
 ”اور میں بھی ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ آپ کس معاملے میں میری مدد کی خواہاں ہیں۔ غالباً آپ نے فیاض سے بھی مدد ہی طلب کی تھی۔“  
 ”جی ہاں۔ مگر وہ سرکاری آدمی ہیں۔“

”برسر اقتدار پارٹی کے کسی فرد کے خلاف تفتیش نہیں کر سکے گا۔ کیوں؟“  
 ”جی ہاں۔ آپ سمجھتے ہی ہیں۔“

”میں سب کچھ سمجھتا ہوں۔ پھر بھی میرا سوال تشنہ رہا جاتا ہے جب آپ بھی برسر اقتدار پارٹی کے خلاف آواز نہ اٹھا سکیں گی تو تفتیش سے فائدہ ہی کیا۔“  
 ”مجھے شبہ ہے کہ شہاب اس سازش سے واقف تھا۔“  
 ”آہا.... ٹھیک اب آپ نے کام کی بات شروع کی ہے۔ لیکن آپ کو اپنے شبہ کی وجہ بھی بتانی پڑے گی۔“

”اس نے اکثر تذکرہ کیا ہے کہ استقلال پارٹی اپنی بے پناہ مقبولیت کے باوجود بھی کامیاب نہ ہو سکے گی۔“

”اوہ۔ کیا یہ صرف شہاب ہی کا خیال تھا۔“

”میرا خیال ہے کہ صرف شہاب ہی ایسا سوچ رہا تھا۔ ورنہ آپ جانتے ہیں کہ اب بھی ایک عام آدمی کا بھی خیال ہے کہ اس بار استقلال پارٹی اکثریت میں ہوگی۔“  
 ”شہاب نے اپنے اس خیال کی وجہ کیا بتائی تھی۔“

”کچھ بھی نہیں۔ میں نے وجہ پوچھی ہی نہیں تھی۔ کیونکہ اس وقت یہ اتنی اہم بات نہیں تھی۔ ہم کسی ایک چیز کے متعلق مختلف قسم کے خیالات رکھ سکتے ہیں۔“  
 ”مگر.... مس تج.... ار.... تمہینہ.... میں اب بھی سوچ رہا ہوں کہ آپ نے اپنے تمام تر شبہات مجھ پر ظاہر کر دیئے ہیں یا اب بھی کچھ چھپا رہی ہیں۔“  
 ”میں کیا چھپا رہی ہوں۔“

”ان لوگوں کی شخصیتیں جن پر آپ کو حقیقتاً شبہ ہے۔“  
 وہ خاموش ہو گئی لیکن بدستور عمران کی آنکھوں میں دیکھے جا رہی تھی۔ عمران نے بھی اپنے سوال کے جواب پر زور نہیں دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”میں آپ کی کوئی مدد نہ کر سکوں گا۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ فیاض ہی سے اس سلسلے میں گفت و شنید کیجئے۔“  
 ”مسٹر عمران پلیز.... بیٹھ جائیے.... خدا کے لئے بیٹھ جائیے۔“ وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر رو دینے کے سے انداز میں بولی۔

”ہاں.... آں.... میں بیٹھ سکتا ہوں لیکن ہم شیرازی کبوتروں کے متعلق گفتگو کریں گے۔“  
 ”شیرازی کبوتروں کے متعلق۔“ تمہینہ نے حیرت سے دہرایا۔  
 چلنے میں مرغیاں بھی برداشت کر لوں گا۔ مگر آپ اب پاگل کتوں کا تذکرہ نہیں چھیڑیں گی۔“  
 تمہینہ ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولی۔ ”لیڈی تنویر نے بھی یہی کہا تھا کہ آپ آسانی سے قابو میں نہیں آئیں گے۔ مسٹر عمران خدا کے لئے مجھ پر رحم کیجئے۔ میرا مستقبل اب صرف اسی شخص کے ہاتھوں میں ہو سکتا ہے.... جو....“

ایک بیک وہ خاموش ہو گئی.... پھر تھوڑے وقف کے ساتھ بولی۔ ”شہاب ہی میرا مستقبل ہے.... اور آپ نے اس سلسلے میں وہ بات پوچھی ہے جو کیپٹن فیاض نے پوچھی تھی۔ آپ کو شبہ ہے کہ میں ایسے کسی آدمی کو جانتی ہوں جو ان واقعات کا ذمہ دار قرار دیا جاسکے۔“  
 ”ہاں میں یہی محسوس کرتا ہوں۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”مگر میں کسی خاص آدمی کے خلاف شبہ نہیں ظاہر کرنا چاہتی۔“  
 ”آپ کی مرضی.... میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اب مرغیوں اور کبوتروں کے متعلق گفتگو کیجئے۔ کیا خیال ہے اگر منار کا مرغیوں کو فریج سکھائی جائے تو کتنے دنوں میں تلفظ پر قادر

آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہو گا۔“

تہینہ کا گلاس خالی ہو چکا تھا اور وہ بوتل کی طرف ہاتھ بڑھا ہی رہی تھی کہ عمران نے اسے اٹھا کر نیچے رکھ دیا اور تہینہ کے ہونٹوں پر ایک جھپنی ہوئی سی مسکراہٹ نظر آئی۔

”ہاں اب آپ اپنی پوری پوری باتیں مجھے سنا سکتی ہیں۔“ عمران نے کہا ”میں بڑے صبر و سکون کے ساتھ سنوں گا۔“

”خیر..... ہاں..... آپ..... مجھے زیادہ اچھے آدمی نہیں معلوم ہوتے۔ آج کل صرف شراب ہی سکون بخشتی ہے۔ آپ نے مجھے اس سے بھی محروم کر دیا۔“

”وقتی طور پر... اس کے بعد اگر آپ دو چار مشکلیں بھی پی جائیں گی تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔“

”اب آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔“

”آپ کچھ کہنا چاہتی تھیں لیکن بات پوری نہیں ہوئی تھی۔“

”ہاں.... میں یہ کہہ رہی تھی کہ وہ کتوں کا بے حد شوقین ہے۔ میں نواب مشکور کی بات کر رہی ہوں۔ اس کے پاس بہترے ایسے ٹرینڈ کتے ہیں جو اکثر بڑے بڑے کام کر گزرتے ہیں۔“

”آہا.... یاد آیا.... پچھلے سال ایک کتے نے کسی مشاعرے میں غزل بھی پڑھی تھی۔“

”مسٹر عمران۔“ وہ دانت پیس کر رہ گئی۔

”فرمائیے۔“

”آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔ آپ کو شرم آنی چاہئے۔“

”اب آیا کرے گی.... کیونکہ نواب مشکور کے کتے بھی غزل پڑھنے لگے ہیں اور میں نرا

کوڑھ مغز ہوں۔“

”اچھی بات ہے۔ اب میں بھی کچھ نہ کہوں گی۔“

”نہیں آپ دوسری باتیں کیجئے۔ میں کسی خیراتی یا مصلحتی کی مرغیوں کے متعلق سن لوں

گا۔ لیکن نواب مشکور کے کتوں کے بارے میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔“

”آپ کے فرشتے بھی سنیں گے۔“ وہ میز پر گھونسنہ مار کر بولی۔ ”ورنہ میں یہیں آپ کا

گریبان پکڑ لوں گی۔“

”ایسی حرکت بھی نہ کیجئے گا۔ ورنہ میں کہیں کانہ رہوں گا۔ یہاں میرا ملازم بھی موجود نہیں

ہے کہ ٹائی کی گرہ دوبارہ درست کر دے گا۔“

ہو سکیں گی۔“

”مسٹر عمران میں اپنا شبہ ظاہر کر دوں گی.... خدا کیلئے مجھے بور نہ کیجئے۔ میں ہنسنا نہیں چاہتی۔“

”آپ رونا شروع کر دیجئے۔ اگر میں بھی ساتھ نہ دوں تو میری گردن اڑا دیجئے گا۔ کیا لیڈی

تئویر نے یہ نہیں بتایا تھا کہ عمران یاروں کا یار ہے؟ کسی حال میں بھی ساتھ نہیں چھوڑتا۔ اکثر

میرے پڑوس کی بوڑھیاں ہمتوں پر بین کرانے کے لئے مجھے اپنے ساتھ لے جاتی ہیں اور میں

غمزوں کی طبیعت خوش کر دیتا ہوں۔“

وہ پھر ہنس پڑی مگر انداز رو دینے کا سا تھا۔

”سنئے“ وہ یک بیک سنجیدہ ہو گئی۔ ”جب میں نے شہاب سے استقلال پارٹی کی غیر متوقع

شکست کے امکانات کی وجہ پوچھی تھی تو اس نے اس پر کوئی منطقی بحث نہیں کی تھی بلکہ صرف اتنا

کہا تھا کہ نواب مشکور اس سلسلے میں بہت کچھ کر سکتا ہے۔“

”نواب مشکور... ارے وہ تو ڈمی ہے.... مٹی کا ڈھیر۔“ عمران حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

”کیوں؟“

”ارے بس وہ قومی اسمبلی کا ایک ممبر ہے۔ نہ کبھی اخبارات میں اس کے بیانات آتے ہیں اور

نہ کبھی میں نے کسی اخبار میں اس کی تصویر ہی دیکھی ہے۔ اجلاس کے دوران میں بھی اسے کبھی

بولتے ہوئے نہیں سنا گیا۔“

”اس لئے وہ مٹی کا ڈھیر ہے۔“ تہینہ مسکرائی۔

”چلئے شکر کا ڈھیر سمجھ لیجئے۔ مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔“

”کیا آپ نے اسے کبھی دیکھا ہے۔“

”نہیں۔“ عمران نے مایوسانہ انداز میں سر ہلادیا۔ ”وہ بہت کم اپنے مکان کی چار دیواری سے

نکلتا ہے۔ قومی اسمبلی کے اجلاس کے دوران میں بھی وہ بند گاڑیوں میں آتا ہے۔“

”لیکن اس کے پاس بے شمار اقسام کے کتے ہیں۔“ تہینہ نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ کہا۔

”تب آپ اُسے غلاظت کا ڈھیر کہہ سکتی ہیں۔“

”پوری بات سنئے۔“ وہ جھلا گئی۔

”آپ بتاتی کب ہیں کہ بات پوری ہو گئی یا نہیں ہوئی۔ اگر میں یہ بوتل نیچے رکھ دوں تو

وہ اسے گھورنے لگی اور عمران پھر دردناک آواز میں بولا۔ ”مجھے آج تک ٹائی باندھنا نہ آیا۔۔۔ ہمیشہ چھوٹی بڑی ہو جاتی ہے۔ میرا نوکر سلیمان اس سلسلے میں میری مدد کرتا ہے۔“

”آپ آخر میری بات کیوں نہیں سنتے۔“

”اگر وہ سچی ہوں تو میں ہر قسم کی باتیں سن سکتا ہوں۔“

”اچھا تو سنئے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ حرکت نواب مشکور ہی ہے۔ وہ ایسے کتے پیدا کر سکتا ہے جو صرف چند مخصوص آدمیوں پر حملے کریں۔۔۔۔۔ یہ خود اس کا دعویٰ ہے۔“

”کیا آپ نواب مشکور کو قریب سے جانتی ہیں۔“

”میں نے آج تک اس کی شکل بھی نہیں دیکھی۔“

”پھر آپ کو اس دعویٰ کا علم کیسے ہوا۔“

”یہ بات بھی مجھے شہاب ہی سے معلوم ہوئی تھی۔“

”کیا شہاب اس کے خاص ملنے والوں میں سے ہے۔“

”اس کا علم مجھے نہیں ہے۔“

”کچھ دیر پہلے تو آپ کو کسی بھی بات کا علم نہیں تھا۔“

”پہلے میں خاص طور سے کسی کا نام لینا نہیں چاہتی تھی۔“

”خیر میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔ مگر ایک بات۔“

”میں پورا پورا معاوضہ ادا کروں گی۔“

”خیر معاوضے کی بات تو بعد کو ہوگی۔ آپ یہ بتائیے کہ آپ کا ذریعہ معاش۔۔۔۔۔!“

”کچھ بھی نہیں۔ ویسے لوگوں کا خیال ہے کہ میں کروڑوں کی جائیداد کی مالک ہوں۔“

”آپ اپنا خیال ظاہر فرمائیے۔“ عمران نے برا سامنہ بنا کر کہا۔

”میرا بھی یہی خیال ہے کہ میں دس بیس ہزار معاوضے کی صورت میں باسانی ادائیگی کر سکوں گی۔ لہذا آپ کو اس کی فکر نہ ہونی چاہئے۔ لیڈی تنویر کسی مفلس عورت کو آپ کے گھر کا پتہ نہیں بتا سکیں گی۔“

”آپ بحالت موجودہ بھی اس جائیداد کی مالک ہیں یا کسی کے بعد مالک بننے کی امید ہے۔“

”میں اس وقت بھی اس کی مالک ہوں۔“

”قیام کہاں ہے۔“

”سلطان محل میں۔“

”اوہ تو آپ وہ ہیں۔ مگر سلطان محل کی مالکہ کا نام تہینہ تو نہیں ہے۔“

”کشور سلطان میرا خاندانی نام ہے۔۔۔۔۔ یہ نام تو شہاب نے طالب علمی کے زمانے میں میرے لئے تجویز کیا تھا۔“

”نواب مشکور سے آپ کا کیا رشتہ ہے۔“

”بس اتنا ہی کہ ہم دونوں کا شجرہ ایک بادشاہ سے جاملتا ہے۔“

”اچھا مس تہینہ میں آپ سے کسی وقت ملوں گا۔“

”میں کچھ رقم پیشگی بھی دے سکوں گی۔ مگر ابھی تک آپ نے معاوضے کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔“

”معاوضہ میں لیڈی تنویر کے فیصلے پر چھوڑتا ہوں۔“ عمران نے کہا اور اٹھ گیا۔



نواب مشکور تک پہنچنا آسان کام نہیں تھا۔ کیونکہ وہ ایک گوشہ نشین قسم کا جھکی آدمی تھا۔ اس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ دن رات یا تو پڑھا کرتا ہے یا پھر اس کی دلچسپی کا واحد مرکز اس کے کتے ہیں اور کتوں سے شوق کے بارے میں کئی طرح کی باتیں سنی جاتی تھیں۔ جن کی تصدیق ابھی تک نہیں ہو سکی تھی۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ وہ کتوں کی ایک نئی نسل پیدا کرنے کی فکر میں ہے جس کے سلسلے میں وہ آئے دن نئے نئے تجربات کرتا ہے۔ کچھ لوگ اور بھی لغو قسم کی افواہیں پھیلاتے تھے۔ بہر حال عمران تک سنی سنائی باتیں پہنچی تھیں۔ نہ اس نے آج تک نواب مشکور کو دیکھا تھا اور نہ کسی معتبر آدمی کی زبانی اس کے متعلق کچھ سنا تھا اس نے کبھی ضرورت ہی نہیں محسوس کی تھی کہ وہ اس کے متعلق کچھ معلوم کرے۔ کیونکہ شہر میں تو اس سے بڑے بڑے سکی آدمی موجود تھے اور خود عمران ہی کس سے کم تھا۔ دوسرے لوگ خود اس کے متعلق طرح طرح کی افواہیں پھیلا یا کرتے تھے۔



لیکن اب وہ دونوں سے نواب مشکور کے متعلق باقاعدہ طور پر چھان بین کر رہا تھا۔ شہر میں کچھ ایسے آدمی بھی تھے جنہوں نے نواب مشکور کو قریب سے دیکھا تھا اور اس کی بہتری عادات و خصائل سے واقف تھے۔ عمران نے ایسے ہی لوگوں کو اپنی معلومات کا ذریعہ بنانے کی کوشش کی تھی۔

اسے معلوم ہوا تھا کہ نواب مشکور سچ مچ کر یک ہے۔ اس کی عمر تیس سے زیادہ نہیں تھی اسے مطالعہ کا شوق جنون کی حد تک تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ساٹھ سال کی عمر میں باقاعدہ طور پر سیاست میں حصہ لینے کے قابل ہو جائے گا کافی الحال وہ تجربات حاصل کر رہا تھا۔ اس نے پچھلے انتخابات میں حصہ لیا تھا اور سب سے مضبوط پارٹی کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ مضبوط پارٹی موجودہ برسر اقتدار پارٹی تھی۔ پارٹی کو انتخابات کے دوران میں مالی مشکلات درپیش تھیں، جو نواب مشکور کی مدد سے دور ہو گئی تھی۔ اس لئے نواب مشکور کو قومی اسمبلی کے لئے ایک نشست حاصل کر لینے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ لیکن حقیقتاً اس کا کوئی سیاسی کیریئر نہیں تھا۔ جیسے سیٹھ بنو خاں فوجو خاں اسمبلی کے ممبر ہو گئے تھے اسی طرح نواب مشکور نے بھی نشست حاصل کر لی تھی۔ عمران کے خیال کے مطابق دونوں ہی مٹی کے ڈھیر تھے۔

لیکن اسے اس سے غرض نہیں تھی۔ وہ تو نواب مشکور کو تہینہ کے شبہات کے تحت ایک مخصوص مسئلے کے سلسلے میں چپک کر ناچا رہا تھا۔

اسے یہ بھی معلوم تھا کہ نواب مشکور سے ملنا آسان کام نہیں ہے۔ اول تو یوں بھی بہت کم لوگ اس کی طرف رخ کرتے تھے اگر کبھی کوئی بھولا بھٹکا ادھر جا بھی نکلتا تو نواب مشکور کا سیکریٹری یہ کہہ کر ٹال دیتا کہ نواب صاحب پہلے سے وقت کا تعین کئے بغیر کسی سے نہیں ملتے۔ اس پر بھی اگر کوئی وقت کا تعین کر کے ملاقات کرنے پر آمادہ ہو جاتا تو جواب ملتا، نواب صاحب آئندہ ماہ تک اتنے مشغول رہیں گے کہ شاید ملنے کا وقت نہ نکال سکیں۔ عمران نے اس طرح ملنے کی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ کس قسم کے لوگ بآسانی نواب مشکور تک پہنچ سکتے ہیں۔ نواب مشکور کو کتابوں کے دیباچے لکھنے کا بہت شوق تھا۔ شہر کے وہ کم مایہ ادیب جو اپنی کتابیں خود چھاپنا چاہتے عموماً نواب مشکور ہی سے ان کے دیباچے لکھواتے تھے۔ مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ اس بہانے نواب مشکور سے کچھ نہ کچھ وصول کر لیں۔ طریقہ یہ ہوتا تھا کہ وہ اس سے دیباچہ لکھوا کر لے جاتے اور دو تین دن بعد پھر پہنچ کر کہتے کہ پبلیشر نے اب ان کی کتاب چھاپنے سے انکار

کر دیا ہے۔ محض اس بناء پر کہ دیباچہ نواب مشکور سے کیوں لکھوایا گیا۔ اس پر نواب مشکور کو تاؤ آجاتا اور وہ اس ادیب سے کہتا کہ وہ خود ہی اپنی کتاب کیوں نہیں چھاپتا۔ ادیب اپنی مفلسی کی داستان شروع کر دیتا اور نواب مشکور پورے نہیں تو آدھے اخراجات کا ذمہ ضرور لے لیتا تھا۔

بس اسی طرح ایک دن ایک مسودہ سنبھال کر عمران بھی ادھر جا نکلا۔ سب سے پہلے سیکریٹری سے ڈبھیڑ ہوئی اور اسے جب یہ معلوم ہوا کہ وہ کوئی ادیب ہے اور اپنی کتاب کے لئے دیباچہ لکھوانا چاہتا ہے تو اس نے سب سے پہلے یہی سوال کیا کہ کسی پبلیشر سے ابھی معاملہ تو طے نہیں کیا۔ نفی میں جواب پا کر سیکریٹری نے ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔ ”تب پھر آپ میرے لئے کیا کر سکیں گے۔“

عمران کو اس پر حیرت تو ہوئی لیکن اس نے اس کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ ویسے اس نے جملے کی مزید وضاحت کی درخواست ضرور کی تھی۔ اس پر سیکریٹری نے ازراہ ہمدردی اسے بتایا تھا کہ اس کے متعلق ضرور پوچھا جائے گا۔ اگر کچھ وصول کرنے کی نیت ہے تو یہ کہا جائے کہ پبلیشر سے معاملات طے ہو چکے ہیں۔

عمران نے بڑے سعادت مندانہ انداز میں وعدہ کر لیا کہ وہ یقینی طور پر جھوٹ بولے گا۔ پھر سیکریٹری نے اسے بالکل ہی گاؤڈی سمجھ کر کچھ گری باتیں بتائیں اور اس سے وعدہ کر لیا کہ وصول کی ہوئی رقم کے چوتھے حصے سے وہ سیکریٹری کے حق میں دستبردار ہو جائے گا۔

یہ سب کچھ تو ہوا۔۔۔ لیکن نواب مشکور کے سامنے پہنچتے ہی عمران حقیقتاً ہکا بکارہ گیا۔ کیونکہ یہ تو وہی آدمی تھا جسے ایک دن اس نے دلیری کے شراب خانے کے اوپر والے فلیٹ میں دیکھا تھا۔ لیکن اس وقت فرق صرف اتنا ہی تھا کہ اس کی آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک نہیں تھی۔ مگر عمران نے اپنی حیرت نہیں ظاہر ہونے دی۔ بلکہ اس کی بجائے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے اس کی کنگ جارج ففٹھ اسٹائل کی نوکیلی ڈاڑھی بہت پسند آئی ہو۔

”میرے خدا“ وہ آہستہ سے بولا۔ ”آپ تو بالکل کوئی جرمن فلاسفر معلوم ہوتے ہیں۔ نواب صاحب میری اس جسارت کو معاف فرمائیے گا۔“

”کوئی بات نہیں“ نواب مشکور ہنس پڑا۔ ”پچھلے دنوں ایک شاعر نے کہا تھا کہ میں سقراط کا ہم شکل ہوں۔“

”یہ اور بھی بُرا ہے کہ آپ اپنے ادب پر کسی قسم کی چھاپ لگاتے ہیں۔ خیر لائیے۔ میں دیکھوں کہ ایک سوریٹس ادیب نے کیا لکھا ہے۔“

عمران نے مسودہ کی کاپی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”اودہ دیکھئے میں بھول گیا تھا۔ میں دراصل پروتاری ادیب ہوں۔ یعنی کہ جی ہاں۔“

”آہا۔ تب تو آپ نے یقیناً اونچے طبقے پر کیچڑ اچھالا ہوگا۔“

”جی ہاں۔ یقیناً۔“

”اور آپ اسی طبقے کے ایک آدمی سے اس کا دیباچہ لکھانا چاہتے ہیں۔“

”کبھی نہ لکھواتا۔ مگر کیا کروں مجبوری ہے کیونکہ مارکیٹ میں صرف آپ کے دیباچوں کی مانگ ہے۔“

”میرے دیباچوں کی مانگ ہے۔“

”جی ہاں۔ جس پبلشر کے پاس گیا تھا اس نے کہا کہ کتاب تو اچھی خاصی ہے لیکن نواب صاحب کے دیباچے کے بغیر نہیں چلے گی۔“

”اودہ... اچھا۔“ نواب مشکور اس طرح ہنس پڑا جیسے مارکیٹ میں اس کے دیباچوں کی مانگ رہی ہو۔

”اور کیا جناب۔ اس شہر میں آپ کے علاوہ اور کون ہے جو دیباچے لکھ سکے۔“

نواب مشکور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ مسودہ دیکھنے لگا تھا۔ دفعتاً اس نے سر اٹھا کر کہا۔

”کیا آپ نے بچوں کے لئے یہ کہانیاں لکھی ہیں۔“

”نہیں جناب یہ وہ کتاب ہے جو دنیاے ادب میں تہلکہ مچا دے گی۔“

”چڑیا چڑے کی کہانیاں۔“ نواب مشکور نے حقارت سے کہا۔

”آہا.... آپ نہیں سمجھے.... یہ تمثیلی کہانیاں ہیں جناب۔ چڑیا سے مراد ہے اپنا ملک اور

چڑے کو وزیر اعظم سمجھ لیجئے۔ جس طرح چڑیا کے لئے بیتاب ہے اسی طرح وزیر اعظم ملک کی

حالت سدھارنے کے لئے بے چین ہے.... اور انڈے بچے ہم لوگ ہیں.... جی ہاں....“

”کیا بکواس ہے۔“

”ارے واہ....“ عمران ہاتھ نچا کر بولا۔ ”بکواس اس لئے ہے کہ نثر میں ہے اگر میں نے اسی

خیال کو نظم کر دیا ہوتا تو مشاعرے الٹ جاتے جناب....“

”ضرور کہا ہوگا۔ جناب۔“

”آ.... ہاں.... خیر فرمائیے۔ کیسے تشریف لائے۔“

”میں کتوں کے سلسلے میں اپنی معلومات بڑھانا چاہتا ہوں۔“

”کیا۔“ وہ آنکھیں نکال کر بولا۔ ”مگر مجھ سے تو کہا گیا تھا کہ آپ اپنی کتاب کا دیباچہ لکھواتا

چاہتے ہیں۔“

”دیباچہ تو میری بیوی بھی لکھ لیتی ہے۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”میں تو

دراصل یہ پوچھنے کے لئے حاضر ہوا تھا کہ لینڈی ڈاگ کسے کہتے ہیں۔“

”لینڈی ڈاگ۔“ نواب مشکور نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”ایسے آدمی کو کہتے ہیں جو خواہ مخواہ

دوسروں کا وقت برباد کرنا پھرنا ہو۔“

عمران سمجھا شاید وہ اسے پہچان گیا ہے۔ کیونکہ وہ نہ تو اس وقت میک اپ میں تھا جب شراب

خانے کے اوپر والے فلیٹ میں اس سے مڈ بھیڑ ہوئی تھی اور نہ یہیں میک اپ میں آیا تھا۔ اگر

اسے ذرہ برابر بھی شبہ ہو جاتا کہ نواب مشکور کوئی جانا پہچانا آدمی ثابت ہوگا تو اس سے اس قسم کی

غلطی سرزد نہ ہوتی۔ وہ یا تو اس سے اس طرح ملنے کی کوشش ہی نہ کرتا یا پھر میک اپ کا سہارا لیتا۔

اور یہ حقیقت ہے کہ اس نے اُسے دیکھتے ہی اپنی اسکیم بدل کر لینڈی ڈاگ کا قصہ چھیڑ دیا تھا۔ ورنہ

مسودہ تو وہ لایا ہی تھا.... مگر کیا.... اس بدلی ہوئی اسکیم کے نتائج دور رس ہوتے۔

عمران خود بھی یہی سوچ رہا تھا کیونکہ اس نے اپنی دانست میں شکار کے لئے دوسرے قسم کا

تیر چھوڑا تھا۔ لیکن جلد ہی اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اس طرح معاملات اور بھی الجھ جانے

کے امکانات تھے۔ لہذا اس نے ہنس کر کہا۔ ”میں مسودہ لایا ہوں جناب....“

”وہ لینڈی ڈاگ والی بات تو میں نے یوں ہی کہی تھی۔ میری آمد کا مقصد دراصل یہی ہے

کہ آپ ازراہ نوازش میری کتاب کا دیباچہ لکھ دیں۔“

”میں آج کل عدیم الفرصت رہتا ہوں۔ پھر کبھی تشریف لائیے گا۔“ نواب مشکور نے خٹک

لہجے میں کہا۔ ”ویسے میں یہ ضرور کہوں گا کہ ایک ادیب جو ساری دنیا کو ادب اور سلیقہ سکھانے کا

دعوئی رکھتا ہے اسے خود بھی تھوڑا بہت سلیقہ ہونا چاہئے۔“

”اودہ....“ عمران بے ڈھنگے پن سے ہنسا۔ ”میں دراصل ایک سوریٹس قسم کا ادیب ہوں۔“

حیرت کے آثار نظر آتے اور کبھی وہ انتہائی غصے کے عالم میں اپنا نچلا ہونٹ چبانے لگتا۔

”کر چکیں بکواس۔“ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”اچھا تو سنو! تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ پہلے اس کا علاج کرو۔ پھر مجھ سے بات کرنا.... ہاں ہاں.... اچھا.... چلو یہی سہی.... اگر تمہیں مجھ پر کسی قسم کا شبہ ہے تو تم باقاعدہ طور پر پولیس کو اس سے مطلع کرو اور آئندہ میرا وقت برباد کرنے سے گریز کرو۔“

وہ ریسپور کرڈل میں ٹیچ کر عمران کی طرف مڑا۔

”آپ تشریف لے جاسکتے ہیں جناب۔“

”تو کیا میں بے میل و نزام واپس....“

”بے نیل و مرام.... اپنی یادداشت درست کیجئے۔ آپ ایک بہت بڑے ادیب ہیں۔ بس

میرے پاس وقت نہیں ہے۔“

”ایک دن یہ محل خاک کا ڈھیر ہو جائیں گے۔“ عمران دونوں ہاتھ ہلا کر ہذیبانی انداز میں

بولتا۔ ”ساری امارت خاک میں مل جائے گی۔ کوئی بہت بڑا انقلاب ہوا میں کروٹ بدل رہا ہے۔“

”آپ بھی اسی کے ساتھ کروٹ بدلئے۔ مگر یہاں سے باہر نکلنے کے بعد۔“ نواب مشکور

نے یہ کہہ کر گھنٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

”ٹھہریئے۔ اگر کسی پروتاری نے میرے ہاتھ بھی لگایا ہو.....!“

”اسی لئے تو میں عرض کر رہا ہوں کہ شرافت سے تشریف لے جائیئے۔“

”اچھا اب پھر کبھی آؤں گا۔“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔

نواب مشکور کوئی جواب دیئے بغیر سامنے والے دروازے میں مڑ گیا۔

”وقت ہو گیا صاحب“ باہر سے ایک خونخوار قسم کے پٹھان نے کہا اور عمران سر ہلاتا ہوا

کمرے سے نکل آیا۔

اس وقت اس کے ذہن میں صرف تین سوال تھے۔ نواب مشکور نے شہر کے مختلف حصوں

میں قیام گاہیں کیوں بنا رکھی تھیں۔ خیر یہ بھی کوئی خاص بات نہیں تھی.... لیکن وہ ان قیام

گاہوں میں چوروں کی طرح کیوں رہتا تھا اور تیسرا سوال تھا تہینہ کا رویہ۔ وہ نواب مشکور کے

سلسلے میں بہت مشکل سے راہ پر آئی تھی اور یہی ظاہر کیا تھا کہ اس کا بیان بھی محض سنی سنائی

”اچھی بات ہے اب اسے نظم کر کے مشاعرے اٹھنے کے کام میں لائیئے۔ ہو سکتا ہے اس وقت میں دیباچہ بھی لکھ دوں۔“

”آپ نے میرا دل توڑ دیا جناب۔“ عمران گلوگیر آواز میں بولا۔ ”میں تو سمجھا تھا کہ جس وقت یہ کہانیاں آپ کے دیباچے کے ساتھ شائع ہوں گی.... خیر اب میں خود ہی دیباچہ بھی لکھ لوں گا.... اور نیچے آپ کا نام ڈال دوں گا۔“

”کیا“

”جی ہاں۔ پھر فرمائیئے۔ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے جب کہ پبلیشر اسے آپ کے دیباچے کے بغیر چھاپنے سے انکار کر دے۔“

”آپ جانتے ہیں کہ اس کی سزا کیا ہوگی اور آپ کتنا بوجھ کر کریں گے۔“

”اگر یہ کتاب نہ چھپی تب بھی جرائم ہی میری بسر اوقات کا ذریعہ ہوں گے۔ آپ تو نواب ہیں آپ کو کیا علم کہ ایک کنوارے ادیب کی زندگی کس طرح بسر ہوتی ہے۔“

”آپ عجیب آدمی ہیں۔“

”جانور کہئے.... آدمی تو آپ کے کتے ہیں۔ جنہیں تجربات ہی کے لئے کتیاں نصیب ہو جاتی ہے.... جی ہاں مجھے کہنے دیجئے۔ میرے سینے میں اس وقت وہی سب کچھ ہو رہا ہے جو ایک پروتاری ادیب کے سینے میں ہونا چاہئے۔“

”میں آپ کو آگاہ کر رہا ہوں کہ اگر آپ نے ناجائز طور پر میرا نام استعمال کیا تو میں آپ کے خلاف دعویٰ دائر کر دوں گا۔“

”آپ شوق سے دعویٰ دائر کر دیجئے۔ میرے پروگرام میں تو اب تبدیلی ہونے سے رہی۔“

نواب مشکور جھلا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔

وہ عمران کو گھورتا ہوا اٹھ گیا۔

”ہیلو.... لیس مشکور اسپیکنگ۔“ اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں

اس کی بھنویں تن گئیں اور اس نے بہت بُرا سامنہ بنایا۔ غالباً دوسری طرف سے جو کچھ بھی کہا جا رہا تھا اسے پسند نہیں تھا۔

”تم نشے میں تو نہیں ہو تہینہ۔“ اس نے غرا کر کہا اور پھر سننے لگا۔ کبھی اس کے چہرے پر

معلوم ہوتا تھا۔“

”تب تو تم سے بڑی غلطی ہوئی ورنہ میں اس وقت تمہیں پور مجبھی کہہ کر مخاطب کرتا۔“  
عمران نے برا سامنہ بنا کر کہا۔

”بتاؤ وہ کون تھا۔“

”کنگ جارج ففٹھ.... ایک رات میں نے اسے ایک کتے سے گفتگو کرتے دیکھا تھا۔“

”اچھی بات ہے۔ تم نہ بتاؤ۔ میرے پاس ایک بڑی اہم اطلاع ہے۔“

”اور وہ ہر حالت میں مجھ تک ضرور پہنچے گی۔ مگر میں تمہیں بتانا ہی چاہتا ہوں کیونکہ یہ ایک لڑکی کا معاملہ ہے اور تم ہی اس سلسلے میں کچھ کر سکو گی۔“

”جولیانافنر واٹر۔“

”جب اس کی ضرورت محسوس کروں گا وہ بھی کسی نہ کسی کام پر مامور کر دی جائے گی۔“

”خیر تم اصل موضوع کی طرف آؤ۔“

”ہاں تقریباً دس بارہ دن پہلے کی بات ہے۔ میں ٹپ ٹاپ نائٹ کلب میں ایک چینی لڑکی کے ساتھ پنگ پانگ کھیل رہا تھا۔ اچانک ایک سیاہ رنگ کا کتا وہاں گھس آیا۔ یہ واقعہ غیر معمولی تھا کیونکہ وہاں کتوں کا داخلہ ممنوع ہے۔ بعض لوگ کلب کے ملازمین پر بگڑنے لگے۔ کتا وہاں سے بھگایا گیا اور شاید ڈائینگ ہال سے بھی اسے اسی طرح بھگایا گیا تھا۔ گو واقعہ غیر معمولی ضرور تھا لیکن کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی.... پھر تھوڑی دیر بعد وہ کتا اسی میز پر نظر آیا جس پر ہم پنگ پانگ کھیل رہے تھے وہ روشندان سے اس پر کودا تھا۔“

”اوہو.... یعنی چھت پر سے۔“

”ہاں.... اور اب ہم لوگوں نے سوچا ممکن ہے اس کتے کا مالک اس کمرے میں موجود ہو۔ اکثر لوگ اپنے کتے بھی وہاں لاتے ہیں۔ لیکن وہ عموماً باہر ہی روک لئے جاتے ہیں اور ان کی نگرانی کے لئے وہاں الگ اسٹاف ہے.... ہاں اس وقت کمرے میں تقریباً دس یا بارہ آدمی رہے ہوں گے، جو مختلف میزوں پر کھیل دیکھ رہے تھے لیکن ان سے کوئی بھی کتے کا مالک نہ ثابت ہو سکا۔“

پھر دفعتاً کمرے میں بھگدڑ مچ گئی کیونکہ اس وقت تک شہر کے تین سیاسی لیڈروں کو پانگل کتے کاٹ چکے تھے۔

باتوں پر مبنی ہے۔ لیکن شاید اس وقت اس نے براہ راست نواب مشکور پر بھی شیعے کا اظہار کر دیا تھا ورنہ وہ جھلا کر اسے پولیس کی مدد حاصل کرنے کا مشورہ کیوں دیتا۔



ٹھیک ساڑھے چار بجے شام عمران ایریل نائٹ کلب میں داخل ہوا.... روشنی خلاف معمول ڈائینگ ہال میں ملی۔ جو کافی کے برتن پر جھکی ہوئی شاید اپنا داہنا کان سینک رہی تھی۔ عمران سیدھا اسی کی طرف چلا گیا.... اس نے کنکھیوں سے دیکھا مگر کچھ بولی نہیں۔

عمران بیٹھ گیا اور پھر وہ ہولے ہولے کراہتی ہوئی بولی۔ ”میرے داہنے کان میں درد ہے۔“

”آہم.... بائیں کان سے کوئی بات سن کر داہنے کان سے اڑا دینے کی کوشش کی ہو گی۔“

”آف.... فوہ.... تم نے اس بار بڑا کھی مار کام میرے سپرد کیا تھا.... اب میں سوچ رہی ہوں

کہ کس وقت یہاں سے نکل بھاگوں.... پھر یہ تو بڑا مشکل کام تھا کہ رات رات بھر جاگتی رہتی۔“

”کیوں کیا ہوا۔“

”وہ بچھلی رات کسی وقت یہاں سے چلا گیا اور میں اس کی شکل بھی نہ دیکھ سکی۔“

”اوہ.... بالکل چلا گیا۔“

”بالکل.... اور.... اب میں نے اطمینان کا سانس لیا ہے۔ آئندہ ایسے لغو کام میرے سپرد نہ کرنا۔“

میں روزانہ پندرہ میل پیدل چل سکتی ہوں لیکن کہیں بند ہو کر بیٹھنا میرے بس سے باہر ہے۔“

”خیر.... ختم کرو۔ اب تم یہاں سے جا سکتی ہو.... دلیری کے شراب خانے کی کیا خبر ہے۔“

”اس کے اوپر والا فلیٹ دن بھر مقفل رہتا ہے اور رات کو آباد ہو جاتا ہے۔ مگر بچھلی رات وہ

مقفل ہی رہا تھا.... اب اس وقت تم یہ بتائے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتے کہ وہ کون تھا.... اور تم

کس لئے اس کی نگرانی کر رہے تھے۔“

”محض اس لئے کہ تم بعد میں مجھ کو پور کرو.... مگر تم سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اس کی شکل

ہی دیکھتیں۔“

”میں تمہیں اس کا حلیہ بتا سکتی ہوں۔ ایک ویٹر نے مجھے بتایا ہے کہ وہ بالکل کنگ جارج ففٹھ

”اوہ“ روشی بول پڑی۔ ”میرا خیال ہے کہ ابھی حال ہی میں ایک کا اور اضافہ ہوا ہے۔“

”ہاں۔ آں.... اب چار ہو گئے ہیں اور چاروں ایک ہی پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں.... خیر.... تو ایک بار پھر وہ کتابوں سے بھگایا گیا اور اس بار میں اس کے پیچھے تھا۔ کتابا ہر لان پر نکل آیا تھا۔ اس کا رخ پھانک کی طرف ہو گیا۔ لیکن اچانک میں نے اس کی چیخ سنی اور وہ اچھل کر دور جا پڑا۔ میں تیزی سے اس کی طرف جھپٹا۔ اس کی پسلیوں میں ایک بڑے سے چا تو کا دستہ نظر آیا جس کا پھل جسم میں پیوست ہو گیا۔ پھر مجھے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک پرچھائیں سی نظر آئی جو کرانہ کی بازو سے نکل کر پھانک کی طرف بڑھ گئی تھی۔ میں بھی کتے کو وہیں چھوڑ کر پھانک کی طرف لپکا۔ پرچھائیں اب سڑک پر روشنی میں تھی اور میں اسے بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ ایک طویل قامت آدمی تھا جو اوور کوٹ اور فلت ہیٹ میں تھا لیکن اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔ کیونکہ اس نے کوٹ کے کنارے اٹھار کھے تھے اور فلت ہیٹ چہرے پر جھکا ہوا تھا۔ پھر میں اس آدمی کا تعاقب کرتا ہوا اس نائٹ کلب تک آیا تھا.... اس کے دوسرے ہی دن سے تم اب تک یہاں مقیم ہو.... لیکن تم بھی اس کی شکل نہ دیکھ سکیں۔“

پھر اسی جگہ سے عمران نے تمہینہ کا تذکرہ چھیڑ دیا اور جب نواب مشکور تک پہنچا تو روشی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ درمیان میں اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ کس طرح وہ شراب خانے کے اوپر والے فلیٹ میں اس پراسرار آدمی کو دیکھنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

”کیوں تمہیں دھوکا نہ ہوا ہو.... پوور پال۔“ روشی نے کہا۔

”نہیں میرا خیال ہے کہ وہ نواب مشکور ہی تھا جسے میں نے اس فلیٹ میں دیکھا۔“

”اوہ۔ اور وہ کتے بھی پالتا ہے۔“

”ہاں۔ آں.... نہ صرف پالتا ہے بلکہ ان پر مختلف قسم کے تجربات بھی کرتا رہتا ہے۔“

”تو پھر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔“

”نواب مشکور کے خلاف کافی جدوجہد کرنی پڑے گی۔ وہ آسانی سے ہاتھ آنے والا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔ بہت ذہین ہے اور جب تک میں اس کے خلاف کافی ثبوت مہیا نہ کر لوں اس کی طرف انگلی بھی نہ اٹھا سکوں گا۔ تم جانتی ہی ہو کہ وہ کس پوزیشن کا آدمی ہے۔“

”کیا میں اس سے ملوں۔“

”مشکل ہے وہ شاید ہی تم سے ملے اور تم اسے مجھ پر چھوڑ دو اس کے بجائے تم تمہینہ کی فکر

لو.... میرا خیال ہے کہ وہ اس سے زیادہ جانتی ہے جتنا مجھے بتا چکی ہے۔“

روشی کچھ کہتے کہتے رک گئی اور آہستہ سے بولی۔ ”کیپٹن فیاض.... وہ اسی طرف آرہا ہے۔“

عمران نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے میں فیاض کرسی کھڑک کر اسی میز پر بیٹھ رہا تھا۔

”ہم دونوں کافی بے تکلف ہیں۔“ فیاض نے عمران کی طرف دیکھ کر روشی سے کہا۔

”فلیٹ کل تک خالی ہو جائے گا۔“ عمران اس کی طرف دیکھے بغیر بڑبڑایا۔ آواز دردناک

تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ فلیٹ نہیں کسی محبوبہ سے دستبردار ہو جانے کا معاملہ رہا ہو۔

”ختم کرو۔“ فیاض مسکرایا۔ ”فی الحال میں نے اپنے عزیز کے لئے دوسرا انتظام کر دیا ہے۔“

”خدا کرے تمہارا بھی کہیں دوسرا انتظام ہو جائے۔“

”میں تم سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“ فیاض نے کہا۔

”کرو۔“ عمران بے بسی سے بولا۔

”مگر۔“

”اس کی پروا نہ کرو کہ روشی بھی یہاں موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ تم جو کچھ بھی مجھ سے کہو گے اس کا علم روشی کو ضرور ہو جائے گا۔ اس لئے یہ ضروری نہیں کہ تمہاری ضروری باتیں روشی کی عدم موجودگی میں ہوں۔“

”میں جانتا ہوں۔“ فیاض معنی خیز انداز میں ہنسا اور روشی برا سامنے بنا کر رہ گئی۔ ویسے وہ اس

وقت ایک ویٹر کو اشارے سے بلا کر کافی کی دوسری ٹرے کے لئے کہہ رہی تھی۔

عمران فیاض کو گھورتا رہا۔ فیاض پھر بولا۔ ”کیا تم نواب مشکور کو جانتے ہو۔“

”آہم....“ عمران ایک طویل سانس لے کر کرسی کی پشت سے نک گیا۔

”بولو۔“

”ہاں۔ میں نواب مشکور کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ بچپن میں ہم دونوں عموماً ایک ہی لنگوٹی

میں رہا کرتے تھے۔ یعنی کلوٹیا.... یار.... کیا کہتے ہیں.... اسے غالباً لنگوٹیا یار۔“

”وہ کس قسم کا آدمی ہے۔“

”کنگ جارج ففٹھ قسم کا۔“

”یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ وہ کنگ جارج ففٹھ سے بہت مشابہ ہے۔ میں اس کے عادات و خصائل

کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ ویسے اگر تم اس سے ملنے کی کوئی صورت نکال سکو تو بہتر ہے۔  
”آخر کیوں۔“

”تم مجھ سے اڑنے کی کوشش نہ کرو۔ کیا تمہینہ تم سے نہیں ملی۔ میرا خیال ہے کہ وہ بھی پاگل ہوتی جا رہی ہے۔“  
”کیوں۔“

”تم بتاؤ کہ اس نے تم سے کیا کہا ہے۔“  
”مجھ سے اس نے جو کچھ بھی کہا ہے تمہیں اس سے ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ تم اپنی بات کرو۔“

”آخر کیا کہا تھا۔“  
”اگر تم اپنی ہی ذات تک محدود رکھنے کا وعدہ کرو تو بتا دوں۔“  
”اس کی طرف سے مطمئن رہو۔“

عمران نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور آہستہ سے بولا۔ ”اس کا ایک چچا ”جی ہوا ہوا“ میں رہتا ہے۔ وہ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ اس کی شادی کہاں ہوئی تھی۔“  
”تمہاری ایسی کی تیسری....“ فیاض جھلا گیا اور روشی ہنس پڑی۔ اس پر فیاض کو اور زیادہ تاؤ آیا.... اتنا زیادہ کہ پھر وہ اس میز سے اٹھ ہی گیا۔

”یہ تم نے کیا کیا۔“ روشی نے عمران سے کہا۔  
”میں یہی چاہتا تھا۔ آج کل میرا موڈ بہت جلد خراب ہو جاتا ہے اس لئے میں نہیں چاہتا کہ کسی عقلمند آدمی سے دیر تک گفتگو کروں۔“

فیاض دوسری میز پر جا بیٹھا تھا لیکن وہ ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔  
”تمہینہ کیا سچ پاگل ہو گئی ہے۔“ عمران کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا۔ ”پہلے اس نے فیاض سے نواب مشکور کا تذکرہ نہیں کیا تھا اور شاید پہلی ہی بار وہ نواب مشکور سے بھی الجھی تھی۔“  
”پہلی بار کیوں؟ کیا تمہیں یقین ہے کہ دونوں میں پہلی ہی بار اس مسئلے پر کوئی گفتگو ہوئی ہے۔“  
”ہاں.... گفتگو کا انداز یہی کہہ رہا تھا۔ نواب مشکور نے فون پر اسی لہجے میں گفتگو کی تھی جیسے وہ بات پہلی بار اس کے سامنے آئی ہو۔“

”یہ لڑکی کیا چاہتی ہے۔“

”یہی تمہیں دیکھنا ہے۔ وہ سلطان محل میں رہتی ہے.... ابھی اس کی شادی نہیں ہوئی۔ مطلب یہ کہ تنہا ہونے کے ساتھ ہی ساتھ وہ کافی مالدار بھی ہے۔“  
”میں دیکھوں گی۔“



عمران تقریباً نو بجے رات کو اپنے فلیٹ میں واپس آیا۔ سلیمان نے بتایا کہ کئی بار کوئی صاحب اس کیلئے کال کر چکے ہیں اور آخری بار میں انہوں نے اپنے نمبر نوٹ کراتے ہوئے کہا تھا کہ عمران جس وقت بھی آئے، ان نمبروں پر رنگ کر لے سلیمان اس سے زیادہ اور کچھ نہیں بتا سکا تھا۔

عمران نے نمبر دیکھے وہ اس کے کسی شناسا کے نہیں تھے۔ اس نے اپنی یادداشت کی کاپی نکالی۔ اس میں بھی وہ نمبر نہیں ملے۔ وہ دراصل پہلے ہی سے معلوم کئے بغیر ان نمبروں پر رنگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

تھک ہار کر آخر اس نے انکوائری کے نمبر ڈائل کئے اور تقریباً پندرہ منٹ بعد اسے معلوم ہو سکا کہ وہ کس کے نمبر تھے۔ پھر اس نے دو منٹ متحیر رہ جانے میں گزار دیئے۔ کیونکہ وہ نمبر نواب مشکور کے تھے۔

”ہمپ“ وہ تھوڑی دیر بعد بڑبڑایا۔ ”تو نواب مشکور مجھ سے واقف ہے۔“

اس نے ریسپور اٹھایا اور نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف سے فوراً ہی جواب ملا۔ شاید نواب مشکور اس کا منتظر ہی تھا۔ عمران نے اس کی آواز پہچان لی۔

”آپ نے مجھے رنگ کیا تھا۔“ عمران نے آواز بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”میں ہوں.... علی عمران۔ ایم۔ ایس۔ سی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی (آکسن)۔“

”ہاں میں نے تمہیں رنگ کیا تھا۔“

”میرے لائق کوئی خدمت۔“

”تم چڑیا چڑے کی کہانی لے کر کیوں آئے تھے۔“

”تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہئے۔ میں آپ سے ملنا چاہتا تھا اور مجھے اس کا بھی علم تھا کہ کس قسم کے لوگ آپ سے بہ آسانی مل سکتے ہیں۔“ عمران بچ بولنے پر آمادہ نظر آنے لگا۔

”کیوں ملنا چاہتے تھے۔“

”بس یوں ہی.... چھیڑ چھاڑ کر ملنا میری ہابی ہے۔“

”کیا تمہیں تہینہ نے نہیں بھیجا تھا۔“

”میں کسی تہینہ کو نہیں جانتا۔“

”مجھے علم ہے کہ تمہیں تہینہ نے بھیجا تھا۔ اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ سیاسی لیڈروں کو جو پاگل کتے کاٹ رہے ہیں مجھ سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔“

”آہا.... ٹھہریئے.... نواب صاحب۔“ عمران نے گلا صاف کر کے کہا۔ ”آپ محترمہ کشور سلطان کا تذکرہ تو نہیں کر رہے۔“

”ہاں.... کشور سلطان۔“ نواب مشکور غرایا۔

”میں نہیں جانتا کہ ان کا نام تہینہ بھی ہے۔“

”اس نے تمہیں بھیجا تھا۔“

”جی ہاں۔ محترمہ کشور سلطان کا خیال ہے کہ آپ ایسے کتے پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں جو صرف سیاسی لیڈروں کو کاٹتے پھریں۔ مگر کیا محترمہ کشور سلطان ہی سے آپ کو اس کی اطلاع ملی ہے۔“

”نہیں۔ میرا گیم کبیر تمہیں پہچانتا ہے اور تمہارے پیشے سے بھی واقف ہے۔“

”اوہ میں سمجھا۔ شاید محترمہ کشور سلطان نے آپ کو بتایا ہے۔“

”تم نے اسے مشورہ کیوں نہیں دیا کہ وہ براہ راست پولیس سے مدد طلب کرے۔“

”میں یہ کیسے مشورہ دے سکتا ہوں نواب مشکور.... جب کہ میرا ذریعہ معاش یہی ہے۔“

”لیکن تمہارا یہ ذریعہ معاش قطعی طور پر غیر قانونی ہے۔ ہمارے یہاں پرائیویٹ سرانگ

رسانوں کی گنجائش نہیں ہے۔“

”جی ہاں۔ میرا یہ پیشہ قطعی طور پر غیر قانونی ہے.... لہذا میں آپ کو مشورہ دے رہا ہوں

کہ آپ پولیس کو اس کی اطلاع دے دیجئے۔“

”مجھے اس کا بھی علم ہے کہ تم قانون کی زد پر مشکل ہی سے آتے ہو۔“

”ہے نا۔“ عمران خوش ہو کر بولا۔ ”اب آپ فرمائیے کہ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا

ہوں۔ میرے پیشے سے تو آپ واقف ہی ہیں۔“

”میری خدمت“ عمران نے ایک زہریلی سی ہنسی سن۔ ”میری خدمت یہ ہے مسٹر عمران کہ

تم میرے خلاف ثبوت بہم پہنچانے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دو اگر تم اسے ثابت کر سکتے تو

میں تمہیں دس ہزار روپے انعام دوں گا۔“

”گڈ“ عمران چپک کر بولا۔ ”کام تو ایک ہی ہے لیکن اسی کے محترمہ کشور سلطان سے بھی

ملنے پانچ ہزار ملیں گے اور آپ دس ہزار فرما رہے ہیں.... پندرہ ہزار۔“

عمران کچھ اور بکتا مگر دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا تھا۔



شہاب فکری ایک خوبصورت نوجوان تھا۔ اس کے بال سنہرے اور گھونگریالے تھے۔ آنکھیں بڑی اور کافی دلکش تھیں۔ بحیثیت مجموعی وہ ایسا ہی حسین تھا کہ اونچے طبقے کی عورتیں اس کی دوستی پر فخر کرتی تھیں۔ پہلے وہ صرف ایک خوش گو اور خوش نوا شاعر تھا مگر پھر اس نے سیاست میں دلچسپی لینی شروع کر دی تھی اور آہستہ آہستہ اس لائن میں بھی مقبول ہو گیا تھا۔ اس کی دھواں دھار تقریریں آگ سی لگادیتی تھیں اور جو کچھ بھی وہ چاہتا تھا سننے والوں سے منوا چھوڑتا۔ استقلال پارٹی کے پرانے لیڈروں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا اور اس میں بھی کسی شبہ کی گنجائش نہیں تھی کہ شہاب کی شمولیت ہی نے اس پارٹی کو نئی زندگی بخشی تھی۔ ورنہ اب اس پارٹی کے دوبارہ ابھرنے کے امکانات نہیں رہ گئے تھے۔ پچھلی لغزشوں کی بناء پر نہ صرف اس کا دور اقتدار ختم ہو گیا تھا بلکہ دوبارہ برسر اقتدار آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا مگر شہاب کی آمد اس کے لئے نیک فال ثابت ہوئی اور اب وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا تھا کہ آنے والے انتخابات میں استقلال پارٹی اپنا کھویا ہوا مقام پھر حاصل کر لے گی۔

لیکن اچانک اس پر پاگل کتوں کی مصیبت نازل ہو گئی اور چار بہترین دماغ ہاتھ سے جاتے

رہے۔ انہیں میں شہاب بھی تھا۔ یہ چاروں لیڈر اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے تھے۔ مگر کیا حقیقتاً استقلال پارٹی ان حادثات کی بناء پر ختم ہو جاتی اگر اس کے کارکنوں نے بروقت کسی سازش کے امکانات کا پروپیگنڈا نہ شروع کر دیا ہوتا۔

یہی چیز عمران کے لئے الجھن کا باعث تھی۔ وہ سوچتا کہ اگر یہ کسی قسم کی سازش ہی تھی تو آخر اس کا مقصد کیا تھا۔ اگر سازش کرنے والے یہ چاہتے تھے کہ استقلال پارٹی کا زور ٹوٹ جائے تو انہیں اس میں سو فیصدی ناکامی ہوئی تھی۔ کیونکہ جب سے استقلال پارٹی نے کسی سازش کے امکانات کا پروپیگنڈا شروع کیا تھا عوام کی ہمدردیاں پارٹی کے لئے اور زیادہ بڑھ گئی تھیں۔ پھر وہ محض اتفاق ہی رہا ہو۔ لیکن پھر اسے وہ کتاب یاد آتا جو ٹپ ٹاپ ٹپ ٹپ میں پنگ پنگ کی میز پر کودا تھا۔ اس نے اس کتے کی موت بھی اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی اور وہ پراسرار آدمی جو اس کی موت کے بعد ہی کرانٹا کی باڑہ کی اوٹ سے نکل کر پھانک کی طرف بڑھ گیا تھا۔

وہ.... آدمی.... بعد کو نواب مشکور ثابت ہوا تھا اور تہینہ نواب مشکور کے لئے ہی چیخیں پھر رہی تھی اور نواب مشکور عمران کو برابر چیخ کر رہا تھا کہ وہ اس کے خلاف ثبوت فراہم کرے۔ دوسری طرف کیپٹن فیاض نے بھی ٹکریں مارنی شروع کر دی تھیں۔ وہ یہ سب کچھ محض تہینہ کی خاطر کر رہا تھا۔ لیکن نواب مشکور کی طرف رخ کرنے کی ہمت نہیں پڑی تھی بلکہ اکثر وہ اسے یہ باور کرانے کی کوشش کرتا کہ نواب مشکور جیسا شریف آدمی سازشی نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ حقیقتاً سازش ہی ہے تو کسی دشمن ملک کے جاسوسوں کے ذریعہ عمل میں آئی ہوگی۔

تہینہ اسے تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھی۔ عمران نہ جانے کیوں اس کے سائے سے بھی بھڑکنے لگا تھا۔ اگر وہ کبھی اس سے ملنے آتی اور وہ فلیٹ میں موجود ہوتا تب بھی اسے ناکام ہی واپس جانا پڑتا کیونکہ سلیمان کو یہی ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ اسے فلیٹ میں قدم بھی نہ رکھنے دے۔ دوسری طرف روشی اس سے قریب ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے کافی حد تک کامیابی ہوئی تھی۔ عمران نے ابھی تک اس کیس میں اپنے صرف دو ماتحتوں سے کام لیا تھا۔ ان میں ایک بلیک زیرو تھا اور دوسرا صفدر۔ وہ صفدر ہی تھا جو دلیری کے شراب خانے سے عمران کے لئے معلومات فراہم کرتا تھا اور اب بھی شراب خانے کے اوپر والے فلیٹ کی نگرانی اسی کے ذمے تھی۔ لیکن بلیک زیرو تو ایک ہفتے کے اندر ہی اندر استقلال پارٹی کا ایک سرگرم کارکن بن گیا تھا

اور اس کی تمام تر ذمہ داری عمران پر تھی۔

ان دنوں ملک ایک عجیب و غریب دور سے گزر رہا تھا۔ عوام نے ان حادثات کی ذمہ داری برسر اقتدار پارٹی پر ڈال دی تھی اور برسر اقتدار پارٹی انگشت بدنداں تھی کہ اس غلط فہمی کو کس طرح رفع کیا جائے۔

محکمہ سرانجامی سرکاری طور حرکت میں آچکا تھا۔ اخبارات چیخ رہے تھے لیکن عمران سوچ رہا تھا کہ کیا ان اخبارات کے ایڈیٹروں پر بھی پاگل کتوں کے حملے ہوئے ہیں۔

یہ سب ”سازش۔ سازش“ کی رٹ لگائے ہوئے تھے۔ عمران کی دانست میں اگر وہ سازش تھی تو سازش کرنے والے نرے گدھے ہی تھے۔ کیونکہ سازش کا مقصد ہوتا ہے اصلیت پر پردہ ڈالنا۔ یعنی سازش اسی لئے کی جاتی ہے اسے سازش ثابت نہ کیا جاسکے۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی اظہر من الشمس ہو چکا تھا۔ اگر اس کا مقصد یہی تھا کہ استقلال پارٹی کی راہ میں روڑے اٹکائے جائیں تو ان لیڈروں کے علاوہ کچھ عام آدمیوں کو بھی پاگل کتوں کا شکار ہونا چاہئے تھا۔ اس طرح کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع نہ ملتا اور کام تو خیر ہو ہی رہا تھا۔

تقریباً بیس دن سے کوئی نیا حادثہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن اب نواب مشکور کا نام باقاعدہ طور پر لیا جانے لگا تھا۔ اس کے ان تجربات کا تذکرہ ہوتا، جو وہ کتوں پر کیا کرتا تھا۔ اکثر اخبارات کے طنز و مزاح کے کالموں میں اس پر چوٹیں کی جاتیں لیکن کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ کھل کر اس کے خلاف کچھ کہہ سکتا۔ دوسری طرف عمران بھی اس کے خلاف ثبوت فراہم کرنے کے سلسلے میں بُری طرح شمارا رہا تھا۔ لیکن ابھی تک ایک فیصدی کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ آخر اس نے فیصلہ کیا کہ اب اسے بھی کچھ دن لیڈری کرنی چاہئے۔ ممکن ہے اسی طرح کوئی راہ نکل آئے۔

بلیک زیرو کی وجہ سے اسے اس میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی کیونکہ بلیک زیرو پہلے ہی سے استقلال پارٹی کے لئے کام کر رہا تھا۔ پہلی بار بلیک زیرو ہی نے پبلک کو عمران سے روشناس کرایا تھا اور پھر عمران اور پبلک دونوں کی بن آئی۔ استقلال پارٹی کے جملے ملا دو پیازہ اور بیر بل کے اکھاڑے بن کر رہ گئے وہ اپنے مخصوص اجتماعات انداز میں طنز یہ تقریریں کرتا اور سننے والے لوٹ پوٹ ہو جاتے۔ ایک ہفتے کے اندر اندر ہی سارا شہر اس سے واقف ہو گیا۔ وہ چونکہ انتخابی مہمات کا زمانہ تھا اس لئے شہر کے کسی نہ کسی حصے میں روز ہی عمران کو تقریر کرنی پڑتی تھی۔ اکثر تو ایسا



ہو تاکہ استقلال پارٹی ایک ہی وقت میں شہر کے کئی حصوں میں میٹنگز کر ڈالتی تھی اور عمران ادھر سے ادھر ہوتا پھرتا تھا۔ لوگ دراصل استقلال پارٹی کے جلسوں میں شرکت ہی اس لئے کرتے تھے کہ عمران کی تقریر سُنیں۔ انہیں اب فی الحال نہ پاگل کتے یاد رہ گئے تھے اور نہ وہ چار لیڈر جو ان کے شکار ہو کر گوشہ نشین ہو گئے تھے۔

عمران اس صدی کا سب سے بڑا حتمی اس حد تک بھی عقلمند نہیں تھا کہ میک اپ کے بغیر ہی پبلک میں چلا آیا ہوتا۔ اس کی ٹھوڑی پر ایک خوشنمائی فریج کٹ ڈاڑھی تھی اور باریک ترشی ہوئی مونچھیں۔ آنکھوں پر ریم فریم کی عینک۔ وہ لیڈر سے زیادہ کوئی فرامیسی اسکالر معلوم ہوتا تھا۔ گھر گھر اس کے چرچے تھے لوگ ہونٹوں، ریسٹورانوں اور پارکوں میں اسے گفتگو کا موضوع بناتے اس کی احمقانہ تقریروں پر تبصرے کرتے، اور نتیجہ یہی نکالتے کہ وہ بیوقوفوں کے سے انداز میں پتے کی باتیں کہہ جاتا ہے۔

آج کل عمران کا قیام دانش منزل میں تھا۔ اس کے سارے ماتحت جانتے تھے کہ وہ عمران ہی ہے اور ایکس ٹو کے حکم سے دانش منزل میں مقیم ہے اور اس کیس کے لئے بھی ان کی باگ ڈور عمران ہی کے ساتھ میں رہے گی۔ لہذا وہ انہیں جس کام پر لگاتا ہے چوں و چرا الگ جاتے۔ تو یہ بھی ان دنوں سیدھا ہی تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ایکس ٹو سے کسی طرح مفر ممکن نہیں۔ اگر وہ ملازمت ترک بھی کر دیتا تو ایکس ٹو کے عتاب سے بچنا محال ہی ہوتا۔ اس لئے عمران تو کیا وہ عمران کے کتے کے پیچھے بھی دم ہلانے پر مجبور تھا۔

آج عمران جیسے ہی ایک جلسہ گاہ سے باہر نکلا جولیا ٹافنر وائر سے مڈ بھیڑ ہو گئی اور کچھ دیر بیدل چلنے کے بعد وہ ایک گلی میں مڑ گئے۔

”میں نہیں سمجھ سکتی کہ آخر اس معاملے میں ایکس ٹو کیوں دلچسپی لے رہا ہے۔“ جولیا نے پوچھا۔  
 ”میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں۔“ عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ یہ ایکس ٹو کوئی بھٹیاریان ہے جسے دوسروں کی ہانڈی چکھنے کی چاٹ پڑ گئی ہے۔“

”بھٹیاریان کیا۔“

”ملکہ عالم کو کہتے ہیں۔“

”نیکو اس مت کرو۔ کیا اب ہمیں اتنا بھی حق حاصل نہیں ہے کہ جو کام ہمارے سپرد کیا

جائے اس کے متعلق کچھ معلوم کر سکیں۔“

”ارے تو جاؤ.... چالو اسی چوہے کا دماغ.... تم میرے کان کیوں کھا رہی ہو.... یہاں تو صرف پچیس فیصد کمیشن سے کام ہے تم مجھے معقول معاوضہ دو تو ایکس ٹو کی ناک کاٹ کر تمہاری ہتھیلی پر بھی رکھ سکتا ہوں۔ اگر وہ معقول معاوضہ دے تو تمہاری ناک....“

”شٹ اپ۔“

”اور کیا تمہاری ناک پر گلاب کی کیاریاں بنا دوں۔“

”مجھ سے مت بولو۔“

”اچھا.... اے پیاری سڑک.... اب میں تجھے حال دل سناؤں گا۔“ عمران درد ناک آواز میں گنگنایا.... اور اپنی ننھی سی ڈاڑھی پر انگلی پھیرنے لگا۔

پھر دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔ جولیا کے چہرے سے آہستہ آہستہ جھلاہٹ کے آثار غائب ہوتے جا رہے تھے۔ دفعتاً اس نے کہا۔ ”تمہارے ساتھ تو چلتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔“

”کسی دن شرم تمہیں چلنے پھرنے سے بھی معذور کر دے گی۔“ عمران نے جواب دیا۔

”آخر یہ رومال اس طرح تمہاری جیب سے کیوں لٹک رہا ہے.... ایسا بھی کیا بے ڈھنگا پن۔“

”کہاں“ عمران چونک پڑا اور اب اس کی نظر اس رومال پر پڑی جو اس کی بائیں جانب والی جیب سے لٹک رہا تھا۔

”آہا.... مگر.... یہ.... میرا تو نہیں ہو سکتا۔“ اس نے رومال جیب سے نکالتے ہوئے

کہا۔ خوشبو کی لپٹ جولیا نے بھی محسوس کی۔ وہ ایک معطر اور خوش رنگ رومال تھا۔

”لیڈر ہونا بھی بڑی شاندار چیز ہے۔“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”ابھی تک میں اندھیرے میں تھا۔ لیڈری کرنا دنیا کا آسان ترین پیشہ ہے۔ عزت، دولت،

شہرت سبھی کچھ آن کی آن میں نصیب ہو جاتے ہیں۔“

”تم اس رومال کی بات کر رہے تھے۔“

”ہاں یہ میرا نہیں ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا تھا کہ میں کس طرح اپنے مداحوں میں گھرا ہوا

تھا۔ اسی وقت کسی نے یہ تھنہ میری جیب کی نذر کر دیا ہو گا.... ہام.... ٹھیک ہے.... اس مجمع

میں دو تین لڑکیاں بھی تھیں.... ان میں سے کسی کو میری ڈاڑھی پسند آگئی ہو گی۔“

”پھر جھک مارنے لگے۔“

”کیا تمہیں میری ڈاڑھی پسند نہیں آئی۔“

”مجھے پہاڑی بکروں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“

”سوئزر لینڈ کی بکریاں ہمیشہ گارنٹی کے ساتھ صبح وقت بتاتی ہیں مگر تم کیسی مونس ہو۔“

”مس ڈرنک وائر۔“

”میں پہاڑی بکروں کی بات کر رہی تھی۔“

”اتنی جغرافیہ مجھے بھی یاد ہے کہ سوئزر لینڈ ایک پہاڑی ملک ہے۔ اب بھی اگر تمہیں پہاڑی بکرے پسند نہ آئیں تو تمہارے لئے آسمان سے بکرے اترنے کی دعا کروں گا۔“

ابھی وہ گلی کے اختتام پر بھی نہ پہنچے تھے کہ اچانک ایک بڑے سے کتے نے عمران پر چھلانگ لگائی۔

”ارے باپ رے“ عمران اچھل کر پیچھے ہٹا۔ اس کا گھونسا کتے کی تھو تھنی پر پڑا۔ جولیا تو پہلے

ہی چیخ مار کر ایک طرف ڈھیر ہو گئی تھی۔

لیکن عمران کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ وہ کتا دوسرا حملہ کرنے کی بجائے اس کے ہاتھ سے گرا ہوا رمال منہ میں دبا کر سڑک کی طرف بھاگ نکلا تھا۔

”اے اولینڈی ڈاگ کے بچے.... میرا رمال۔“ عمران اس کے پیچھے بھاگا۔

”ارے تم پاگل ہو گئے ہو....“ جولیا چیخی مگر عمران.... کہاں سنتا تھا۔

جولیا نے اسے سڑک پار کر کے سامنے والی گلی میں گھتے دیکھا.... کتا بھی ادھر گیا تھا۔

جولیا چند لمحوں کے بعد حرکت کھڑی رہی پھر چونک کر اپنے کپڑے جھاڑنے اور سر کا وہ حصہ

ٹٹولنے لگی جہاں گرنے سے چوٹ آئی تھی۔ پھر اس پر بدحواسی کا دورہ پڑا کیونکہ کئی آدمیوں نے

اسے گرتے دیکھ لیا تھا۔ وہ بے تحاشا سی گلی میں مڑ گئی جس سے نکل کر کتے نے عمران پر حملہ کیا تھا۔



آٹھ بجے رات تک جولیا نے تقریباً پندرہ بار دانش منزل کے نمبر رنگ کئے لیکن ہر بار مایوسی

ہی ہوئی۔ پھر تھک ہار کر اس نے عمران کے فلیٹ کے نمبر آزمائے۔ دوسری طرف سے سلیمان

نے جواب دیا کہ صاحب تقریباً ایک ہفتہ سے گھر نہیں آئے۔

جولیا سخت الجھن میں تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کیا وہ کتا یونہی اتفاقاً عمران پر چھینا تھا یا پھر اس لئے کہ وہ بھی ان دنوں استقلال پارٹی کے ایک لیڈر کی حیثیت سے کافی مقبول ہو رہا تھا۔ لیکن اس نے اس پر دوسری بار حملہ کیوں نہیں کیا تھا۔

وہ سوچ ہی رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی۔

اس نے مضطربانہ انداز میں ریسیور اٹھا لیا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں ایک طویل سانس اس کے پیچھے منوں سے آزاد ہوئی۔ کیونکہ دوسری طرف سے بولنے والا عمران ہی تھا۔

”جولیا نا.... کیا تم ہو.... آہا.... سنو.... میں بھی پاگل ہو گیا ہوں اور اب تمہیں کتوں کی زبان میں ایک دھواں دھار تقریر سناؤں گا۔“

عمران نے کتوں کی طرح بھونکنا شروع کر دیا اور جولیا دھاڑنے لگی۔

”خاموش رہو.... خاموش.... میں کہتی ہوں میری سنو۔ ورنہ اب میں بھی پاگل ہو جاؤں گی۔“

”ویری فائن۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”تم بھی شروع ہو جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ اگر

ہم ڈومیسٹ گائیکس تو فلموں کے پلے بیک سکر کی حیثیت سے....“

”ختم کرو عمران.... پھر کبھی سن لوں گی۔ مجھے بتاؤ کہ تم اس کتے کے پیچھے کیوں دوڑے تھے۔“

”کائنات دوڑا تھا۔ وہ بھی کیا یاد کرتا کہ کبھی کسی سیاسی لیڈر سے سابقہ پڑا تھا۔ مگر افسوس مجھے

اس کی خاطر خواہ خدمت کا موقع نہ مل سکا۔“

”کیوں کیا ہوا۔“

”عبداللہ اسکوائر کے قریب کسی نے اس کا خاتمہ کر دیا۔“

”کیسے۔“

”خنجر سے.... اور وہ خنجر کسی نامعلوم آدمی نے پھینکا تھا۔“

”تم نے کسی کو خنجر پھینکتے نہیں دیکھا تھا۔“

”میں نے تو دیکھ لیا تھا مگر شاید اور کسی کی نظر نہ پڑی ہو۔“

”پھر کیا کیا تم نے۔“

”صبر کیا میں نے اور ہزاروں سلواتیں سنائیں اس گدھے کو جس نے مجھے اپنے لیڈرانہ

کلمات دکھانے کا موقع نہیں دیا تھا۔“

”کیا تم نے اس کا تعاقب نہیں کیا۔“

”موقع نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہیں کتے کی لاش بھی نہ غائب ہو جائے لیکن میں اس آدمی کو ہزاروں میں پہچان سکتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ وہ میک اپ میں بھی نہیں تھا۔“

”لیکن وہ کتا.... کیا تمہاری دانست میں وہ بھی انہیں کتوں میں سے تھا۔“

”نہیں تو.... وہ بیچارہ تو لارڈ کچر کا بھتیجا تھا۔“ بڑی محصومیت سے کہا گیا۔

”عمران آدمیوں کی طرح بات کرو۔ ورنہ....“

”ورنہ تم بھی صبر کر لو گی.... خیر سنو.... ہاں مجھے یقین ہے کہ وہ بھی اسی قسم کا کتا تھا جس قسم کے کتے چار لیڈروں کا بیڑہ پار کر چکے ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ اتنے پراسرار طور پر مار کیوں ڈالا جاتا۔ غالباً اس کتے کی طرف سے کسی کو یہی خدشہ لاحق تھا کہ کہیں وہ سازش کے مرکز تک میری راہنمائی نہ کر بیٹھے اور وہ رومال میں ڈرنک وائر....“

”ہیلو۔ خاموش کیوں ہو گئے۔“

”میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ میں خاموش کیوں ہو گیا۔ آہا.... میں سوچ رہا تھا کہ اب وہ رومال تمہیں کیوں نہ پریزنٹ کر دوں۔“

”اچھا ٹھہرو۔ میں دانش منزل میں آرہی ہوں.... پھر تم سے سمجھوں گی۔“

”مگر میں دانش منزل سے کب بول رہا ہوں۔ میں اس وقت وہاں نہیں ہوں۔“ عمران نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔



روشنی ایریل ٹائٹ کلب میں عمران کا انتظار کر رہی تھی.... دس بجے عمران وہاں پہنچا.... اس وقت وہ میک اپ میں نہیں تھا۔

”کیا خبر ہے۔“ عمران نے پوچھا۔

”پہلے تم اپنی سناؤ۔ کیا درست ہے کہ آج شام کو استقلال پارٹی کے کریک لیڈر شمشیر آزاد پر بھی ایک پاگل کتے نے حملہ کیا تھا۔“

”بالکل درست ہے لیکن شمشیر آزاد اسے کاٹ نہ سکا۔“

”کیا مطلب۔“

”کانٹے کا مطلب کاٹنا ہی ہوتا ہے روشی ڈیز.... اور اگر زیادہ گہرائی میں جاؤ تو بلبلا نا بھی ہو سکتا ہے۔“

”میرے پاس بھی ایک بہت ہی اہم خبر ہے۔“

”خبروں کا تبادلہ۔“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا سوالیہ انداز میں بولا۔

”یقیناً....!“

”آج.... اچھا“ عمران ایک طویل سانس لے کر کرسی کی پشت سے نکل گیا۔

”بس شروع کر دو۔ میں صرف پندرہ منٹ دے سکتی ہوں۔“ روشی کلائی کی گھڑی دیکھتی ہوئی بولی۔

”پندرہ منٹ بہت ہوتے ہیں۔ روشی جہاں تک کانٹے اور بلبلا نے کا تعلق ہے یہ ایک سیکنڈ میں بھی ہو سکتا ہے۔“

”اچھا تو پھر تمہیں بلبلا نا ہی پڑے گا۔“ روشی دانت پیس کر بولی۔

عمران کچھ دیر تک اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکراتا رہا پھر کتے کا تذکرہ چھیڑ دیا.... روشی خاموشی سے سنتی رہی۔

”تو کیا.... وہ رومال۔“ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔

”یقیناً۔“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔ ”پہلے ہی سے ایسی کسی چیز کے امکانات پر غور کر رہا تھا ورنہ کتے بھی سلام کر کے مزاج شریف پوچھ سکتے ہیں۔ صرف لیڈروں کو پہچان کر کاٹنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کتے کا پلا تمہیں می ڈارلنگ کہہ کر لپٹ جائے۔“

”شٹ اپ۔“

”ہام.... خیر.... ہاں تو.... وہ کتا دراصل رومال ہی پر آیا تھا۔ اگر رومال میرے ہاتھ میں نہ ہوتا اور اس کے جھپٹنے ہی گرنے گیا ہوتا تو کانٹے کا مطلب بلبلا نا ہی ہوتا۔ روشی ڈیز اور پھر شاید بھونکنا بھی....“

”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ کتا اس رومال کو پہچانتا تھا۔“

”نہ صرف پہچانتا تھا بلکہ شاید اسی کے لئے پاگل بھی ہو سکتا تھا۔ فرض کرو اگر میری جیب

میں ہوتا تو وہ اسے ہر حالت میں نکال لے گیا ہوتا۔ کائنات بھنھوڑ تا کپڑے پھاڑتا اور پھر اس بیچارے عمران میں کسی کتے کے پلے کا باپ بننے کی صلاحیت بھی نہ رہ جاتی۔“

”مگر رومال....“ روشی کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

”یہ ناممکن نہیں ہے۔ کتے کسی خاص قسم کی بو پر لگائے جاسکتے ہیں۔ شکاری کتوں کے سلسلے میں یہ ایک بہت ہی عام بات ہے میرا خیال ہے کہ مجھ پر جھپٹنے والا کتا کچھ بلڈ ہاؤنڈ قسم کا تھا۔“

”کیا وہ رومال تمہارے پاس ہے۔“

”او..... روشی..... میری اور آئندہ نسلوں کی دشمن! کیا تم مجھے کتوں سے بچوانا چاہتی ہو..... ارے اس رومال کو ساتھ رکھنا..... کسی اینگلو بریز لڑکی کو ساتھ رکھنے سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔“

”ضروری نہیں ہے کہ تم سے اندازے کی غلطی نہ ہوئی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کتوں کا عمران رہا ہو۔“

”یہ بات کہی ہے تم نے پتے کی..... جیو..... یعنی..... پہلے اس نے مجھ پر حملہ کیا۔ پھر جب میرا گھونہ اس کی ناک پر پڑا تو اپنی حماقت کا احساس ہونے پر جھینپ مٹانے کے لئے رومال مار لے گیا۔ مگر پھر ایک آدمی نے اسے موت کے گھاٹ کیوں اتار دیا۔ جب کہ اس بیچارے نے مزید پاگل پن کا مظاہرہ بھی نہیں کیا تھا۔“

روشی کچھ نہ بولی.... اور عمران نے پھر کہا۔ ”اس لئے تمہیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ کتوں کا عمران نہیں بلکہ کیپٹن فیاض تھا.... کیا سمجھیں۔“

روشی کچھ نہ بولی کچھ دیر تک خاموش رہی پھر عمران چیو گم کا پیکٹ پھاڑتا ہوا بولا۔ ”اب میں تمہاری خبر کا منتظر ہوں۔“

”تم جانتے ہی ہو کہ میں آج کل جاسوسی ناول پڑھا کرتی ہوں۔ دن بھر اپنے فلیٹ میں پڑی رہتی ہوں اور رات کو یہاں چلی آتی ہوں۔“

”مگر ابھی تم نے۔“

”کچھ نہیں“ روشی ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”میں نے سنا تھا کہ تم پر بھی کسی پاگل کتے نے حملہ کیا تھا اس لئے مجھے تشویش تھی۔ مگر خیر تم بچ گئے۔ اس کا افسوس ہے۔“

”کہاں بچ گیا..... معاملات کی نوعیت تو اس وقت تمہاری سمجھ میں آئے گی جب میں تین

منٹ بعد یہ چائے دانی تمہارے سر پر توڑ دوں گا۔“

”اور پھر تم پکڑ کر بند کر دیے جاؤ گے۔ کیونکہ اس وقت تم مشہور لیڈر شمشیر آزاد کے میک اپ میں نہیں ہو۔“

”میں نے تم سے کہا تھا کہ تم تمہینہ کو قریب سے دیکھنے کی کوشش کرو۔“

”اوہ، یہ تو بھول ہی گئی تھی کہ میں ان دنوں تمہینہ کو بھی بہت قریب دیکھتی رہی ہوں اور ساتھ ہی ساتھ تم پر لعنت بھی بھیجتی رہی ہوں کہ تمہاری عقل کہاں چرنے لگی ہے۔“

”کیوں“

”تمہینہ فراڈ ہے۔ کھلی ہوئی فراڈ۔“

”کیوں۔“

”وہ نواب مشکور سے مل گئی ہے۔“

”کیا بکواس ہے۔“

”یقین نہ آئے تو کیپٹن فیاض سے پوچھ لو۔ کل شام کو اس نے بھی اسے وہاں دیکھا تھا۔“

”کسے کہاں دیکھا تھا۔“

”نواب مشکور کو سلطان محل میں دیکھا تھا۔“

”مگر فیاض تو اسے پہچانتا ہی نہیں ہے۔“

”میں تو پہچانتی ہوں۔ میں تو اس آدمی کو جانتی ہوں جس کے لئے مجھے کئی دنوں تک اسی

کلب کے ایک کمرے میں قیام کرنا پڑا تھا۔“

”بات جلدی ختم کرو۔“ عمران کلائی کی گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔ ”میں زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر

سکوں گا۔“

تمہینہ اور میں گہری دوست بن گئی ہیں۔ میں اکثر سلطان محل جاتی ہوں۔ اکثر سے مراد دن میں کئی بار بھی.... وہ مجھے فون کر کے بلا لیتی ہے اور ہم گھنٹوں گفتگو کیا کرتے ہیں۔ کل اتفاق سے

میں اور کیپٹن فیاض ساتھ ہی وہاں پہنچے۔ فیاض نے اپنا کارڈ اندر بھجوا دیا اور باہر لان ہی پر رک کر مجھ سے گفتگو کرنے لگا۔ سورج غروب ہو چکا تھا مگر اندھیرا نہیں تھا۔ دفعتاً میں نے اندر سے ایک آدمی

کو نکلتے دیکھا وہ الشر پہنے ہوئے تھا جس کے کالر کانوں سے اوپر اٹھے ہوئے تھے اور فلت ہیٹ کا

لوشہ پیشانی پر تھا۔ چلنے کا انداز بالکل اسی آدمی کا سا تھا جس کا چہرہ میں یہاں اس کلب میں بھی نہیں دیکھ سکی تھی۔ فیاض بھی اسے شبے کی نظر سے دیکھ رہا تھا چنانکہ اس آدمی نے برآمدے کے زینوں سے اترتے وقت ٹھوکر کھائی اور گرتے گرتے بچا لیکن اس کی فلت ہیٹ سر سے گر گئی تھی۔ اس طرح مجھے کنگ جارج ففٹھ اسٹائل کی ڈاڑھی نظر آگئی اس نے جلد ہی نہ صرف فلت ہیٹ اٹھا کر سر پر جمائی بلکہ کالر بھی دوبارہ اٹھا دیا۔ فیاض اسے صرف شبے کی نظر سے دیکھتا رہا تھا میں نے اس کے چہرے پر ایسے آثار نہیں دیکھے جن سے یہ ظاہر ہوتا کہ وہ اس آدمی کو پہلے سے جانتا تھا۔

”کیا فیاض نے اس کے متعلق کچھ پوچھا تھا۔“ عمران نے پوچھا۔

”نہیں کچھ بھی نہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن میرا رویہ دیکھ کر اسے خاموشی ہی اختیار کرنی پڑی تھی۔ میں نے دراصل اس کی طرف سے بے تعلقی ظاہر کرنی شروع کر دی تھی۔ ہم اندر پہنچے۔۔۔ تہینہ خلاف معمول بہت اچھے موڈ میں نظر آئی، اس وقت وہ شراب پی رہی تھی اور نہ مغموم تھی۔ فیاض جو دراصل اسی چکر میں گیا تھا جلد ہی اصل معاملے کی طرف آگیا۔ لیکن میں نے محسوس کیا کہ وہ بات اڑانے کی کوشش کر رہی ہے مگر فیاض نے بکواس جاری ہی رکھی۔ آخر تہینہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولی کہ ہو سکتا ہے وہ غلطی پر رہی ہو۔ لیکن محض شبے کی بناء پر کسی کے پیچھے پڑ جانا بُری بات ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ شبہات حقائق میں تبدیل ہو جائیں۔ لہذا اب وہ اپنی زبان بند ہی رکھے گی۔ اس کے ان خیالات پر کیپٹن فیاض نے بے حد خوشی ظاہر کی تھی اور کہا تھا کہ خود وہ بھی نواب مشکور کو اتنا بُرا آدمی نہیں سمجھتا اور پھر برسبیل تذکرہ اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ اب تک نواب مشکور سے کبھی نہیں ملا۔ صرف اس کے تذکرے سنتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی وہ اس کے متعلق کوئی بُری رائے نہیں رکھتا۔“

”کیا تم نے فیاض کو بتا دیا تھا کہ وہ نواب مشکور ہی تھا؟“ عمران نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

”تمہارا کیا خیال ہے۔ میں نے بتایا ہو گا یا نہ بتایا ہو گا۔“

”تم اتنی عقلمند بھی نہیں ہو کہ بتا دینے کی غلطی تم سے سرزد ہوئی ہو۔“

روشی مسکرائی اور عمران کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی پھر ایک طویل سانس لے کر بولی۔

”اب تہینہ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔“

”وہ ایک خوبصورت لڑکی ہے۔“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”جہنم میں جاؤ۔“ روشی بڑبڑائی۔ پھر جھلا کر کہا۔ ”میں اب اس سے نہیں ملوں گی۔ تم خواہ خواہ میرا وقت بھی برباد کر رہے ہو۔“

”اچھی بات ہے آج سے تم اپنا وقت برباد کرنا چھوڑ دو۔“

”نہیں اب میں تہینہ کو چھوڑ کر نواب مشکور کی طرف توجہ دوں گی۔ اس نے تمہیں چیلنج کیا ہے کہ تم اس کے خلاف ثبوت فراہم کرو۔“

”لیکن تم اس کی طرف توجہ دے کر اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں فراہم کر سکو گی۔“

”کیوں۔“

”میرا خیال ہے کہ اس کے لئے بھی تہینہ ہی مناسب رہے گی۔ اگر تہینہ کے پاس اس کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت نہ ہو تا تو وہ تہینہ کو ملانے کی کوشش کیوں کرتا۔ ظاہر ہے کہ یہی تہینہ پرسوں تک اس کے خلاف زہر اگلتی پھر رہی تھی۔ لیکن کل تم نے اسے تہینہ کی کوشش میں دیکھا اور اس کے بعد تہینہ کا رویہ بدل گیا۔ یعنی اب وہ سوچنے لگی ہے کہ ممکن ہے وہ غلطی پر رہی ہو۔“

”قرین قیاس ہے۔“ روشی کچھ سوچتی ہوئی بولی اور پھر بیک بیک اس کی آنکھیں چمکنے لگیں اور اس نے کہا۔ ”اودھ ٹھیک یاد آیا۔ کل اس نے کیپٹن فیاض کو یہ بھی بتایا تھا کہ وہ اور نواب مشکور آکسفورڈ میں کلاس فیلورہ چکے ہیں۔ کیا پھر یہ ممکن نہیں ہے کہ نواب مشکور اسے چاہتا بھی ہو۔“

”ممکن ہے۔“

”اگر اس نے شبہات کو اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے یہ حرکت کی ہو تو اس پر حیرت بھی نہیں کی جاسکتی۔“

”زیادہ نہ سوچو اگر اسے شبہات ہی کو راستے سے ہٹانا تھا تو اتنا ہنگامہ برپا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ بس ایک پاگل کتابچہ چاپ اسے کاٹ لیتا اور معاملہ جہاں کا تھاں رہ جاتا کیوں کہ کتے پاگل بھی ہو جاتے ہیں اور کاٹ بھی لیتے ہیں۔ کوئی نواب مشکور کی طرف انگلی بھی نہ اٹھا سکتا۔ لیکن یہ پاگل کتے جو صرف ایک مخصوص سیاسی پارٹی کے لیڈروں کو کاٹتے ہیں۔۔۔ ہو نہ۔“

”کوئی اور ہی چکر ہے۔“

”کیا؟“

”ہو گا کچھ۔ ختم کرو۔ ہاں آج تم بالکل واہیات لگ رہی ہو۔“

”بس اب اٹھ جاؤ۔“ روشی بڑا سامنہ بنا کر بولی۔

”میں یہی چاہتا ہوں کہ تم خود ہی مجھے اٹھ جانے کو مشورہ دیا کرو۔“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔



اسی رات کو عمران نے بلیک زیرو کو فون کیا۔

”لیس سر“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”کوئی رپورٹ۔“

”بہت اہم جناب پانچ بجے شام سے اس وقت تک شہر کے مختلف حصوں میں کئی آدمی پاگل

کتوں کے شکار ہو چکے ہیں۔“

”آدمی.... یالیزر۔“

”نہیں جناب۔ آدمی۔“ بلیک زیرو نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

”یعنی ان لوگوں کا استقلال پارٹی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“

”جی نہیں۔ میں تصدیق کر چکا ہوں۔“

”اس سلسلے میں اور کوئی خاص بات۔“

”صرف ایک آدمی ایک خاص بات بتا سکا ہے۔“

”کیا۔“

”لیکن جناب میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ خاص ہی بات ہوگی۔“

”اوہ.... بکو بھی جلدی۔“

”اس نے بتایا کہ وہ ایک زرد رنگ کا رومال زمین سے اٹھا رہا تھا کہ ایک کتے نے اس کے ہاتھ

جھپٹا مارا.... ہاتھ زخمی ہو گیا اور کتا رومال منہ میں دبا کر بھاگ گیا۔“

”اور دوسروں نے کیا بتایا۔“

”دوسروں تک میں دیر سے پہنچان پر کتوں کا زہر اثر کر چکا تھا لہذا ان سے کوئی بات معلوم

کرنا بہت مشکل تھا۔“

”وہ پاگل ہو چکے تھے۔“

”جی ہاں۔“ بلیک زیرو نے کہا۔ ”رومال کی کہانی کافی شہرت پا رہی ہے۔ آپ پر بھی تو کوئی کتا

جھپٹا تھا۔ آج شام کو اس کے سلسلے میں بھی رومال کی کہانی سنی گئی ہے۔ آپ اس کے پیچھے دوڑتے

ہوئے پائے گئے تھے لیکن کسی نے کتے کو ہلاک کر دیا اور کتے کے منہ میں ایک رومال دبا ہوا تھا۔“

”آہا.... تو کل کے اخبارات.... کافی دلچسپ ہوں گے۔“

”لوگ علانیہ نواب مشکور کو گالیاں دیتے پھر رہے ہیں۔“

”اوہ.... تب تو.... دیکھو بلیک زیرو.... اب بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔“

”میں بالکل محتاط ہوں جناب۔“

”اور اب کل سے تمہیں شمشیر آزاد نہیں نظر آئے گا۔“

”کیوں؟“

”اب ضرورت ہی کیا ہے۔ میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ پاگل کتے صرف سیاسی

لیڈروں پر ہی کیوں جھپٹتے ہیں۔“

”رومال۔“

”ہاں.... رومال اگر تمہیں سڑک پر کوئی خوش رنگ اور صاف ستھرا رومال پڑا ہوا دکھائی

دے تو تم اسے ضرور اٹھاؤ گے۔ میری جیب سے جو رومال برآمد ہوا تھا بہت خوش رنگ اور

خوبصورت تھا۔ معطر۔ ریشمی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے استعمال ہی نہ کیا گیا ہو۔ وہ کتے زہریلے

ہیں اور کوئی خاص قسم کی خوشبو ان کو وقتی طور پر پاگل کر دیتی ہے۔ وہ اس مخصوص خوشبو والے

رومال کو حاصل کرنے کے لئے لوگوں پر حملہ بھی کر دیتے ہیں ورنہ اگر وہ حقیقتاً پاگل ہوتے تو جو

بھی سامنے پڑ جاتا ان کے پاگل پن سے محفوظ نہ رہتا لیکن میں نے دیکھا تھا کہ ایک کتا مجھ پر پاگلوں

کی طرح حملے کرنے کے بعد رومال منہ میں دبا کر معمولی کتوں کی طرح بھاگتا چلا گیا تھا۔“

”جی ہاں۔ قطعی.... اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔“

”اچھا... بس۔“ عمران نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے میں پھر تمہیں رنگ کروں لہذا جہاں ہو وہیں رہنا۔“

عمران سلسلہ منقطع کر کے نشست کے کمرے میں چلا گیا۔ وہ اپنے فلیٹ میں واپس آ گیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد کیپٹن فیاض دھڑ دھڑاتا ہوا کمرے میں گھس آیا اسکے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔

”میں اس لئے آیا ہوں کہ تم بھی اس معاملے میں دلچسپی لے رہے ہو۔ ہو سکتا ہے سر سلطان

نے تمہیں اس پر مجبور کیا ہو۔“

”قطعی یہی ہو سکتا ہے۔ سو پر فیاض.... پھر۔“

”میں نے آج ہی شام کو نواب مشکور سے ملنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ اپنی کونٹھی میں

موجود نہیں تھا۔“

”پہلے بھی کبھی مل چکے ہو۔“

”نہیں۔“

”پھر کیسے کام چلے گا۔ سو پر فیاض۔ تم اتنے دنوں سے تمہیں کے لئے جھک مار رہے ہو لیکن

نواب مشکور سے نہ مل سکے۔“

”مجھے یقین تھا کہ تمہیں غلط فہمی میں مبتلا ہے۔ نواب مشکور تو بہت شریف آدمی ہے۔“

”اب کیا خیال ہے۔“

”کیا بتاؤں سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ اس کے متعلق کیا نظریہ قائم کروں اور اب تو ان کتوں

نے عام آدمیوں پر بھی حملے شروع کر دیئے تھے۔“

”بس تو پھر مزے کرو صاف ظاہر ہے کہ پہلے جو چار لیڈران کی زد میں آئے تھے وہ محض

اتفاق تھا۔ ورنہ عام آدمیوں پر دانت صاف کرنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔“

”مگر رومالوں کی کہانی۔“

”ہاں۔ آں.... میں نے بھی سنا ہے۔“ عمران نے لاپرواہی سے کہا۔ ”لیکن یہ افواہ ہی ہو سکتی ہے۔“

”ہو سکتا ہے یہی بات ہو.... لیکن کیا تمہیں شہر کی حالت کا علم ہے۔“

”نہیں.... میں صبح ہی سے مقید ہوں۔ آج کل باہر نکلنے کی ہمت ہی نہیں پڑتی۔“

”اچھا ٹھہرو۔ میں تمہیں بتاتا ہوں۔“ فیاض نے آگے بڑھ کر ریڈیو کھول دیا۔

کوئی ریکارڈنگ نہ تھا.... جیسے ہی وہ ختم ہوا.... آواز آئی۔

”اب آپ ایک اہم سرکاری اعلان سنئے۔“

پھر کچھ دیر بعد آواز آئی۔ ”ہر خاص و عام کو اطلاع دی جاتی ہے کہ حکومت استقلال پارٹی کے پاگل کتوں والے اسٹنٹ کو تشویش کی نظروں سے دیکھ رہی ہے۔ یہ حکومت کو بدنام کرنے کے لئے ایک اچھی حرکت ہے۔ استقلال پارٹی کو ایک غیر قانونی جماعت بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن

حکومت اس قسم کا کوئی غیر جمہوری قدم اٹھانے کا ارادہ نہیں رکھتی۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ نظم و

ضبط برقرار رکھیں۔ حکومت ان واقعات کی تحقیقات کے لئے ایک کمیٹی مقرر کر چکی ہے جس میں

عوام کے نمائندے بھی شامل ہیں۔ آپ افواہوں پر کان نہ دیجئے۔ کسی پرامن شہری کو اس سلسلے

میں مطعون نہ کیجئے۔ ایک بار پھر آگاہ کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی فرد کسی کے خلاف واضح ثبوت بہم

پہنچائے بغیر اسے کسی قسم کا الزام دے گا تو اس کے خلاف سخت ترین قانونی کارروائی کی جائے گی۔“

کیپٹن فیاض نے ریڈیو بند کر کے کہا۔ ”ہر اٹھارہ منٹ کے بعد یہ اعلان دہرایا جا رہا ہے۔ تم

اسی سے اندازہ لگا سکتے ہو کہ شہر کی کیا حالت ہو گی۔“

”ہاں....“ عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”تو کیا.... نواب مشکور خطرے میں ہے۔“

”یقیناً.... مجھے خوف ہے کہ کہیں لوگ اس کی کونٹھی پر چڑھائی نہ کر دیں۔“

”لیکن اس کی حفاظت کے لئے کیا انتظام کیا گیا ہے۔“

”کونٹھی کے گرد سخت قسم کا پہرہ ہے۔“

”ٹھیک ہے اور تمہیں نے بھی نواب مشکور سے سمجھو یہ کر لیا ہے۔“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔

”پتہ نہیں کیا چکر ہے۔“ فیاض اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔

”روشی بھی تو موجود تھی۔ اس نے نہیں بتایا۔“

”بتایا تو تھا مگر وہ نشے میں تھی اس لئے میں کم از کم اپنے کانوں پر اعتبار نہیں کر سکتا۔“

”کیا بتایا تھا۔“

”یہی کہ نواب مشکور بھی وہاں موجود تھا جب ہم دونوں پہنچے تھے۔“

”جب تو وہ یقیناً رہی ہو گی۔ فیاض کے ہونٹوں پر ایک پریشان سی مسکراہٹ نظر آئی۔

”مگر سو پر فیاض۔ کیا تم نے اس آدمی کو دیکھا تھا جس نے پورچ کی سیڑھیوں پر ٹھوکر کھائی تھی۔“

”کیوں؟ ہاں دیکھا تھا۔“ فیاض بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

”اس کی ہانگہ جارج ففٹھ اسٹائل کی ڈاڑھی بھی دیکھی تھی۔“

”ہاں۔ ہاں.... کچھ بکو بھی۔“ فیاض جھنجھلا گیا۔

”تو پھر نواب مشکور کس جانور کو کہتے ہیں۔“

”نہیں۔“ فیاض بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

”بیٹھو..... بیٹھو.....!“ عمران نے کہا۔ ”سلیمان..... کپتان صاحب کے لئے چائے لائے۔“  
 ”چائے کے بچے میں تمہیں مار ڈالوں گا۔“ فیاض دانت پیس کر اسے گھونسا دکھاتا ہوا بولا۔  
 ”ایسے نہیں مروں گا، سوپر فیاض پہلے بیٹھ جاؤ۔ اپنے حواس درست کرو۔ آنکھیں ذرا نشلی  
 .. پھر میری طرف اس طرح مسکرا کر دیکھو کہ میں اٹھ کر پانی پینے بھی نہ جاؤں۔“  
 ”عمران خدا کے لئے سنجیدہ ہو جاؤ۔“

”میں تمہاری ہر خدمت کے لئے تیار ہوں۔ سوپر فیاض۔“  
 ”مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں۔“

”جو کچھ میں بتاؤں گا تم کبھی نہیں کرو گے۔“  
 ”تم اگر کہو کہ میں سڑک پر کھڑا ہو کر گدھوں کی طرح چیخوں.... تو یہ کیسے کر سکوں گا۔“  
 ”نہیں۔ تم ان چاروں لیڈروں کو حراست میں لے لو۔“  
 ”ان پاگلوں کو۔“

”ہاں۔ ان پاگلوں کو۔“

”یار عمران.... کیوں؟“

”میں قطعی سنجیدہ ہوں، سوپر فیاض۔ ان چاروں کو حراست میں تولے لو۔“  
 ”یہ ایک مشکل کام ہے۔ حکومت پہلے ہی اعلان کر رہی ہے کہ وہ کوئی غیر جمہوری طریقہ  
 نہیں اختیار کرے گی۔“

”حالات کا صحیح ادراک نہ تمہیں ہے نہ حکومت کو۔“

”لیکن تم یہاں اس سڑے سے فلیٹ میں بیٹھ کر شیخیاں بکھا رہے ہو۔“ فیاض جلے کٹے لہجے  
 میں بولا۔

”تم شوخیاں بکھاؤ کپتان فیاض۔ اگر میں یہیں شہید نہ ہو جاؤں تو مجھے باقاعدہ گولی مار دینا۔  
 ویسے اگر تم ان پاگلوں کو حراست میں نہیں لے سکتے تو اب یہاں سے دفع ہو جاؤ.... ورنہ میں تم پر  
 نلٹ کی پیکاری مارنا شروع کر دوں گا۔“

”لیکن تم یہ مشورہ کیوں دے رہے ہو۔“

”کیونکہ انہیں یا تو پولیس کی حراست میں ہونا چاہئے، یا پاگل خانے میں۔“

”میں وجہ معلوم کئے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔“

”وجہ معلوم کر لو تب بھی تم ایسا نہیں کر سکو گے۔ جب تم نواب مشکور کے متعلق کچھ بھی  
 نہیں جانتے تو....“

”پھر وہی نواب مشکور۔“

”ہاں.... حقیقتاً نواب مشکور ہی ان مصیبتوں کی جڑ ہے۔“

”یعنی.... اب تمہیں۔“

”ہاں۔ اب تمہیں تم سے شادی کر لے گی۔“ عمران چڑ کر بولا۔ ”آخر تمہارے سر پر تمہیں  
 اس بُری طرح کیوں سوار ہے۔“

”تمہاری اوٹ پٹانگ باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔“

”اگر سمجھ میں آنے لگیں تو تم بھی اسی سڑے ہوئے فلیٹ میں رہنا شروع کر دو۔ لہذا سمجھ  
 میں نہ آئیں تو زیادہ بہتر ہے۔“

فیاض کچھ نہ بولا سلیمان چائے کی ٹرے میز پر رکھ رہا تھا۔ اس نے اشارے سے عمران کو بتایا  
 کہ پرائیویٹ فون پر کسی کی کال ہے۔

”میں ایک منٹ میں آیا، فیاض.... ذرا باتھ روم تک جاؤں گا۔“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔

پھر وہ اس کمرے میں آیا جہاں پرائیویٹ فون تھا۔

”ہیلو....“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”صفدر اسپیکنگ سر۔“

”اوہ۔ کیا خبر ہے۔“

”مجھے ڈر ہے کہ کہیں بغاوت نہ ہو جائے۔ پاگل کتوں نے شہر میں بڑی ابتری پھیلا دی ہے۔“

اس وقت تک ”مجھڑ وارداتوں کی رپورٹس مل چکی ہیں اور رومالوں کی کہانی ہر ایک کی زبان پر ہے۔“

”تو بغاوت ہو جانے کا اندیشہ ہے۔“

”جی ہاں جناب! اکثر جگہوں پر تنویر چوہان اور نعمانی نے لوگوں کو مشورے کرتے ہوئے سنا

ہے۔ اسکیم یہی ہے کہ نواب مشکور کے محل کے گرد حصار ڈالنے والے فوجیوں سے بھی نپٹ لیا

جائے اور پھر محل میں چاروں طرف سے آگ لگا دی جائے۔“



”اوہ.... تمہیں یقین ہے کہ ایسا ہو جائے گا۔“

”حالات یہی کہہ رہے ہیں جناب۔“

”مجھے بڑا افسوس ہو گا اگر نواب مشکور جل کر مر گیا۔ اسے وہاں سے زندہ نکال لاؤ۔ ہر قیمت پر خواہ کچھ ہو۔“

”چاروں طرف فوج کا پہرہ ہے جناب۔“

”اس کے باوجود بھی تم اندر پہنچ سکو گے۔ تدبیر میں پہلے ہی سوچ چکا ہوں۔ کمانڈر انچیف کا جھنڈا استعمال کرو۔ مسلح کار تمہیں ہیڈ کوارٹر سے مل جائے گی۔ اس پر کمانڈر انچیف کا جھنڈا ہو گا۔ ہاں وہ کار تم کہاں چاہتے ہو۔“

”اوہ.... کیوں نہ دیں جہاں ہم ہیں۔“

”ٹھیک ہے.... خاور سے کہو کہ وہ اپنے چہرے میں صرف گھنی اور اوپر کو چڑھی ہوئی مونچھوں کا اضافہ کر لے۔ اس طرح وہ دور سے کمانڈر انچیف ہی معلوم ہو گا۔“

”اوہ.... جی ہاں.... قطعی۔ میں تصور میں اسے کمانڈر انچیف ہی محسوس کر رہا ہوں۔“

”بس تیار ہو جاؤ۔ آرٹ کار پہنچ جائے گی تم اسے نہایت اطمینان سے محل کے اندر لیتے جاؤ گے کوئی بھی حارج نہ ہو گا۔ لیکن دیکھو کار پر کمانڈر انچیف کا جھنڈا ضرور موجود رہے اور نواب مشکور کو باہر لانے کے لئے جو تدبیر مناسب ہو اختیار کرنا۔ مجھے تم پر اعتماد ہے۔“

”اس اعتماد کے لئے میں شکر گزار ہوں جناب۔“

”بس۔“ عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا اور دوبارہ کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

”ہیلو.... کرئل شمشاد.... ایکس ٹوپلیز....“ اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

”ایک آرٹ کار چاہئے۔ جس پر کمانڈر انچیف کا جھنڈا موجود ہو۔ یہ کار جیل روڈ کے کراسنگ پر پہنچی چاہئے۔ جی ہاں شکریہ۔ پیپس منٹ کے اندر اندر.... بہت بہت شکریہ۔“

عمران سلسلہ منقطع کر کے پھر اس کمرے میں آگیا جہاں کیپٹن فیاض اس کا منتظر تھا۔

اس نے چائے شروع کر دی تھی اور کچھ اس انداز میں پی رہا تھا جیسے چائے دانی میں چائے کی بجائے عمران کا خون رہا ہو اور سلیمان قریب ہی کھڑا ہو اسے بتا رہا تھا کہ یہاں اس فلیٹ میں رات کو چھڑوں کی فوج کس طرح یلغار کرتی ہے۔

عمران نے بھی بیٹھ کر چائے انڈلی۔ سلیمان اسے دیکھتے ہی کھسک گیا۔ شاید وہ اسی لئے یہاں موجود تھا کہ فیاض کو باتوں میں لگائے رہے۔

”اچھا فیاض“ عمران نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”میں اب یہ کھیل ختم کرنے جا رہا ہوں۔ کیا تم اس کا ڈراپ سین دیکھنا پسند کرو گے۔“

”تم کون ہوتے ہو کھیل ختم یا شروع کرنے والے.... یہ معاملہ....“

”ٹھہرو۔ تمہیں اس پر افسوس نہ ہونا چاہئے کہ سرکاری نمک خوروں سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ افسوس کر کے کرو گے بھی کیا۔ یہ بڑی اچھی بات ہے کہ تم لوگ اپنی حدود سے قدم نہیں نکالتے۔“

”تم ہمیشہ سرکاری افسروں کے معاملات میں دخل انداز ہوتے رہتے ہو۔ یقین جانو کہ کسی دن تمہیں اس کے لئے بھگتنا پڑے گا۔“

”اچھا کیپٹن فیاض اب میں کھیل ختم نہیں کروں گا۔“

”تم جہنم میں جاؤ۔“ فیاض اٹھ گیا۔

عمران نے اس بار اسے بیٹھنے کو نہیں کہا۔ لیکن یہ ضرور کہا کہ وہ اس وقت حقیقتاً اس کی مدد کرنا چاہتا ہے۔

”شکریہ۔“ فیاض براسمانہ بنا کر بولا۔ ”مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے۔“

پھر وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ عمران کو اس کے اس رویے پر حیرت تھی وہ حقیقتاً اس وقت اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا اور شاید اس کے قول کے مطابق کھیل بھی آج ہی ختم ہو جاتا اس وقت تک کیس کی باریک سے باریک رگ بھی عمران کے ہاتھ میں آگئی تھی۔ اس نے عمران کی حیثیت سے بھی بہت کچھ دیکھا سنا تھا اور سیاسی لیڈر شمشیر آزاد کی حیثیت سے بھی۔ بس بکھری ہوئی کڑیوں کو یکجا کرنا باقی رہ گیا تھا۔ وہ اس وقت ہو گیا۔ یہ رات اور اس میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات بہت اہم تھے۔

وہ چائے ختم کر کے پھر اسی کمرے میں چلا گیا۔ جہاں پرائیویٹ فون تھا۔



کیپٹن فیاض بھی زرا گھماڑ ہی نہیں تھا اسے یقین تھا کہ عمران کو جو کچھ بھی کرنا ہے آج ہی

”جی ہاں۔ مم.... مگر میں نے اس کی شکل نہیں دیکھی۔ وہ اوور کوٹ اور فلٹ ہیٹ میں تھا۔

”شہاب کا بھائی۔“

”تم بکواس کر رہے ہو میرے خدا یہ تو وہی ہے۔“

”کون۔“

فیاض کچھ نہ بولا۔

دفعتاً اندر سے شمشیر آزاد نے کہا۔ ”اچھا اب میں چلوں گا۔ صرف شہاب صاحب کی خیریت

دریافت کرنے آیا تھا۔“

”یہ بہت بُری بات ہے مسٹر آزاد کہ آپ پیتے نہیں ہیں کچھ دیر تو اور بیٹھئے۔ صاحب اوپر آرام کر رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ شاید اب وہ کبھی صحیح الدماغ نہ ہو سکیں۔ ویسے ان کے معالج تو بہت اطمینان دلارہے ہیں۔“

”ہو سکتا ہے کہ وہ اچھے ہی ہو جائیں۔ کیا میں اوپر جا کر انہیں دیکھ سکتا ہوں۔“

”نہیں انہیں نہ جگائیے مسٹر آزاد۔“

”اور اگر وہ قتل کر دیئے گئے ہوں تو....“

”کیا مطلب۔“ وہ چونک پڑا اور ٹھیک اسی وقت ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ یہ بائیں جانب والے دروازے سے آیا تھا۔ فیاض اس پر نظر پڑتے ہی بُری طرح چونکا آنے والے کی آنکھوں پر سیاہ شیشوں کی عینک تھی مگر فیاض تو صرف اس لئے چونکا تھا کہ اس کی ڈاڑھی کنگ جارج ففتھ کی سی تھی۔

”آپ کی تعریف۔“ شمشیر آزاد نے پوچھا۔

”میری تعریف“ آنے والا ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا مسکرایا۔ ”میرا خیال ہے کہ آپ ایک بار

مجھ سے مل چکے ہیں مسٹر عمران۔“

”ارے باپ رے۔“ آزاد بلبلانے کے سے انداز میں بولا اور فیاض کی آنکھیں حیرت سے

پھیل گئیں۔ کیونکہ اس بار عمران نے اپنے مخصوص احقانہ لہجے میں یہ جملہ ادا کیا تھا۔

”خبردار چپ چاپ کھڑے رہنا۔“ فیاض نے آہستہ سے کہا۔ ”آج میں اس کی جامت بنتے

دیکھنا چاہتا ہوں۔ ویسے اب یہ دونوں بیچ کر کہاں جائیں گے۔ کیا تم ڈاڑھی والے کو پہچانتے ہو۔“

”نہیں“ انسپکٹر زاہد نے جواب دیا۔

”یہ نواب مشکور ہے اور دوسرا وہی غیر ملکی جاسوس ہو سکتا ہے جس کا فائیل عرصے تک میرے پاس رہا ہے۔ میں نے صد ہا بار اس کی تصویر دیکھی ہے مگر پہلی نظر میں میں نہیں پہچان سکا تھا۔“

اندر ڈاڑھی والا عمران سے کہہ رہا تھا۔ ”کیا تم میرے خلاف کوئی کارروائی کرنے کے لئے یہاں سے نکل سکو گے۔“

”ہرگز نہیں اب تو میرا یہاں سے جنازہ ہی جائے گا۔“

”جنازے کی جھنجھٹ میں کون پڑے گا۔“ ڈاڑھی والے نے خشک لہجے میں کہا۔ ”ابھی تک میں صرف کتوں ہی پر تجربات نہیں کرتا رہا۔ میں تمہیں ریز جوڑنے کے سلیوشن میں بھی تبدیل کر سکتا ہوں۔“

”اور اگر اس سلیوشن میں شکر بھی ملا دی گئی تو وہ عمران کی جیلی کہلائے گی۔“ عمران خوش ہو کر بولا۔

”خیر ہاں۔ یہ تو بعد کی باتیں ہیں مگر یہ تو بتاؤ کہ تم نے میرے خلاف کتنے ثبوت فراہم کر لئے۔“ ڈاڑھی والے نے کہا۔

”ابھی تو ایک بھی نہیں۔ تم بہت چالاک ہو مشکل ہی سے ہاتھ آؤ گے مگر آج یہ معلوم ہو گیا کہ شاید تمہیں بھی کسی پاگل کتے نے کاٹ لیا ہے۔ آخر تم نے اپنے محل سے اس وقت نکلنے کی ہمت کیسے کی جب کہ لوگ بھوکے کتوں کی طرح تمہاری تلاش میں ہیں۔“

”میں انہیں کتا ہی سمجھتا ہوں اور کتوں کو اپنا غلام بنانا میری بابی ہے.... میں جانتا ہوں کہ بھونکنے ہی والے کتے دم بھی ہلاتے ہیں.... آج وہ اگر مجھ پر بھونک رہے ہیں تو کل میرے پیچھے دم بھی ہلائیں گے۔“

”بالکل صاف بات ہے۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہاری اصلیت کیا ہے۔“

”میں اصل السوس ہوں.... کھانسی بخار کے لئے بے حد مفید.... میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں۔“

”ارے قصہ بھی ختم کرو۔“ دوسرے آدمی نے میز پر ہاتھ مار کر کہا وہ اب بھی شراب پی

”ختم ہی سمجھو۔“ ڈاڑھی والا بولا۔

”ذرا ایک منٹ“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”کیا تم لوگ مجھے مار ڈالو گے۔“

”نہیں میں تمہیں ایک غزل سنا کر رخصت کر دوں گا۔ تاکہ تم باہر جا کر میرے لئے پھانسی کا پھندا تیار کرو۔“

”مرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ میری ایک خواہش پوری ہو جائے۔“

”چلو منظور ہے۔“ ڈاڑھی والا مسکرایا۔

لیکن ابھی عمران نے اپنی خواہش ظاہر کرنے کے لئے احمقانہ انداز میں پلکیں ہی جھپکائی تھیں کہ ایک آدمی بے تحاشہ اندر داخل ہوا۔۔۔ اور عمران کے حلق سے ایک ڈری ڈری سی چیخ نکلی۔۔۔ ”ہمبھ۔۔۔۔۔ بھوت۔۔۔۔۔“

اور کیپٹن فیاض کی حالت تو بیان سے باہر تھی۔ کیونکہ اب اسے ایک ہی شکل کے دو آدمی نظر آرہے تھے۔ دو ڈاڑھیالے۔۔۔ جو کنگ ففتھ کی ڈاڑھی سے مشابہ تھیں۔ فرق صرف اتنا سا تھا کہ دونوں کے لباس مختلف تھے اور ایک کی آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک تھی۔ بعد میں آنے والا عینک میں نہیں تھا۔

اچانک عینک والے نے ریوالور نکال لیا۔

”خبردار“ فیاض باہر سے دھاڑا۔ ”تم میرے ریوالور کی زد پر ہو اپنا ریوالور زمین پر ڈال دو۔“ لیکن دوسرے ہی لمحے میں کوئی ٹھنڈی سی چیز کیپٹن فیاض کی گردن سے آگئی اور کسی نے آہستہ سے کہا۔ ”پتیلان صاحب آپ خود ہی اپنا ریوالور جیب میں رکھ لیجئے۔ جہاں آپ کی ضرورت نہ ہو وہاں آپ کی موجودگی یقیناً گراں گذرے گی۔“

یہی حال انسپکٹر زاہد کا ہوا۔۔۔ دونوں کے ہاتھوں سے ریوالور چھین لئے گئے۔

”یہ سیکرٹ سروس کا کیس ہے۔ کیپٹن فیاض۔ ویسے اگر تم صرف تماشا دیکھنا چاہو تو چپ چاپ کھڑے رہو۔ ہم نے آج کی رات عمران دی گریٹ کو کرائے پر حاصل کیا ہے۔“

فیاض ان دونوں کی طرف مڑا۔ کھڑکی سے آنے والی روشنی ان پر پڑ رہی تھی۔ وہ دونوں فوجی لباس میں تھے لیکن ان کے چہرے سیاہ نقابوں میں چھپے ہوئے تھے۔



عینک والا ریوالور کا رخ عمران کی طرف کئے ہوئے پیچھے ہٹ رہا تھا۔ اس کی پشت دروازے کی طرف تھی۔ اچانک ایک باوردی نقاب پوش دروازے میں نظر آیا۔ اور اس نے اس زور کی لات عینک والے کی کمر پر سید کی کہ وہ اچھل کر اس آدمی پر جا پڑا جو کچھ دیر پہلے یہاں بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے ٹکرا کر فرش پر ڈھیر ہو گئے۔

دوسرا ڈاڑھی والا دیوار سے ٹکا کھڑا انہیں حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

پھر وہ دونوں اٹھ کر عمران پر ٹوٹ پڑے۔ عمران کے ہاتھ میں واکنگ اسٹک تھی۔ اس کی پہلی ضرب شرابی کے سر پر پڑی اور وہ کسی تناور درخت کی طرح وہیں ڈھیر ہو گیا۔

ڈاڑھی والا رک گیا۔ اب اس کی آنکھوں پر عینک بھی نہیں تھی۔

”لمبا پلاٹ بنانے والے اسی طرح گڑھے میں گرتے ہیں۔ مسٹر شہاب فکری۔“ عمران نے اسے مخاطب کر کے کہا۔ ”نواب مشکور اب بھی محفوظ ہیں۔ لیکن استقلال پارٹی کا بیڑہ ہمیشہ کے لئے غرق ہو گیا۔“

اتنے میں چار نقاب پوش کیپٹن فیاض اور انسپکٹر زاہد کو اندر لائے۔

”ہیلو۔۔۔ سوپر فیاض۔“ عمران چپک کر بولا۔ ”میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ آج رات کو میں کھیل ختم کر دوں گا۔ میں چاہتا تھا کہ ڈراپ سین تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ لہذا تم یہاں موجود ہو۔“

”مگر تم نے جو کچھ بھی کیا ہے ان شریف آدمیوں کے لئے کیا ہے۔“ عمران نے نقاب پوشوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”اور یہ شریف آدمی براہِ راست محکمہ خارجہ کو جوابدہ ہیں۔“

فیاض کچھ نہ بولا۔ وہ ان دونوں ڈاڑھی والوں کو تیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”شہاب فکری کے چہرے سے ڈاڑھی الگ کر دو۔“ عمران نے کہا اور ایک نقاب پوش نے آگے بڑھ کر اس کی ڈاڑھی پر ہاتھ ڈالنا چاہا لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ زمین پر تھا۔ شہاب فکری نے بجلی کی سی سرعت سے اسے اپنی پشت پر لاد کر نیچے پٹخ دیا۔ پھر اس نے دروازے کی طرف چھلانگ لگائی۔ لیکن دروازے پر تو تینوں نقاب پوش اڑے کھڑے تھے۔ شہاب فکری ذرا ہی سی دیر

میں بے بس ہو گیا اور اس کی مصنوعی ڈاڑھی نوج ڈالی گئی۔

”آپ تشریف رکھئے نواب صاحب۔“ عمران نے نواب مشکور سے کہا۔

”یہ سب کیا ہے۔“ نواب مشکور نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”یہ سب آپ کی موت کا سامان ہے.... کیا آپ نے مجھے نہیں پہچانا۔“

”تم شاید شمشیر آزاد ہو۔ میں نے کسی اخبار میں تمہاری تصویر دیکھی تھی۔“

”میں نے چڑیا چڑے کی کہانی نظم کرنے کی کوشش کی تھی۔ نواب صاحب مگر ڈاڑھی کے

بغیر گاڑی نہیں چل سکی۔ لہذا یہ مختصر سی.... جی ہاں“ عمران اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

”اوہ۔ مسٹر علی عمران۔“ نواب مشکور کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ شہاب کرسی پر

بیٹھا بانپ رہا تھا۔

”ہاں نواب مشکور.... مجھے افسوس ہے کہ پہلے میں نے ایک غلط راہ اختیار کی تھی۔ میں نے

نہیں اختیار کی تھی بلکہ مجھے غلط راہ پر ڈالا گیا تھا۔ شاید میں غلط راہ پر نہ پڑتا اگر آپ کی شخصیت اتنی

پراسرار نہ ہوتی۔ میں نے آپ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ آپ کے متعلق بعض حیرت انگیز باتیں

اکثر سنی تھیں۔ لیکن آپ یقین کیجئے کہ جب تک.... آہا.... ٹھہریئے.... شاید.... وہ آگئی ہے۔

آپ حضرات براہ کرم دوسرے کمرے میں چلے جائیئے۔ جلدی کیجئے اور تم شہاب خاموشی سے بیٹھے

رہو گے۔ ورنہ تم جاننے ہو کہ میں کیا آدمی ہوں اور تم مر بھی گئے تو ذرہ برابر بھی پرواہ نہ ہوگی۔“

نقاب پوش بقیہ لوگوں سمیت دائیں جانب والے دروازے سے نکل گئے.... قدموں کی

آواز قریب ہوتی جا رہی تھی۔ پھر تہینہ کمرے میں داخل ہوئی۔

”ارے“ اس کی زبان سے بے ساختہ نکلا اور جھپٹ کر شہاب کے قریب آئی۔

”ہاں.... ہاں.... دور رہئے۔ آپ کون ہیں.... یہ صاحب اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے۔ یہ

دیکھئے“ عمران نے بے ہوش آدمی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ جواب بھی دیں پڑا ہوا تھا اور اس

کے سر کے نیچے کی زمین سرخ ہو گئی تھی.... شاید سر کی چوٹ گہری تھی۔

”مگر آپ انہیں ان کے کمرے سے کیوں نکال لائے۔“ تہینہ غصیلے لہجے میں بولی۔

”میں کیا کرتا.... محترمہ.... وہاں اس کمرے میں ان سے اس سے بھی بڑا پاگل پن سرزد

ہونے جا رہا تھا۔ اس لئے میں مجبوراً انہیں اس کمرے میں گھسیٹ لایا.... یہ نواب مشکور بننے کو

کوشش کر رہے تھے۔ آپ خود سوچئے کہ یہ کتنا بڑا پاگل پن ہے۔“

”ختم کرو تہینہ“ دفعتاً شہاب بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”ہم ہار گئے۔ یہ شمشیر آزاد نہیں بلکہ

عمران ہے۔“

”اوہ“ تہینہ اپنے ہونٹوں کو دائرے کی شکل میں لا کر رہ گئی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں

اڑنے لگی تھیں۔ اچانک دیکے بعد دیگرے کئی فائرز کی آوازیں آئیں اور شہاب اچھل کر کھڑا

ہو گیا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک زہریلی سی مسکراہٹ تھی اور وہ عمران کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

”اب بتاؤ۔“ اس نے کہا۔ ”اب میں یہاں تنہا نہیں ہوں۔ میرے آدمیوں نے خطرے کی بو

سو گھلی ہے۔“

”پھر اس سے مجھے کیا فائدہ پہنچے گا۔“ عمران نے حیرت ظاہر کی۔

”سور کے بچے۔“ شہاب نے دانت پیس کر عمران پر چھلانگ لگائی۔ لیکن وہ عمران ہی

ٹھہرا.... تہینہ بلبلاتا اٹھی۔ کیونکہ شہاب اسی سے آنکر لیا تھا اور عمران تو الگ کھڑا اہلکار رہا تھا....

”دو.... دیکھو یہ کیا شرافت ہے.... اجی واہ.... عورتوں سے کشتی لڑتے ہوئے شرم نہیں آتی۔“

شہاب تہینہ کو چیخا چھوڑ کر اٹھا.... اور عمران پر ایک کرسی کھینچ ماری۔

”کیوں فرنیچر برباد کر رہے ہو۔“ عمران ایک طرف ہٹا ہوا بولا اور کرسی دروازے سے

گذرتی ہوئی دوسرے کمرے میں جا گری۔

باہر سے اب بھی فائرز کی آوازیں آرہی تھیں اور ادھر شہاب دانت پیس کر عمران پر

حملے کر رہا تھا۔ عمران اپنی پرانی عادت کے مطابق اسے صرف تھکا رہا تھا۔ خود اس نے ایک بار بھی

اس پر حملہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ لیکن وہ تہینہ کی طرف سے غافل ہو گیا تھا۔ ادھر

تہینہ فرش پر دوڑانو بیٹھی ہوئی بے ہوش آدمی کی جھینٹ مٹول رہی تھی۔ اچانک اس نے اس کی

جیب سے ایک پستول نکال کر عمران پر فائر جھونک مارا.... عمران شاید غفلت میں مار بھی لیا گیا

ہوتا۔ مگر تہینہ نے غالباً اپنی زندگی میں پہلی بار پستول ہاتھ میں لیا تھا.... گولی عمران کے نہیں لگی

اور وہ ہاتھ ہلا کر دھاڑا.... ”ارے کیا تم بھی کسی پاگل کتے کا شکار ہو گئی ہو۔“

شاید عمران کا خیال درست تھا۔ وہ حقیقتاً ہوش میں نہیں معلوم ہوتی تھی۔

اس نے دوسرا فائر کر دیا اور شہاب کے حلق سے ایک کریہہ سی چیخ نکلی۔ دوسرے ہی لمحے

میں وہ لڑکھڑاتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

اتنے میں عمران کی داکنگ اسٹک تہینہ کی کلائی پر پڑی اور پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑا۔

شہاب فرش پر پڑا ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔ عمران نے جھپٹ کر پستول اٹھاتے ہوئے کہا۔ ”شہاب تم مرو گے نہیں اطمینان رکھو کیونکہ گولی شاید تمہاری ران میں لگی ہے۔“

تہینہ کسی بھوکے شیر کی طرح عمران پر ٹوٹ پڑی۔

”ارے بچاؤ...“ عمران حلق پھاڑ کر دھاڑا اور دو نقاب پوش دوڑے ہوئے کمرے میں گھس آئے۔ لیکن یہ مضحکہ خیز سچویشن ان کی دلچسپی کا باعث بن گئی اور انہوں نے دور ہی سے ہنسنا شروع کر دیا۔ عمران تہینہ کے حملوں سے بچنے کے لئے ڈری ڈری سی آواز نکالتا ہوا سارے کمرے میں چکر اٹاتا پھر رہا تھا اور تہینہ کے حلق سے گالیوں کا طوفان امنڈ رہا تھا۔

پھر کچھ دیر بعد وہ بھی چکر اکر گری اور بے ہوش ہو گئی۔

”ہائیں... یہ سنا کیا؟“ عمران آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ”کیا تمہیں شکست ہو گئی۔“

”وہ صرف دہوی تھے۔ انہیں قابو میں کر لیا گیا ہے۔“ نقاب پوش نے کہا۔

عمران کچھ سوچنے لگا۔



وہ رات آج بھی شہر والوں کو یاد تھی۔ حالانکہ وہ ہنگامے اب ختم ہو چکے تھے۔ لیکن اس رات کا ایک ایک واقعہ لوگوں کے دلوں پر نقش ہو گیا تھا۔ عوام کس بُری طرح جھلائے ہوئے تھے اور گلی کوچوں میں کتے راگیروں کو بھنبھوڑتے پھر رہے تھے۔ وہ منظر تو بڑا ڈراؤنا تھا جب بھرت ہوئے لوگوں نے نواب مشکور کے محل پر حملہ کیا تھا۔ فوجیوں کی رائفلیں بھی انہیں روکنے میں ناکام رہی تھیں اور محل میں آگ لگادی گئی تھی۔ حملہ آور مسلح تھے اور وہ فوج کا حصار توڑ کر محل میں گھستے چلے گئے تھے پھر انہوں نے بڑی تباہی مچائی جو بھی سامنے پڑا اسے گولی مار دی گئی۔ بڑی توڑ پھوڑ ہوئی تھی اور اس کے بعد محل شعلوں کی لپیٹ میں گھرا ہوا نظر آنے لگا تھا۔ مگر اسی رات کو عمران نے وہ کارنامہ سرانجام دیا تھا جسے شائد آئندہ نسلیں بھی یاد رکھیں۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ

کسی نے اس کا نام تک نہ لیا ہو۔ اخبارات نے کیپٹن فیاض اور محکمہ خارجہ کی سیکرٹ سروس کی مشترکہ کوششوں کو سراہا تھا اور یہ سب کچھ عمران ہی کے ایماء پر ہوا تھا۔ حکومت کی طرف سے صرف یہ اعلان ہوا تھا کہ ایک بہت بڑی سازش کا انکشاف ہوا ہے اور وہ لوگ گرفتار کر لئے گئے ہیں جو اس کے ذمہ دار تھے۔ نواب مشکور بے داغ ثابت ہوئے ہیں۔ ایک غیر ملکی جاسوسوں کا گروہ عرصہ سے یہاں سرگرم عمل تھا اور یہاں اس کی موجودگی کا صرف یہی مقصد تھا کہ موجودہ حکومت کا تختہ الٹ کر استقلال پارٹی کو برسر اقتدار لایا جائے شہاب فکری جس نے پاگل پن کا ڈھونگ رچایا تھا دراصل اس گروہ کا سرغنہ تھا۔

لوگ مزید تفصیلات کے لئے بے چین تھے۔ لیکن ابھی تک اس سلسلے میں کوئی واضح اعلان نہیں کیا گیا تھا۔

عمران کو اب فرصت ہی فرصت تھی اور کیپٹن فیاض تو آج کل اس پر بُری طرح نثار ہو رہا تھا کیونکہ اس بار عمران نے اس کا حصہ نکالنے میں فیاضی سے کام لیا تھا۔ سیکرٹ سروس والوں کے ساتھ ہی ساتھ کیپٹن فیاض کی شان میں بھی اخبارات نے کافی قصیدہ خوانی کر دی تھی۔ لیکن اگر عمران یہ نہ چاہتا تو شاید کیپٹن فیاض کا کوئی نام بھی نہ لیتا۔ بہر حال آج کل وہ عمران سے بے حد خوش تھا اور اپنا زیادہ تر وقت عمران کے فلیٹ ہی میں گزارتا تھا۔ لیکن اس وقت تو اس کے فلیٹ میں نواب مشکور بھی موجود تھا اور عمران کہہ رہا تھا۔ ”یہ ایک لمبی داستان ہے نواب صاحب... جی ہاں آپ کا خیال درست ہے۔ وہ کتے جنہوں نے تین لیڈروں پر حملہ کیا تھا حقیقتاً ہریلے تھے اور ایک خاص قسم کی بو انہیں حملہ کرنے پر مجبور کرتی تھی۔ شہاب کی کوٹھی سے وہ سیال بھی کافی مقدار میں برآمد ہوا ہے جس کی بوکتوں کو جھپٹنے پر مجبور کرتی تھی۔“

یہ پلاٹ محض اس لئے بنایا گیا تھا کہ اس سلسلے میں آپ بدنام کئے جاسکیں لوگوں کی توجہ ان کتوں کے سلسلے میں آپ پر مبذول کرانے کے لئے تہینہ استعمال کی گئی تھی... اور سنئے محض آپ ہی کی ذات نہیں تھی جس نے میری رہنمائی کی۔ اگر میں صرف آپ کے متعلق چھان بین نہ کرتا تو میری رسائی ان غیر ملکی جاسوسوں تک ہرگز نہ ہو سکتی تھی۔ جب میں نے آپ کے متعلق بہت زیادہ چھان بین کی تو مجھے معلوم ہوا کہ موجودہ حکومت صرف آپ ہی کی ذات ہے۔ آپ ہی کی ذہانت موجودہ حکومت کو چلا رہی ہے۔ ساری پالیسیاں آپ ہی مرتب کرتے ہیں اور

عوام کے منتخب کئے ہوئے نمائندے ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور مجھے اس تفتیش کے دوران میں یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک بڑی طاقت آپ کے بین الاقوامی رجحانات کو پسند نہیں کرتی اور چاہتی ہے کہ استقلال پارٹی کو برسرِ اقتدار لایا جائے۔ بس اتنا معلوم ہوتا ہے خود بخود ساری گرہیں کھلتی چلی گئیں۔ مجھے وہ رات یاد آئی جب ہائی سرکل ٹائٹ کلب میں ایک کتا پنگ پانگ کی میز پر کودا تھا اور میں اس کا تعاقب کرتا ہوا اس آدمی تک پہنچا تھا جس نے اس کتے کو ہلاک کیا تھا۔ وہ آدمی یہی چاہتا تھا کہ اس کا تعاقب کیا جائے۔ بہر حال ان حالات میں ہر شخص وہی کرتا جو میں نے کیا۔ اسی دوران میں تہینہ اپنے شبہات کا اظہار کرنے لگی۔ وجہ اس نے یہ بتائی تھی کہ وہ شہاب سے محبت کرتی ہے۔ ان لوگوں کو علم تھا کہ میں اکثر پولیس کے لئے کام کرتا رہتا ہوں لہذا انہوں نے اس جال کو پھیلانے کے لئے اور محکمہ سرانجام کے سپرنٹنڈنٹ کیپٹن فیاض کو گھینٹنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی ہو گئے۔ شہاب شاید پاگل پن کا ڈھونگ نہ رچاتا مگر دشواری یہ تھی کہ اس کے بغیر آپ کے خلاف پروپیگنڈا نہ ہو سکتا۔ کیونکہ پروپیگنڈا اسے تہینہ کے ذریعہ کرانا تھا۔ جو ہر کس و ناکس کو اپنے عشق کی داستان بنا کر آپ کے خلاف اپنے شبہات کا اظہار کرتی۔ شہر کے اونچے طبقے میں پہلے ہی سے شہاب اور تہینہ کے تعلقات کے بارے میں چہ میگوئیاں ہوتی رہی تھیں۔ بہر حال شہاب بعض اوقات اسی لئے آپ کے میک اپ میں رہا کرتا تھا کہ تفتیش کرنے والوں کو غلط رستے پر ڈالا جاسکے۔ ان لوگوں کی اسکیم کے مطابق استقلال پارٹی نے عوام کی زیادہ سے زیادہ ہمدردیاں حاصل کر لیں اور لوگ آپ کے دشمن بھی ہو گئے۔ شہاب اور اس کے ساتھی یہی چاہتے تھے کہ عوام ہی آپ کو ختم کر دیں اور اگر حکومت سختی کرے تو لگے ہاتھ بغاوت بھی کرا دی جائے۔ اس طرح موجودہ حکومت کا تختہ الٹ کر ایک ایسی حکومت بنائی جائے جو اس بڑی طاقت کے ہاتھوں میں کھٹ پکلی ہوتی۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ پاگل کتے عام آدمیوں پر بھی حملے کرنے لگے ہیں تو مجھے یقین ہو گیا کہ اب آپ پر ضرور ہاتھ صاف کیا جائے گا۔ لہذا میں نے آپ کو محل سے نکالنے کا انتظام کیا۔ دوسری دلچسپ بات یہ ہے کہ شہاب اور اس کے ساتھی یہ بھی جانتے تھے کہ میں شیراز آزاد ہوں۔ لیکن انہیں اس کا علم نہیں تھا کہ میں آپ کے پیچھے لگنے کے بجائے خود انہیں کی فکر میں ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ جس کتے نے مجھ پر حملہ کیا تھا ہریلا نہیں تھا۔ لیکن تھا وہ انہیں لوگوں کا پالتو کتا۔ ورنہ اسے ختم کیوں کر دیا گیا تھا۔ اگر وہ اسے ختم نہ کر دیتے

تو شاید وہی کتا مجھے ان کی کمین گاہوں تک بھی پہنچا دیتا۔ ہاں تو وہ لوگ دراصل اتنے پاپز اس لئے نبل رہے تھے کہ آپ کے خلاف رائے عامہ خراب کی جاسکے۔ رومال کا قصہ میرے علم میں لا کر وہ مجھے باور کرائنا چاہتے تھے کہ وہ کتوں پر کسی قسم کا نیا تجربہ تھا اور ظاہر ہے اس شہر میں نت نئے تجربات کرنے والا آپ کے علاوہ اور کون تھا۔

نواب مشکور نے ایک طویل سانس لی اور عمران کو تعریفی نظروں سے دیکھنے لگا۔ عمران پھر بولا۔ ”وہ خوشبودار سیال ایک عجیب و غریب ایجاد ہے جس کی بو پر کتے اپنے حواس کھو بیٹھتے ہیں۔ ہر قسم کے کتوں پر اس سیال کی بویکیاں طور پر اثر انداز ہوتی ہے۔ پہلے میں یہ سمجھا تھا کہ شاید وہ بعض تربیت یافتہ کتوں ہی کے لئے مخصوص ہوگی۔ لیکن اب یہ خیال بدلنا پڑا ہے۔“

”کیوں....!“ نواب مشکور نے سوال کیا۔

”کیونکہ عام آدمیوں میں سے صرف چند لوگ پاگل ہوئے ہیں۔ بقیہ بالکل ٹھیک ہیں ممکن ہے پاگل ہو جانے والوں کو ان کے مخصوص کتوں نے کاٹا ہو۔ ہاں وہ لوگ جو پاگل نہیں ہوئے تھے ان کے بیانات کا لب لباب یہ تھا کہ ان سبھوں نے راہ چلتے ہوئے اپنے لباس میں ایک عجیب قسم کی خوشبو محسوس کی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ کسی ایسے مقام پر ان کے لباس میں خوشبو لگائی گئی ہو جہاں بھیڑ رہی ہو اور ان کا بیان ہے کہ حملہ کرنے والے کتے دیسی ہی تھے۔ ویسے میں نے عام کتوں پر اس کا تجربہ کیا ہے۔“

”وہ تینوں لیڈر بھی۔“ نواب مشکور کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”میرا خیال ہے کہ ان کا کیمس غلط نہیں ہے۔ وہ سچ مچ پاگل ہو گئے ہیں۔“

نواب مشکور کچھ نہ بولا۔ شاید وہ کوئی سوال مرتب کر رہا تھا۔

”بہر حال۔“ عمران کچھ دیر بعد بولا۔ ”استقلال پارٹی تو ڈوب ہی گئی۔“

”ہاں.... آں....!“ نواب مشکور نے پھر ایک طویل سانس لی اور جیب سے چیک بک

نکالی۔

پھر اس نے ایک چیک لکھ کر پھاڑا اور عمران کی طرف بڑھادیا۔

”تیس ہزار“ عمران نے حیرت سے کہا۔ ”مگر کیوں؟ یہ کیوں؟ نہیں جناب مجھے افسوس ہے

میں نے یہ کام محکمہ خارجہ کے لئے کیا تھا اور اس کا معقول معاوضہ وصول کر چکا ہوں۔ لہذا یہ رقم

میرے لئے قطعی ناجائز ہوگی۔“

”یہ تو تمہیں لینے ہی پڑیں گے۔“

”نہیں جناب۔ اس صورت میں تو آپ سے زبردستی ہی وصول کرتا۔ اگر آپ کے خلاف میں نے ثبوت فراہم کئے ہوتے یقین کیجئے کہ میں آپ سے پندرہ ہزار وصول کئے بغیر آپ کو پولیس کے حوالے نہ کرتا۔ یاد ہے نا آپ کو... آپ نے مجھے چیلنج کیا تھا۔“

”مجھے یاد ہے۔“ نواب مشکور نے مسکرا کر کہا۔

”بس تو آپ جیتے میں ہارا۔“ عمران دردناک آواز میں بولا۔

نواب مشکور نے زبردستی چیک عمران کی جیب میں ٹھونس دیا۔

﴿ختم شد﴾